طالبان اور افغانستان کے تناظر میں لکھے گئے کالم

نقشِ خیال

عرفان صدیقی

Marfat.com

نقشِ خیال

طالبان اور افغانستان کے تناظر میں لکھے گئے کالم

عرفان صدیقی

ساگر پبلشرز
7-A لوئر مال، داتا دربار روڈ، لاہور فون: 7230423
www.sagar.com.pk

Marfat.com

87039

626384

نام کتاب نقش خیال
مصنف عرفان صدیقی
ناشر ساگر پبلشرز، 7۔اے لوئر مال داتا دربار روڈ، لاہور
فون:7230423
کمپیوٹر کوڈ 1S86
قیمت -/350روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔7221953
9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7225085-7247350
فیکس:۔042-7238010
14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔021-2210212-2212011-2630411
e-mail:- zquran@brain.net.pk
Website:- www.ziaulquran.com

Marfat.com

والدہ ماجدہ کے نام

جن کی دعائیں

میری راہنما اور پناہ گاہ ہیں

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

پیش لفظ	11
محبتیں اور نفرتیں	15
دہشت گردی؟	18
آگے کا سفر	21
نیو ورلڈ آرڈر	24
ایک غریب و سادہ سی قبر	27
اور اب شمالی اتحاد	30
قصہ جیسی جیکسن کا	33
زندہ یا مردہ	36
بس ایک سوال	39
گناہ کبیرہ	43
بنگلہ دیش کا فیصلہ	46
وسوسے اور واہمے	49
مجھے معاف کر دینا	52
دوستوں کی آمد آمد	56
جاگتی آنکھوں کے خواب	59
''انصاف'' افغانستان کی دہلیز پر	62
طالبان کی تخصیبات	65
راکھ کا ڈھیر	68
نازک مزاج امریکہ	71
لٹے لوگوں کا ماتم	74
یہ بے خبر لوگ	77
پہلا مرحلہ	80
اپنی اپنی ''القاعدہ''	83
ڈالروں کا مرہم؟	86
ابابیلیں کہاں ہیں؟	89
افتاد کی داد طلبی	93
رومانویت اور طالبان (1)	96
رومانویت اور طالبان (2)	99
امریکہ کا نظریہ ضرورت	102
روح محمد ﷺ	105
دوستی کا تازہ سفر	108
کھوٹے کا کھرا	111
جوابدہی!	114
جناب معین حیدر سے التماس	117
ہم بھی کیا لوگ ہیں؟	120
حاجی بلور اور ''مولوی''	123
اندوہ وفا	126
اسلامی بھائی	129
سلامی	132
خوف کا آسیب	135
تمنائیں اور التجائیں	138

Marfat.com

اسرائیل کی وکالت 141
تماشا ختم ہوگا 144
میں کون ہوں؟ 147
انقلاب نو--1 150
انقلاب نو--2 153
ملا عمر کا 'آسیب' 156
مفلس کی قبا 159
عروج 162
''عالمی لوئی جرگہ'' 165
طالبان--مسئلہ کیا ہے؟(1) 168
طالبان--مسئلہ کیا ہے؟(2) 171
طالبان--مسئلہ کیا ہے؟(3) 174
طالبان--مسئلہ کیا ہے؟(4) 177
پٹاری کھل رہی ہے 180
تھینک یو پروفیسر چومسکی 183
خون بہا 186
کمزوری اور شہ زوری 190
کشمیر کاز 193
نیا سورج 196
آئین نو 199
مصلحت کیشی کا درس 202
شمالی اتحاد براستہ بون 205
نئے تماشا گر 208
وہ مرد جری! 211
سردیوں کی طویل رات 214
فسطائیت کے سفیر 217
عید مبارک 220
وجود کی بقا(1) 222
وجود کی بقا(2) 225
یہ کس کے ہنر کا شکار ہے؟ 228
خواب مرتے نہیں 231
ایک قرارداد کی آمد آمد 234
مال غنیمت 237
پہلا قدم 240
دباؤ اور قوت مدافعت 243
جرم ضعیفی 246
پاکستانیت 249
دوستی کا ہاتھ 252
تماش بینوں کی بھیڑ 255
پام باربرا اور مٹا چینا 258
امتحان کی گھڑی 261
خود اذیتی 263
ایک سوال 266
جہاد اکبر(1) 269
جہاد اکبر(2) 272
اک ذرا صبر 275
اصلاحات 278
قندھار کا نو آباد قبرستان 281

Marfat.com

جبر واختیار (1)	284
جبر واختیار (2)	287
ہم کہاں کھڑے ہیں؟	290
"نیویارک زندہ باد"	293
دینی مدارس کی ضابطہ بندی	296
بھارت کا کرخت لہجہ	299
بحالی اعتماد کی تلقین	302
آخر کب تک	305
تصویر کا روشن رخ (1)	308
تصویر کا روشن رخ (2)	311
تصویر کا روشن رخ (3)	314
ایک پرچون بل	317
چیس نمبر 8 کا نیا مکین	320
امریکہ اور بھارت	323
ناموس رسالت ﷺ	326
محفوظ دنیا	329
دل بہلاوے	332
ایرانیوں کا انداز تفاخر	335
خود فریبی ہی سہی	338
ڈی این اے	341
تہہ خانہ کی حکومت	344
شاہی کوٹ کے پہاڑ	347
انسانی حقوق، جمہوریت، قانون کی حکمرانی	350
برگ آوارہ	353
ضیاء شاہد کا سوال	356
دقیانوسی سوچ کی ایک لہر	359
تعاون کی پیشکش	362
نوحے اور بین	365
کربلا تا کربلا	368
کابل کا میئر	371
سنہری بالوں، گلابی گالوں اور شہابی آنکھوں کے نام	374
شہادت کا انتظار	377
ہچکیوں اور سسکیوں کا دیس	380
لاوارث لاشیں	383
اصل کام	386
امریکہ کی یاددہانی	389
حافظ میوہ جان وزیر شہید	392
قندھار کے قیدی کے نام	395
ادھر بھی کوئی رحمت کا چھینٹا	399

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

میں عجیب الجھن میں ہوں کہ کیا لکھوں؟ اپنے بارے میں، کتاب کے بارے میں، کالم نگاری کے بارے میں یا ان کرداروں کے بارے میں جو میرے کالموں میں رچ بس گئے ہیں؟

مجھے ابتدا ہی میں یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ میں کالم نگاری کے فنی تقاضوں سے نابلد ہوں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ صحافت کی اس توانا اور مقبول صنف کی نزاکتیں کیا ہیں؟ کالم کن اجزائے ترکیبی سے تربیت پاتا، زبان و بیان کے کن مرحلوں سے گزرتا، تاثر کی کس شدت سے بہرہ مند ہوتا اور پھر کیوں کر دل کے دریچوں پر دستک دیتا ہے؟

میں ایک ایسے وقت اس وادیٔ شوق میں آیا جب الاؤ بھڑک چکا تھا۔

دنیا کی واحد سپر پاور کی طرف سے بھرپور عسکری قوت کے ساتھ ایک بے سروساماں قبیلے پر حملہ جس کے پاس دولتِ ایمان و یقین کے سوا کچھ نہ تھا، اس صدی کا ایسا سانحہ ہے جو ناگاساکی اور ہیروشیما کی طرح بہت دیر تک یاد رکھا جائے گا۔ یہ بپھری ہوئی رعونت اور اندھی مادیت کی یلغار تھی جس کا نشانہ افغانستان کے سادہ و معصوم لوگوں کو بنایا گیا۔ یہ کلیتاً ظالم اور مظلوم کی صدیوں پرانی جنگ تھی جس میں پاکستان کو ایک نامطلوب کردار ادا کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ فیصلے کی نازک گھڑی میں ملک سیاسی و جمہوری قیادت سے محروم تھا اور حکومت کسی توانا ردِعمل کے لئے عوامی قوت بروئے کار نہ لاسکی۔ ایک طبقے نے امریکہ کی منہ زوری کی آڑ میں اُن نظریات، اصولوں اور

Marfat.com

اقدار کو بھی تختۂ مشق بنالیا جو ازل سے انسانیت کا حسن رہے ہیں اور جن کی نفی انسان کو حیوانیت اور درندگی کی ارذل سطح پر لے آئی ہے۔ "دانش" کی اس یلغار نے زمینی حقائق کی بنیاد پر ایک ایسے منفعل انداز حیات کی تبلیغ شروع کر دی جو اسلام کے نظام فکر کے لئے بالکل اجنبی تھا۔

یہ ہماری قومی تاریخ کا نازک دور تھا۔ ہنگامی طور پر کسی ایسے فورم، پلیٹ فارم یا ادارے کی ضرورت تھی جو طوفان کے سامنے کھڑا ہو کر بھرپور نظریاتی قوت کے ساتھ سپر پاور کے اخلاقی بانجھ پن اور اہل جنون کے جذبۂ بے اختیار شوق کے درمیان بپا اس معرکے میں ارفع اصولوں اور لافانی جذبوں کی ترجمانی کرے۔ سرکاری میڈیا حکومتی فیصلے کی آرائش و زیبائش میں مصروف تھا۔ سیاسی جماعتیں منقسم اور کنفیوژن کا شکار تھیں۔ دینی جماعتیں کوچہ و بازار میں ہلچل مچانے تک محدود رہیں۔ ایسے میں فکری محاذ پر ایک منظم اور ہمہ گیر نظریاتی جہاد اور 'پاکستانیت' کی ترجمانی کا اعزاز 'نوائے وقت' کے حصے میں آیا۔ جناب مجید نظامی نے اپنے عظیم بھائی اور اپنے نظریاتی اخبار کی درخشاں روایات کی پاسداری کرتے ہوئے پورے بانکپن کے ساتھ وقت کی عدالت میں شہادت حق کا فریضہ سرانجام دیا۔

یہ میری خوش بختی ہے کہ مجھے اس نظریاتی معرکے میں "نوائے وقت" کا مورچہ اور جناب مجید نظامی جیسے سپہ سالار کی قیادت میں، ایک سپاہی کے طور پر اپنا ہنر آزمانے کا موقع ملا۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ اگر میں اس قافلۂ سخت جاں کا حصہ نہ ہوتا تو شاید یہ کالم کبھی نہ لکھ پاتا۔ ایک غیر متزلزل یقین اور اپنے نظریے پر لازوال ایمان کے ساتھ میں نے قلم اٹھایا اور افغانستان کے کوہساروں، گھاٹیوں اور وادیوں کی طرف نکل گیا۔ میں خون میں لت پت صبحوں اور زخموں سے چور شاموں کے دلدوز منظر دیکھتا اور دکھاتا رہا۔ میں نے کبھی ان اہل جنوں کے بانکپن کے قصیدے لکھے جو اس عہد زیاں کار میں قرون اولیٰ کی داستانیں رقم کر رہے تھے۔ کبھی شہابی آنکھوں اور گلابی گالوں کے نوحے لکھے۔ کبھی روح و احساس سے عاری ٹیکنالوجی کے کمالات کا مضحکہ اڑایا۔ کبھی وقت کی فرعون مزاج سپر پاور کا پوسٹ مارٹم کیا۔ کبھی بجھتے ہوئے حوصلوں اور غروب ہوتے ولولوں کو زندہ رکھنے کے جتن کیے -- اور جب افغانستان کے دشتِ بے اماں میں بھٹکتے بھٹکتے تھک گیا تو، تورا بورا کی کسی سیاہ رنگ چٹان پر بیٹھ کر اتار دیا، اتار دیا کہ میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ ابتدائے سفر میں، میں اپنے آپ کو تنہا خیال کرتا تھا لیکن جلد ہی مجھے احساس ہوا کہ میں

Marfat.com

ایک بہت بڑے ہجوم میں گھرا بیٹھا ہوں۔ وہ میرے ساتھ نعرے لگاتا، میرے ساتھ فرعونوں کی رعونت پر خاک ڈالتا، میری آواز میں آواز ملا کر رجز گاتا، میرے ساتھ مل کر شام غریباں کا اہتمام کرتا اور میرے گلے میں بانہیں ڈال کر آہ و زاری کرتا ہے۔ یہ قبیلہ آج بھی میرے ساتھ ساتھ، میرے ہر کالم کے ایک ایک حرف میں شریک ہے۔

O

اس مجموعے میں صرف وہ کالم شامل کئے جا رہے ہیں جو طالبان، افغانستان اور امریکی یلغار کے تناظر میں لکھے گئے۔ داخلی موضوعات پہ لکھے گئے کالموں کا مجموعہ انشاء اللہ ستمبر تک طبع ہو جائے گا۔

اظہار تشکر کے لئے سب سے نمایاں نام برادر محترم مجید نظامی کا ہے جن کی راہنمائی اور شفقت کے بغیر یہ سفر ممکن ہی نہ تھا۔ کالموں کا ریکارڈ رکھنے کے حوالے سے میں اپنی بیگم، اپنے چھوٹے بھائی انعام صدیقی اور عزیزی یاسر آفاق کا شکر گزار ہوں جن کی اجتماعی کاوش کے بغیر بہت مشکل پیش آتی۔ کتاب کی طباعت و اشاعت کے لئے میں خوش خصال برادر عزیز میجر (ر) محمد ابراہیم شاہ اور جناب طارق اسمٰعیل ساگر کا ممنون ہوں جنہوں نے بھرپور محنت سے اس کتاب کی صورت گری کی۔

اور ان کا شکریہ تو میں ادا کر ہی نہیں سکتا جنہوں نے مجھے اپنی دعاؤں سے نوازا، میری حوصلہ افزائی کی اور اس سفرِ شوق میں ہر آن میرے ساتھ رہے۔ مجھے آئندہ بھی ان کی دعاؤں اور اللہ کی عطاؤں کی حاجت رہے گی۔

Marfat.com

Marfat.com

محبتیں اور نفرتیں

ان دلائل میں بہرحال وزن ہے کہ امریکہ کا ساتھ نہ دے کر ہم منہ زور عتاب کا نشانہ بن جائیں گے، ہماری ہچکیاں لیتی معیشت دم توڑ بیٹھے گی، ہماری ایٹمی قوت خطرے سے دوچار ہو جائے گی، ہم دہشت گردی کے خلاف عالمی تحریک سے کٹ جائیں گے اور کشمیر قصہ پارینہ بن جائے گا۔ بلاشبہ یہ حقائق وقت کی لوح پر جلی حروف میں لکھے دکھائی دے رہے ہیں۔ سوال صرف پاکستان کے تحفظ و سلامتی یا عوام کی ترقی و خوشحالی کا ہوتا تو فیصلہ کرنے میں دشواری نہ تھی۔ کون سا پاکستانی ہے جو قومی مفادات کو معرض خطر میں ڈالنے کا آرزومند یا اجتماعی غربت و پسماندگی کا تمنائی ہے۔ اس سلسلے میں حکمرانوں اور عوام میں اختلاف نہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر پوری قوم اور حکومت کی آرزو یہی ہے تو پھر فکر و احساس کے دھارے مختلف کیوں ہیں اور تفریق کی لکیریں گہری کیوں ہوتی جا رہی ہیں؟

معاملہ یہ ہے کہ قضیے کا بنیادی فریق امریکہ ہے جو ہمارے ہی دست و بازو کے طفیل آج دنیا کی واحد سپر پاور بن چکا ہے اور اس سپر پاور کے بارے میں ہمارے کچھ تحفظات ہیں۔ قوموں کی سوچ کسی وقتی ابال سے بدلی جا سکتی ہے نہ کوئی فوری واقعہ جذبوں کا رخ موڑ سکتا ہے۔ عوام کی سوچ برسوں کے تدریجی عمل کے بعد تشکیل پاتی اور جذبے سال ہا سال کی آنچ کے بعد پختہ ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شعوری کوشش کے باوجود پاکستان کے عوام اپنے قلب و ذہن میں امریکہ کے لئے کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں کر سکے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہماری زمین امریکی دوستی کے لئے بنجر یا ہماری آب و ہوا اس کی نشو و نما کے لئے ناسازگار تھی۔ اس کی ذمہ دار خود امریکہ کی ادائیں ہیں جو بارہا پاکستان کے اعتماد کو مجروح کرنے اور عوام کے دلوں میں کدورتوں کے بیج بونے کا سبب بنی ہیں۔ ہم نے فوجی اور سیاسی حکومتوں کی تفریق کے بغیر ہمیشہ امریکہ کی فدویانہ اطاعت گزاری کی لیکن امریکہ کی طرف سے کبھی ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھونکا نہیں آیا۔ جب بھی ہماری قومی سلامتی کو خطرہ

Marfat.com

لاحق ہوا اور ہم نے تعاون کی امید کے ساتھ پلٹ کر امریکہ کی طرف دیکھا ہمیں شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں اس نے غیر جانبداری کی چادر تان لی اور 1971ء میں اس وقت تک اس کا ساتواں بحری بیڑا، بحر ہند کی لہروں سے اٹھکیلیاں کرتا رہا جب تک ڈھاکہ سرنگوں نہیں ہو گیا۔ ہم نے ایک عشرے تک افغان جہاد کو اپنے لہو سے سینچا اور دوسری سپر پاور سوویت یونین کو تاریخ کی شرمناک ہزیمت سے دوچار کر کے نہ صرف امریکہ کی پیشانی پر لگے ویت نام کی شکست کے داغ کو دھوڈالا بلکہ اسے دنیا کی واحد سپر پاور کا تاج بھی پہنا دیا۔ لیکن ابھی آخری روسی سپاہی ''دریائے آمو'' کے اس پار نہیں اترا تھا کہ امریکی ترجیحات بدل گئیں۔ ہماری کارکردگی پر ''انعام و ستائش'' کا سلسلہ جنیوا معاہدے سے شروع ہو کر اوجڑی کیمپ کے آتش کدے اور بہاولپور میں صدر ضیاء الحق کے طیارے کی راکھ سے ہوتا ہوا 1990ء میں سخت اقتصادی پابندیوں پر ختم ہوا۔ ختم کہاں ہوا؟ امریکہ نے بھارت کو اپنی نئی ترجیحات میں نیا مرتبہ و مقام دینے کے بعد ہمیں اس کی چودھراہٹ کا حلقہ بگوش بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

صدر کلنٹن کے پانچ روزہ دورہ بھارت کے بعد، پانچ گھنٹے کے دورہ اسلام آباد کی سوغات، ان ترجیحات کا ایک عکس ہے جو امریکہ کے نئے ورلڈ آرڈر کا حصہ ہیں۔ امریکی پالیسی سازوں نے ہمیشہ حکمرانوں سے راہ و رسم بڑھائی اور انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا لیکن کبھی قوموں کے ساتھ بے لاگ دوستی کی کوشش نہیں کی۔ ایک سپر پاور ہونے کے ناتے اسے بالغ نظر، حکیمانہ، مدبرانہ اور اعلیٰ اخلاقی اصولوں پر استوار پالیسی تشکیل دینی چاہئے تھی لیکن اس نے فلسفہ و حکمت کے سارے اصولوں اور اخلاق و کردار کے تمام تر ضابطوں کو اپنے اہداف کی بھینٹ چڑھا دیا۔ فلسطین، کشمیر، بوسنیا، چیچنیا اور متعدد دوسرے علاقوں میں بہنے والا خون مسلم اس کے لئے پانی سے بھی زیادہ ارزاں رہا۔ انسانی حقوق کے لئے اس نے من پسند پیمانے ایجاد کر لئے۔ قوموں کی مساوات اور انصاف کی فرمانروائی کے لئے قائم ہونے والی اقوام متحدہ اس کے ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی بن گئی۔ اس سارے کھیل کے دوران پاکستان کے مسائل میں مدد دینا یا کشمیر کے دیرینہ مسئلے کو حل کرانے کے لئے منصفانہ کردار ادا کرنا کبھی امریکہ کی ترجیح نہیں رہی۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک سے ملنے والے قرضے بھی امریکی شرائط کی آمیزش سے خالی نہ تھے جو

Marfat.com

عملاً ہماری معیشت کو گھن کی طرح چاٹتے اور ہماری صلاحیتوں کے پر کاٹتے رہے۔

امریکہ کو جب بھی کوئی فرد مطلوب ہوا ہم نے ملکی قانون کو نظر انداز کرتے ہوئے، اس کی گردن دبوچ کر امریکی کمانڈوز کے حوالے کر دیا۔ ایمل کانسی، ایوب آفریدی، انور خٹک، مشتاق حسین اور نہ جانے کون کون؟ یہ سب پاکستانی باشندے ہیں جن کی جیبوں میں سبز رنگ کے پاکستانی پاسپورٹ تھے۔ یوسف رمزی اور صادق ہویدا عرب باشندے تھے لیکن وہ ہماری سرزمین پر تھے، ہم نے امریکہ کی خواہش پر انہیں بھی امریکی چنگل میں دے دیا۔ ہم نے تو چاند ال میں اترنے والے روسی نیلی کا پٹرز تک امریکہ کو دے دیئے کہ اس کے ماتھے پر خفگی کی کوئی شکن نہ ابھرے۔ شاید ہماری اسی "خود سپردگی" کے سبب آج اسامہ ڈیلیور کرنے کا کارخیر بھی ہمیں سونپا جا رہا ہے۔ ادھر جب ہم نے اربوں روپے کی کرپشن میں ملوث "فاروقیوں" کو امریکہ سے طلب کیا تو جواب ملا "شواہد لاؤ۔ ہم اپنے قانون کے تحت یہاں مقدمہ چلائیں گے۔"

یہ ہیں امریکی چہرے کے عمومی خدوخال جن کے باعث نہ صرف پاکستانیوں بلکہ عالم اسلام اور تیسری دنیا کے عوام کی بھاری اکثریت کے دلوں میں امریکہ کے لئے محبت اور ہمدردی کا کوئی جذبہ انگڑائی نہیں لیتا۔ اس پر قیامت ٹوٹتی ہے تو بے گناہ انسانوں کی ہلاکت پر دکھ کے ساتھ ساتھ دلوں کے کسی نہ کسی گوشے سے اس پر آسودگی کی ایک لہر بھی ضرور چھوٹتی ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جو روز روشن کی طرح دکھائی دینے والے حقائق کے باوجود اور پاکستان کی سالمیت و بقا کو اولین ترجیح تسلیم کرنے کے باوصف پاکستانی قوم کو یکسو نہیں ہونے دیتا اور اس کی بے کلی بڑھتی جا رہی ہے۔ اعلیٰ ترین قومی مقاصد کے حصول کے لئے جب وہ اپنے آپ کو امریکہ کے پہلو میں کھڑا دیکھتی ہے تو اس کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔

محبتیں اور نفرتیں برسوں میں تشکیل پاتی ہیں اور بے پناہ خوف کا آسیب بھی آسانی سے ان کے نقش نہیں مٹا سکتا۔

[22-9-2001]

Marfat.com

دہشت گردی؟

''دہشت گردی کے خلاف ہماری جنگ کا آغاز ''القاعدہ'' سے ہوتا ہے لیکن یہ وہاں پر ختم نہیں ہو جائے گی۔ یہ اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک دنیا کا ہر دہشت گرد گروپ تلاش نہیں کر لیا جاتا، اسے غیر موثر نہیں کر دیا جاتا اور اسے شکست سے دوچار نہیں کر دیا جاتا۔ یہ لوگ بیسویں صدی کے خونخوار نظریوں کے وارث ہیں۔ ہمارے ردعمل میں فوری انتقام اور منفرد حملوں سے کہیں زیادہ دوسری کارروائیاں شامل ہیں۔ یہ ایک طویل مہم ہے جو پہلے کسی نے نہیں دیکھی۔ اس میں ٹی وی پر دکھائی دینے والے ڈرامائی حملے بھی شامل ہیں اور ایسے خفیہ آپریشن بھی جن کی کامیابی کو صیغہ راز میں رکھا جائے گا۔ دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہر ملک کو ایک فیصلہ کرنا ہوگا۔ یا وہ ہمارا ساتھی ہے یا پھر دہشت گردوں کا...... طالبان دہشت گردوں کو ہمارے حوالے کر دیں یا پھر انہی کے مقدر سے ہمکنار ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔''

صدر بش کی اشتعال سے بھری اور استدلال سے عاری تقریر اکیسویں صدی کی اس تاریخ کا دیباچہ ہے جو امریکہ اپنی لامحدود عسکری اور اقتصادی قوت کے بل بوتے پر رقم کرنا چاہتا ہے۔ رعونت کے زہر میں بجھا ایک ایک جملہ اور غصے کی آگ سے دہکتا ایک ایک لفظ ایسی اندھی اور بے مہار سپر پاور کے ارادوں کی ترجمانی کر رہا ہے جو اپنے حکم کا سکہ پوری دنیا میں رائج کرنے کے لئے بے تاب ہے اور دنیا ایک بے بس پرندے کی طرح اپنی چونچ اپنے پروں میں لئے انہونی کا انتظار کر رہی ہے۔ روئے زمین کے سب سے بڑے اسلحہ خانے کی مالک قوت دنیا کی سب سے غریب اور پسماندہ قوم کو کچلنے جا رہی ہے۔ کوئی طیارہ، کوئی بحری بیڑا، کوئی عسکری دستہ اسے روکنے والا نہیں۔ افغانستان کی اڑھائی کروڑ آبادی کا بڑا حصہ پناہ کی تلاش میں سرحدوں کی طرف بھاگ رہا ہے جہاں کے پہریدار چوکس اور پھاٹک بند ہیں۔ چار سال سے جاری خشک سالی ہزاروں انسانوں کو نگل چکی ہے اور امریکہ کی گود میں بیٹھی اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ ''ورلڈ فوڈ پروگرام'' کے

Marfat.com

خاتمے کے بعد کم و بیش چالیس لاکھ افغانی غربت اور بھوک کا لقمہ بن جائیں گے۔ موسم سرما کا ہراول دستہ بے گھر اور بے لباس افغانوں کی بستیوں کی طرف بڑھ رہا ہے اور امریکہ ان پر میزائلوں اور بموں کی بارش برسانے کے لئے پر تول رہا ہے۔ بے یقینی کی صلیب پر لٹکے افغان عوام آسمان کی طرف دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔

رعونت انتہا کو پہنچ جائے تو خون آشام طاقتیں الفاظ کے معنی و مفہوم بھی بدل ڈالتی ہیں۔ امریکہ نے جس چیز کو ''دہشت گردی'' کا بھیانک نام دے رکھا ہے اس کی اصل کچھ اور ہے۔ وہ خود جس آزادی، جمہوریت اور انسانیت کا علمبردار ہے، اس کے نقوش ساری دنیا کے در و دیوار پر ثبت ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ تاریخ کے ان مکروہ حوالوں سے گریز کیا جائے لیکن جارج بش کے ''کروسیڈ'' کا اصل چہرہ دیکھنے اور دکھانے کے لئے ماضی میں جھانکنا ضروری ہے۔ اس تجزیئے سے شاید اس سوال کا جواب بھی مل جائے جو صدر بش نے اپنی تقریر میں اٹھایا ہے اور کہا ہے کہ ''امریکی عوام پوچھتے ہیں کہ انہیں (دہشت گردوں کو؟) ہم سے نفرت کیوں ہے؟''

جمہوریت، آزادی اور انسانی اقدار کے خلاف اکیسویں صدی کی پہلی عالمی جنگ شروع کرنے والے امریکہ کو شاید ماضی کے یہ حوالے اچھے نہ لگیں لیکن دنیا ان حوالوں کے آئینے میں ایک عظیم سپر پاور کا چہرہ ضرور دیکھ سکے گی۔ حافظے کی کمزوری کے باوجود دنیا نہیں بھولی کہ انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو سے نجات حاصل کرنے کے لئے کس نے کم و بیش پانچ لاکھ انڈونیشی قتل کروا ڈالے؟ عراق میں دودھ اور خوراک سے بلکتے بچوں کے پیچھے کس کی قاہری کام کر رہی ہے؟ کون ہے جو محض تفریح طبع یا ہوابازوں کی تربیت کے لئے ہر ہفتے عراق کی بستیوں پر چاند ماری کرتا ہے؟ کس نے لبنان کی گلیوں کو خون میں نہلا دیا؟ کس نے صدر قذافی کی اقامت گاہ کو بمباری کا نشانہ بنا کر اس کی معصوم بچی کی جان لے لی؟ کون ہے جس نے اپنے پروردہ شاہ ایران کے تحفظ کے لئے ایران میں لاکھوں انسانوں کی گردنیں کٹوا ڈالیں؟ ایران کے مسافر بردار طیارے کو کس نے چھلنی کر کے مار گرایا؟ کمبوڈیا اور لاؤس کی دیواروں پر کس کے کارنامے رقم ہیں؟ صومالیہ اور سنکیانگ میں کیا ہوتا رہا؟ کس نے الجزائر میں عوام کی منتخب حکومت کا تختہ الٹ کر اپنے چہیتوں کو تخت پر بٹھایا اور تین لاکھ انسانوں کی جانیں لیں؟ کس کی آشیرباد سے اسرائیل نے صابرہ اور شتیلہ کے کیمپوں میں رقص ابلیسی کا مظاہرہ کیا؟ کون ہے جس کی تھپکیاں اسرائیل کو کمسن فلسطینی

Marfat.com

بچوں کے سینے چھلنی کرنے کا حوصلہ دے رہی ہیں؟ کس نے سوڈان میں ادویات بنانے والی فیکٹری یہاں تک زمین بوس کر دیں؟ سوئیکارنو، ضیاء الحق اور لوممبا کا خون کس کی گردن پر ہے؟ کس نے ہیروشیما اور ناگاساکی کی انسانیت سوز تاریخ رقم کی؟ کون ہے جس کی چشم پوشی نے کشمیر کو آتش کدہ بنا رکھا ہے؟

ان میں سے کوئی واردات بھی ''دہشت گردی'' کے زمرے میں نہیں آتی کیونکہ ان کے پیچھے خود امریکہ کارفرما ہے اور امریکہ کی لغت میں ''دہشت گردی'' کا مفہوم کچھ اور ہے۔ یہ وہ جرائم ہیں جو دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ان کے علاوہ امریکی ایجنسیاں کہاں کہاں، کس کس نوع کے کھیل کھیلتی رہیں یا اب کھیل رہی ہیں، ان کا کسی کو علم نہیں۔ گزشتہ روز جارج بش نے خود کہا کہ ''گزشتہ 136 سالوں میں ایک کے سوا امریکہ نے تمام جنگیں دوسروں کی سرزمین پر لڑی ہیں۔''

اور اب وہ ایک اور جنگ لڑنے جا رہا ہے۔ ''دہشت گردی'' کے خلاف جنگ جو برسوں جاری رہے گی۔ اس کے عوام کو یہ معلوم نہیں ہو پا رہا کہ دنیا امریکہ سے نفرت کیوں کرتی ہے۔ جارج بش کا اصرار ہے کہ ہم کسی ٹھوس شہادت کے بغیر اس کی ہر بات کو سچ مان لیں۔ وہ خود ہی مدعی، خود ہی وکیل، خود ہی منصف اور خود ہی جلاد کا کردار ادا کرنا چاہتا ہے اور پھر یہ بھی چاہتا ہے کہ ہم اپنے کندھے اس کی بندوقوں کے لئے پیش کرتے وقت آنکھیں کھول کر یہ بھی نہ دیکھیں کہ نشانہ کون ہے؟

یہ بھی نہ پوچھیں کہ ''دہشت گرد'' کسے کہتے ہیں؟

اور یہ سوال بھی نہ کریں کہ بیسویں صدی کے خونخوار نظریات کا وارث کون ہے؟''

[23-9-2001]

Marfat.com

آگے کا سفر

امریکہ کے ماضی پر نظر رکھنا، اس کے حال کی چال ڈھال کا باریک بینی سے جائزہ لینا اور اس کے مستقبل کے عزائم کا ادراک رکھنا، اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہم زخم خوردہ ہیں اور ہمیں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔

معاملے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حکومت ایک فیصلہ کر چکی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ یہ فیصلہ قوم اور ملک کے وسیع تر مفاد کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ اس فیصلے کے حق میں ایسے دلائل دیئے گئے ہیں جنہیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کو ہم جس حال تک پہنچا چکے ہیں وہاں ہم میں یہ سکت ہی نہیں رہی کہ کوئی توانا فیصلہ کر سکیں۔ قومی وقار، عزت نفس، آزادی و خود مختاری اور حمیت، سازگار اور شاداب زمانوں کی اصطلاحات ہیں۔ جب ماضی اور حال کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے ہم اپنی روزمرہ کی ضروریات کے لئے بھی غیروں کے محتاج ہوں، ہماری سانس کی ڈوری آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی خوشنودی سے بندھی ہو۔ عالمی ساہوکاروں کے ایجنٹ مسلسل ہمارے بہی کھاتوں کا جائزہ لے رہے ہوں۔ ہمارے زرمبادلہ کے ذخائر دو چار ہفتوں کے لئے بھی ناکافی ہوں اور ہم ایک تن آسان گروہ کی طرح ''قرض کی مے'' کے نشے میں سرشار رہنے کے عادی ہو چکے ہوں تو انتخاب کے لئے بہت سے راستے باقی نہیں رہتے۔ ہمارے پاس تو ''دل یا شکم'' میں سے بھی صرف ''شکم'' ہی کے انتخاب کی گنجائش باقی تھی۔ سو ہم نے یہ راستہ چن لیا ہے بلکہ یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ اس راستے نے ہمیں چن لیا ہے۔

یہ بات ایک مرتبہ پھر دہرانا چاہتا ہوں کہ امریکہ نے واحد سپر پاور کا منصب جلیلہ سنبھالنے کے بعد سے جو نئی ڈکشنری لکھنے کا کام شروع کیا ہے، اس میں الفاظ کے مروجہ اور روایتی معنی مکمل طور پر بدل دیئے گئے ہیں۔ یورپ، اسلامی دنیا اور ترقی پذیر ممالک کی بھاری تعداد امریکہ سے پرخاش رکھنے کے باوجود سپر انداز ہو چکی ہے۔ چین کبھی پرائی آگ میں نہیں کودتا۔ وہ اپنی صلاحیتوں اور

Marfat.com

توانائیوں کو بچا بچا کر رکھ رہا ہے۔ وہ دھیمے مزاج کی ایسی خارجہ پالیسی پر کاربند ہے جس میں جارحانہ پن کی بجائے وقار، حکمت اور دوراندیشی کی صفات نمایاں ہیں۔

اسی پس منظر میں 11 ستمبر کے بعد سے پاکستان ایک ایسی صورت حال سے دوچار ہو گیا ہے جس میں الجھنیں ہی الجھنیں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کی سالمیت اور قومی مفادات کو ہر شے سے زیادہ عزیز رکھا جانا چاہئے۔ اس میں کوئی اختلاف ہو ہی نہیں سکتا، نہ ہے۔ یہ بھی بجا ہے کہ جب بھری دنیا میں کوئی بھی امریکہ کی کلائی مروڑنے بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی جسارت نہیں کر رہا تو ہم کس طرح اس بپھرے ہوئے طوفان کے سامنے بند باندھ سکتے ہیں؟ افغانستان کے حوالے سے ہم بہرحال "فرنٹ لائن سٹیٹ" ہیں اور اپنے آپ کو جغرافیے کی اس قید سے آزاد کرنے پر قادر نہیں۔ پندرہ سو کلومیٹر سے طویل ڈیورنڈ لائن بہر طور کچھ مسائل اور تقاضے رکھتی ہے جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ بھی ملک کے طول و عرض میں مسائل کا ایک گھنا جنگل اُگا ہوا ہے اور قوم کوئی بڑا معرکہ لڑنے کے لئے تیار نہیں۔ مہنگائی، بے روزگاری، بے یقینی، روز افزوں غربت، عدم استحکام اور سیاسی انتشار نے ایمان و یقین کے قلعوں میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔ ان حالات میں کوئی بھی مہم جوئی واقعی قوم کو 'پتھر کے زمانے' میں دھکیل سکتی ہے۔

سو فیصلہ ہو چکا اور اب اس بحث سے آگے نکل جانا چاہئے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اب حکومت اور قوم کی توجہ اس فیصلے کے متوقع اثرات اور منفی تقاضوں پر رہنی چاہئے۔ اگر ہم اب بھی حکمت و دانش، تدبر و بصیرت اور کسی قدر ہمت و جرات سے کام لیں تو معاملات کو سنبھالا جا سکتا ہے اور نہ صرف پاکستان خود اس آگ سے اپنا دامن بچا سکتا ہے بلکہ تباہی کے دہانے پر کھڑے افغانستان کو بھی ایک بڑے المیے سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

امریکہ کی طرف سے دہشت گردی کے خاتمے کی جنگ میں اس کا اتحادی ہونے کے باوجود ہمیں اس کا وکیل بننے یا اس کے تیار کردہ خاکے میں اس کے پسند کا رنگ بھرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اس کی سفاکی پر انسان دوستی کا غلاف چڑھانے اور اس کے چہرے کی "پلاسٹک سرجری" کرنے کی بھی کوئی مجبوری نہیں۔ ہمیں اس کے احکامات کی بے چون و چرا تعمیل کے بجائے اسے زیادہ مہذب، مبنی بر انصاف اور خاص طور پر اہل اسلام کے لئے قابل قبول رویہ اختیار کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کوئی کچھ بھی کہتا رہے، حالیہ واقعات تہذیبوں

87039

Marfat.com

کی کشمکش بنتے جا رہے ہیں۔ ایک ہفتے کے اندر مسلمانوں اور ان کی عبادت گاہوں پر تین سو سے زائد حملے اس بات کا ثبوت ہیں کہ ''مسلمان اور اسلام'' ہدف بن چکے ہیں۔

مغربی ذرائع ابلاغ جب بھی دہشت گردی اور ''بنیاد پرستی'' کی تصویر کشی کرتے ہیں، پس منظر میں قرآن کریم کی تلاوت چل رہی ہوتی ہے اور سجدہ ریز مسلمان دکھائی دیتے ہیں۔ ہمیں امریکہ کو سمجھانا چاہئے کہ وہ اپنے جذبہ انتقام کو یہ رخ نہ دے۔ ہمیں جنگ کو مسلسل ٹالتے ہوئے یہ کوشش بھی کرنی چاہئے کہ طالبان اور امریکہ کے درمیان مذاکرات کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ دونوں کے درمیان جاری آتشیں بیانات کی گرمی کم کی جائے۔ پاکستان میں آج بھی بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو طالبان پر بے پناہ اثر ورسوخ رکھتے ہیں، انہیں متحرک کیا جائے۔

گزشتہ روز ہی اسلام آباد میں ایک قومی سیمینار کے دوران ''نیشنل کرائسز کونسل'' کے قیام کی عمدہ تجویز سامنے آئی ہے۔ حکومت کو بلا تاخیر یہ کونسل قائم کر کے تمام مکاتب فکر کے علماء، سیاسی عمائدین اور اہل دانش کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دینا چاہئے اور آنے والے ہر اقدام کے بارے میں ان کی رائے کو وزن دینا چاہئے۔ آگے کے سفر کو ہموار رکھنا اب ہماری پہلی ترجیح ہونی چاہئے۔

قومی تاریخ کا نہایت ہی اہم فیصلہ کرنے سے قبل غالباً اس کے حجم، وسعت اور گہرائی کا پورا اندازہ نہیں کیا جا سکا لیکن اس پر عملدرآمد اور متوقع خطرات سے بچنے کے لئے قومی مفاہمت ضروری ہے۔ پاکستان کے تمام موثر طبقوں کی شرکت سے حکومت اب بھی طوفان کو ٹالنے یا اس کے تباہ کن اثرات کم سے کم کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

میں یہ سطور لکھ رہا تھا کہ معروف سیاستدان اور سابق وفاقی وزیر جناب نسیم آہیر کا فون آ گیا۔ آہیر صاحب سے میری براہ راست ملاقات نہیں۔ کہنے لگے ''نوائے وقت میں تمہارا آج کا کالم پڑھ کر آنسو رکنے میں نہیں آ رہے۔ ہم کدھر جا رہے ہیں اور کیا ہونے والا ہے؟''

نسیم آہیر کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور وہ دبی دبی سسکیاں لے رہے تھے۔ میں ان کے آنسو نہیں دیکھ پایا۔ میرے پاس تو کوئی حرف تسلی بھی نہ تھا۔ یہ بھی نہ بتا سکا کہ ہم کدھر جا رہے ہیں اور کیا ہونے والا ہے؟ میں تو خود اپنے بے شمار اہل وطن کی طرح کسی ''دیوار گریہ'' کی تلاش میں ہوں۔

[29-09-2001]

Marfat.com

نیوورلڈ آرڈر

دس سال قبل سوویت یونین کی شکست وریخت اور خلیج کی جنگ میں مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کے بعد صدر جارج بش (سینئر) نے نئے ورلڈ آرڈر کا اعلان کرتے ہوئے دنیا کو ''انصاف، امن اور عافیت'' کی نوید سنائی تھی۔ تب امریکہ کا سب سے بڑا عسکری اور نظریاتی حریف شکست سے دوچار ہو چکا تھا۔ کمیونزم کی سرخ آندھی، افغانستان کے سنگلاخ پہاڑوں سے ٹکرا کر دم توڑ چکی تھی۔ طویل عرصے سے سرد جنگ کی بھٹی میں سلگتی دنیا ایک نئی صبح کا خواب آنکھوں میں سجائے نئی منزلوں اور نئے راستوں کا خاکہ بن رہی تھی۔ امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر اس وقت پوری طرح ٹیک آف نہ کر سکا اور آج جارج ڈبلیو بش (جونیئر) اپنے والد کے منصب پر جلوہ گر ہیں اور ان خوابوں کی تعبیر کے لئے بے چین ہیں جو ابھی تک ان کے بوڑھے والد کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں لہرا رہے ہیں۔

دو دن قبل آدھی رات گزرنے کے صرف ایک منٹ بعد صدر امریکہ نے ایک فرمان جاری کیا جس کے تحت دنیا کی 27 مختلف تنظیموں، شخصیات اور اداروں کے اثاثے منجمد کر دیے گئے ہیں۔ صدر نے رعونت سے لرزتی ہوئی آواز میں حکم دیا کہ ''ساری دنیا ان کے اس فرمان پر عمل کرے اور یورپی یونین سمیت جن ملکوں کے قوانین اس بات کی اجازت نہیں دیتے، وہ اپنے قانون و دستور کو امریکی منشاء کے مطابق ڈھال لیں۔ اگر کسی ملک یا بینک یا ادارے نے خلاف ورزی کی تو اسے بھی دہشت گردوں کا ساتھی سمجھا جائے گا۔''

امریکی حکومت کی طرف سے جاری کی گئی فہرست کے مطابق جن گیارہ تنظیموں کے اثاثے منجمد کئے گئے ہیں ان میں افغانستان کی القاعدہ، فلپائن کا ابوسیاف گروپ، الجزائر کا آرمڈ اسلامک گروپ، کشمیر کی حرکت المجاہدین، مصر کا الجہاد گروپ، ازبکستان کی اسلامک موومنٹ، لبنان کی اثبات الانصار، نائیجیریا کا ایک گروپ، لیبیا کا اسلامک فائٹنگ گروپ، صومالیہ کی اتحاد

Marfat.com

الاسلامیہ اور یمن کی اسلامک آرمی آف عدن شامل ہیں۔ جن 12 افراد کے اثاثے منجمد کئے گئے ہیں وہ سب کے سب مسلمان ہیں اور جن چار اداروں پر پابندی عائد کی گئی ہے ان میں پاکستان میں قائم الرشید ٹرسٹ کے علاوہ سب کے سب اسلامی تشخص رکھتے ہیں اور اس کے باوجود مریکہ یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ اس کا نشانہ صرف ''دہشت گردی'' ہے جس کا حدود اربعہ اسلامی ممالک، اسلامی شخصیات اور اسلامی اداروں تک محدود ہے۔

''نیو ورلڈ آرڈر'' کا اولین تقاضا یہ ہے کہ امریکہ ہر اس قوت کا دم خم نکال دے جو کسی بھی وقت اس کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔ ہر متکبر اور خدا فراموش قوم کی طرح امریکہ توانا نظریات اور ان نظریات سے عشق کرنے والے اہل جنوں سے خوفزدہ ہے جو اپنے عقائد و تصورات پر قائم رہنے، سر بلند ہو کر چلنے، خدائی کی دعویدار ہر قوت سے ٹکرانے اور ہنستے کھیلتے موت کو گلے لگانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ اڑھائی لاکھ مربع میل پر پھیلے افغانستان میں یہ سخت جاں مخلوق ابھی تک زندہ ہے۔ امریکہ سب سے پہلے کرۂ ارض کو اس ''اجنبی مخلوق'' سے پاک کر کے یہ پیغام دینا چاہتا ہے کہ اس کی قوت و حشمت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والے کسی شخص کو زندہ رہنے کا حق نہیں۔ بیس سال سے جنگ، بدامنی اور خانہ جنگی کے تماچے کھانے والے اس ملک میں تو کوئی ایسا ٹارگٹ بھی نہیں بچا جس پر امریکی جانباز نشانہ بازی کر سکیں۔ نشانہ تو اسامہ بھی نہیں محض ایک بہانہ ہے۔ نشانہ وہ ''خودسری'' ہے جو افغانوں کو امریکہ کی دہلیز پر سجدہ ریز ہونے سے روکتی اور عزت کی موت مر جانے کا حوصلہ دیتی ہے۔

امریکی اخبار ''واشنگٹن پوسٹ'' نے اطلاع دی ہے کہ امریکہ میں ''القاعدہ'' کے چار پانچ گروپ کام کر رہے ہیں۔ حالیہ دہشت گردی کے بعد ہونے والی تحقیقات میں کوئی گروپ ملوث نہیں پایا گیا۔ مبینہ 19 ہائی جیکروں میں سے کسی ایک کا تعلق بھی ان گروپوں کے ساتھ ثابت نہیں ہو سکا۔ کوئی ایک کڑی بھی اسامہ یا طالبان کے ساتھ سلسلہ نہیں جوڑ سکی۔ کولن پاول ثبوت پیش کرنے کا اعلان کرنے کے بعد حیلے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں۔ لیکن امریکہ بضد ہے کہ وہ اسامہ اور طالبان کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دے گا۔ افغانوں کے لئے یہ کون سی نئی بات ہے۔ دو عشروں کے دوران پندرہ لاکھ روسیوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ لاکھوں خانہ جنگی کی آگ کا ایندھن بن گئے۔ پچاس لاکھ بھوک سے نڈھال موت کی وادی میں داخل ہوا چاہتے ہیں۔ لاکھوں پاکستان

Marfat.com

اور ایران کی سرحد پر پڑے پڑے ہر آزار سے آزاد ہو جائیں گے اور بچے کھچے، امریکی قہر وغضب کا نشانہ بن جائیں گے لیکن کیا اس سے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا پیٹ بھر جائے گا؟

امریکہ کو جتنی بھی رعایت دی جائے یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ اسامہ بن لادن، افغانستان اور مسلم شخصیات یا تنظیموں کی گردنیں دبوچنے سے شروع ہونے والا عمل بہت آگے، بہت دور تک جائے گا۔ صدر بش کے منہ سے نکلنے والا ''کروسیڈ'' کا لفظ محض زبان کی لغزش نہیں۔ سعودی عرب میں پانچ خلیجی ممالک کے اجلاس، اسلامی کانفرنس اور عرب لیگ نے دبے دبے لفظوں میں جو کچھ کہا اسے واضح طور پر کہنے اور بار بار دہرانے کی ضرورت ہے۔ ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا عفریت بہت کچھ نگلنے کے لئے بے تاب ہے۔ آج اقتصادی پابندیاں بھی اٹھ سکتی ہیں، انعام و اکرام کی بارش بھی ہو سکتی ہے لیکن کل جب اس کی قیمت سود مرکب کے ساتھ ادا کرنا پڑے گی تو شاید ''پتھر کا زمانہ'' زیادہ دور نہ دکھائی دے۔ کولن پاؤل دہشت گردی کے شکار خطوں میں کشمیر کو شامل کر چکے ہیں اور آدھی رات سے ایک منٹ بعد جاری ہونے والی فہرست میں پاکستان اور کشمیر کے نام دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ نیو ورلڈ آرڈر کے اگلے پڑاؤ ہیں۔ امریکہ نے اب واقعی ''انصاف، امن اور عافیت'' کی فرمانروائی کا عہد کر لیا ہے۔ وہ طے کر چکا ہے کہ آنے والے تمام موسم اس کی پیشانی سے پھوٹیں گے اور مستقبل کا ہر منظر اس کی آنکھوں سے طلوع ہوگا۔

ہمیں اسامہ اور طالبان کی نعشوں سے تھوڑا آگے بھی دیکھ لینا چاہئے۔

[26-09-2001]

Marfat.com

ایک غریب وسادہ سی قبر

کئی دنوں سے نہ جانے کیوں، ہرات کے قریب کوہ مزداخان کے دامن میں بنی ایک غریب وسادہ سی قبر مجھے مسلسل یاد آرہی ہے۔

1991ء میں برادرم اعجاز الحق کے ہمراہ مجھے پہلی مرتبہ کابل جانے کا موقع ملا۔ تب سوویت یونین کا آفتاب غروب ہو چکا تھا اور شوریٰ کے فیصلے کے مطابق مجددی صدارت کے منصب پر فائز تھے۔ چار سال بعد قندھار سے طالبان کا سورج طلوع ہوا تو ساری دنیا میں ان پراسرار بندوں کے بارے میں تجسس نے انگڑائی لی۔ اسی تجسس نے مجھے مولانا سمیع الحق کی قیادت میں قندھار جانے والے قافلہ شوق کی ہمرکابی پر ابھارا۔ چمن سے پاک افغان سرحد عبور کرتے ہوئے ہمیں بیوہ کی مانگ کی طرح اجڑی سڑک قندھار تک لے گئی۔ چمن سے قندھار تک تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہمیں شکستہ کوٹھڑیوں اور ٹوٹے پھوٹے گھروں کے کھنڈر دکھائی دیئے۔ معلوم ہوا کہ یہ مختلف آوارہ مزاج گروہوں کی بنائی ہوئی چیک پوسٹیں تھیں جہاں سے گزرنے والی ہر گاڑی کو خراج دینا پڑتا تھا۔ طالبان نے پہلی یلغار انہی پر کی اور عصمت ملیشیا جیسے سفاک دھڑوں کو عبرت کا نشان بنا دیا۔ گاڑیاں قندھار میں داخل ہوئیں تو دن ڈھل چکا تھا اور دیواروں کے سائے لمبے ہو رہے تھے لیکن دیواریں تھیں کہاں؟ ادھر ادھر سینہ چاک ڈھانچے کھڑے تھے جن کی چھتیں اڑ چکی تھیں، بھاری ستون گولہ باری کی مسلسل ضربوں سے چور تھے۔ کھڑکیوں، دروازوں اور دریچوں کے پٹ گھروں کا ایندھن بن چکے تھے اور بڑے بڑے بے ڈھب سوراخ، بے خواب آنکھوں کی طرح خلاؤں کو گھور رہے تھے۔ افغانوں کی سخت جاں زندگی کوچہ و بازار میں زندہ و بیدار تھی۔ اس میں آسودہ اور مطمئن بستیوں والی رعنائی کا نام و نشان تک نہ تھا لیکن ہر حال میں جینے کا فن سکھانے والی توانائی ضرور تھی۔

گزشتہ ہفتے طالبان کی قیادت سے رابطے کے لئے قندھار جانے والے پاکستانی وفد کی پہلی مفصل ملاقات قندھار کے گورنر حاجی ملا حسن رحمانی سے ہوئی۔ اخبارات میں ملا رحمانی کا نام پڑھ

Marfat.com

کہ اس مرد درویش کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ ایک ٹانگ جہاد کی نذر کرنے اور مصنوعی ٹانگ کے سہارے چلنے والے ملا حسن رحمانی سے میری ملاقات قندھار کے ایک جنگ زدہ ریسٹ ہاؤس میں ہوئی تھی۔ اگلے دن ہمارے میزبان ہمیں احمد شاہ ابدالی کا مقبرہ دکھانے لے گئے۔ واپس آتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے فٹ پاتھ کی بھیڑ میں ملا رحمانی جیسا کوئی شخص لاٹھی ٹیکتا لنگڑاتا چلا جا رہا ہو۔ میں نے افغان ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا اور پوچھا ''یہ گورنر رحمانی تو نہیں؟'' وہ بے نیازی سے بولا ''جی ہاں وہی ہیں'' اور گاڑی چلا دی۔ میں نے مزید کریدا تو کہنے لگا ''گورنر کے پاس ایک ہی گاڑی ہے جس میں آپ لوگ سوار ہیں، اس لئے وہ پیدل جا رہے ہیں۔'' میں طالبان کے امیر المومنین ملا عمر سے ملا۔ ان سے گفتگو کی۔ ان کے دست راست مولانا محمد حسن سے ملا۔ ملا رحمانی سے گھنٹوں باتیں کیں۔ ملا عمر کے شعلہ بیاں ساتھی احسان اللہ احسان سے ملا۔ اس وقت کے افغان وزیر خارجہ ملا غوث سے پہروں باتیں کیں۔ دو دن بعد ہرات پہنچے تو گورنر ملا یار محمد خان سے طویل گفتگو ہوئی۔ وہاں ہمیں شہر کے سب سے خوبصورت مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا جو ''باغ آزادی'' کے بیچوں بیچ بنا ہے اور جس کے چاروں طرف انار کے خوبصورت درخت ہیں۔

لیکن کوہ مزدا خان کی گود میں بنی قبر بھولنے میں نہیں آ رہی۔

ہرات، قندھار کی نسبت کہیں بھرا پرا تھا۔ زیادہ بارونق، زیادہ آباد، زیادہ پُر ہجوم۔ اگلے دن میں نے ہرات ترکمانستان شاہراہ کے پہلو میں آسودہ خاک خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے قریبی نسبت رکھنے والے خواجہ انصاری کے اجداد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں کسی جنگی مہم کے ساتھ یہاں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ مزار سے تھوڑا ہٹ کر سلطان حسین کے جواں مرگ بیٹے کی قبر ہے جس کا سنگ تعویذ فن سنگ تراشی کا نادر شہ پارہ ہے۔

روایت ہے کہ اس کی تراش خراش اور کندہ کاری میں استاد شمس الدین جیسے ماہر فن کو سات سال لگ گئے۔ قریب ہی میں نے افغانستان کی تاریخ کے ایک جری کردار امیر دوست محمد خان کے مزار پر حاضری دی۔ 1842ء میں اسی دوست محمد خان کے بیٹے اکبر خان کے ہاتھوں ساڑھے سولہ ہزار برطانوی سپاہ، افغانستان کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں گاجر مولی کی طرح کٹ گئی تھی۔ کئی

Marfat.com

دن بعد برائیڈن نامی ایک انگریز سپاہی زخموں سے چور جلال آباد پہنچا اور ساڑھے سولہ ہزار سپاہ کے انجام بد کی خبر دی۔ یہ برطانوی فوج کا زندہ بچ جانے والا واحد سپاہی تھا جو کچھ ہی دیر بعد دم توڑ گیا۔ میں معروف عالم، سربرآوردہ مفسر اور عظیم فلسفی امام فخر الدین رازی کے مزار پر گیا۔ میں اس میدان میں گیا جہاں 1979ء میں روسی بمباری کا نشانہ بننے والے پچیس ہزار شہداء کی قبریں ہیں لیکن کوہ مزداخان کے دامن میں ہی ایک قبر کئی دنوں سے میرے حواس پر چھائی ہوئی ہے۔

یہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے کوئی پندرہ منٹ کی مسافت پر مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی کی قبر ہے جو میرے ذہن کی لوح پر نقش ہو کر رہ گئی ہے۔ خراسان سے آنے والے برگزیدہ صوفی اور نامور شاعر، علوم اسلام اور تاریخ و ادب کے میدان کے شاہسوار تھے لیکن ان کی اصل شہرت عشق رسول ﷺ کے سرمدی جذبوں سے مہکتی شاعری کی وجہ سے ہے۔ جب میں جامی کی قبر کے سرہانے کھڑا فاتحہ پڑھ رہا تھا تو اگست کی چمکیلی دھوپ بکھری ہوئی تھی اور دور دور تک ویرانی کا عالم تھا لیکن خاموشیوں کے بطن سے قوس قزح کے رنگوں جیسی ایک مشکبو گونج فضا کو معطر کئے دے رہی تھی:

از جامی بے چارہ رسانید سلامے
بر درگہ دربار رسول مدنی را

سی این این اور بی بی سی کا کہنا ہے کہ طالبان دہشت گرد ہیں۔ صدر بش بتا رہے ہیں کہ افغانستان دنیا کے مہلک ترین ہتھیاروں کی چراگاہ بننے والا ہے۔ یہ سرزمین نہ جانے کتنے مقدس اور بیش بہا آثار و مقامات کی امین ہے لیکن نہ جانے کیوں مجھے کوہ مزداخان کے دامن میں سوئے جامی کی آخری آرام گاہ کا دکھ کھائے جا رہا ہے اور ''ڈالروں کی بارش'' کے باوجود ایک غریب و سادہ سی قبر میرے ذہن کی لوح سے اترنے میں نہیں آ رہی۔

کیا کوئی امریکی بم اس قبر کو بھی پیوند زمیں کر دے گا؟

کیا اس قبر سے اٹھتی مشکبو گونج بھی کہیں کھو جائے گی؟

[27-09-2001]

Marfat.com

اوراب شمالی اتحاد

انصاف،امن اور عافیت کا پرچم لہرانے والی دنیا کے دستور بھی نرالے ہیں۔

طالبان گزشتہ چھ سالوں سے افغانستان کے نوے فی صد علاقے پر قابض ہیں۔ان کی حکومت،ایک مستحکم حکومت ہے جس کی عمل داری میں کبھی ہنگامہ وفساد کی آگ نہیں بھڑکی۔ملا محمد عمر کی قیادت کو کبھی کوئی چیلنج درپیش نہیں ہوا۔بھوک اور افلاس کے باوجود طالبان کے زیر سایہ علاقے میں امن وامان کی صورتحال مثالی ہے اور جرائم کی شرح ''مہذب دنیا'' کے مقابلے میں نہایت ہی کم ہے۔انہوں نے معاشرے کو اسلحہ سے پاک کرنے کے لئے انتہائی موثر اور کامیاب کوششیں کی ہیں۔جب بھی کوئی معاملہ پیش آیا،انہوں نے ایک ذمہ دار اور بین الاقوامی قرینوں سے آگاہ قوم ہونے کا ثبوت پیش کیا۔بھارتی طیارے کے اغواء اور قندھار میں اترنے کے بعد انہوں نے جس حکمت عملی اور دانش کے ساتھ معاملے کو سنبھالا،اسے عمومی طور پر سراہا گیا۔کینیا اور تنزانیہ کے واقعات کے بعد بھی طالبان نے حصول انصاف کے لئے معقول تجاویز پیش کی تھیں۔آج بھی ان کے اس موقف میں وزن ہے کہ اگر امریکہ کسی غیر جانبدار عدالتی فورم کے سامنے ٹھوس ثبوت پیش کرنے پر آمادہ ہو تو اسامہ اس عدالتی فورم کے حوالے کر دیا جائے گا لیکن منہ زور آندھیاں ہیں کہ تھمنے میں نہیں آرہیں اور بے مہار قوت کا زعم ہے کہ معقولیت کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں۔

طالبان میں لاکھ کمزوریاں ہوں گی لیکن عالمی برادری کو بھی اپنے رویئے پر ایک نظر ضرور ڈال لینی چاہئے۔افغانستان کے نوے فیصد سے زائد علاقے پر موثر حکومت قائم کرنے کے باوجود انہیں دنیا بھر کے صرف تین مسلم ممالک نے تسلیم کیا جن میں سے دو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر چکے ہیں۔اقوام متحدہ کے دوسو کے لگ بھگ ارکان میں سے پاکستان واحد ملک رہ گیا ہے جس نے رسمی طور پر افغانستان سے سفارتی تعلقات منقطع نہیں کئے لیکن عملاً کابل میں پاکستانی سفارت خانہ صرف ''رابطے کی ایک کھلی کھڑکی'' کے طور پر کام کر رہا ہے۔دوسری طرف شمالی اتحاد،

Marfat.com

افغانستان کے دس فیصد سے بھی کم علاقے پر قابض ہے جو لسانی اور نسلی طور پر اقلیت کی ترجمانی کرتا ہے لیکن اس کے سفارت خانے دنیا بھر کے ممالک میں کام کر رہے ہیں۔

بدخشاں اور وادی پنج شیر کے زنداں میں بند پروفیسر برہان الدین ربانی ''اسلامک سٹیٹ آف افغانستان'' کے صدر تسلیم کئے جاتے ہیں اور وہ اسی حیثیت میں دنیا سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ جس افغانستان کو اقوام متحدہ کی سند جواز بھی عطا کر دی گئی ہے وہ شمالی اتحاد کے زیر قبضہ قطعہ اراضی کا نام ہے۔ آج مہلک ہتھیاروں سے لدے ہوائی اور سمندری جہازوں کی سوغات بھیجنے والوں نے کبھی نہیں سوچا کہ کس اخلاقی اصول، عالمی ضابطے اور قانون و منطق کی بناء پر طالبان کو افغانستان کا جائز حکمران نہیں مانا جا رہا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ملا عمر، صدر، وزیر اعظم، چانسلر، چیف ایگزیکٹو، سلطان یا امیر نہیں ''امیر المومنین'' کہلاتا ہے اور مومنین کی اصطلاح سے اسلام کی بو آتی اور ''کروسیڈ'' کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

طالبان میں بلاشبہ بیسیوں کمزوریاں اور خامیاں ہوں گی لیکن ساری دنیا نے انہیں ''نامطلوب اور مردود'' قرار دیتے وقت کبھی نہیں سوچا کہ ایسا غیر منصفانہ اور غیر منطقی عمل، شدید ردعمل کو جنم دیتا ہے اور جب عمل اور ردعمل کا یہ سلسلہ طویل ہو جائے تو نفرتوں کا ایسا گھنا جنگل اُگ آتا ہے جس میں کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔

نیویارک اور واشنگٹن کے واقعات کے بعد اسامہ کی تلاش میں نکلنے والے ہراول دستوں کے لئے چالیس ارب ڈالر مخصوص کئے گئے ہیں۔ اگر اس رقم کا چوتھائی حصہ بھی افغانستان کی تعمیر و ترقی کے لئے وقف کر دیا جاتا، طالبان کے قریب جا کر ان کے دکھ بانٹتے اور ان کے مسائل کی آنچ محسوس کرتے ہوئے ان سے ہمدردی کی جاتی، انہیں دنیا بھر کے دارالحکومتوں سے دعوت نامے آتے، ان سے مکالمہ کیا جاتا تو معاملات کبھی یہ رخ اختیار نہ کرتے۔ لیکن ہوا یہ کہ اولین مقاصد کے حصول کے فوراً بعد طالبان کو منفی پراپیگنڈے کی بھٹی میں جھونک دیا گیا۔ ان کی پیٹھ پر طرح طرح کی پابندیوں کے کوڑے برسائے جانے لگے۔ بس چلتا تو مغرب، افغانستان کے دریچے تازہ ہوا کے لئے بھی بند کر دیتا۔ سنا ہے اب امریکہ ایسا کرنے جا رہا ہے۔

ادھر شمالی اتحاد کو پورے افغانستان پر مسلط کرنے کے منصوبے بن رہے ہیں۔ اپنے بہترین کمانڈر احمد شاہ مسعود سے محروم ہونے کے بعد سات آٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل جو سپاہ بے دلی اور

Marfat.com

شتی سے عام میں تبھی بیٹھی تھی وہ اچانک انگڑائی لے کر اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔اس کے ''جانباز'' مزار شریف کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ بھارتی فوجی دستے،عسکری مشیر اور ''را'' کے اہلکار ازبکستان اور شمالی افغانستان میں بیٹھے اس کی رہنمائی کر رہے ہیں۔''دوشنبے'' میں ہونے والے حالیہ اجلاس میں روس، بھارت، تاجکستان اور ازبکستان کے نمائندوں نے افغانستان کی مرکزی قوت ختم کرنے اور اسے کئی خودمختار حصوں میں تقسیم کرنے کا جو پلان بنایا ہے اسے امریکی تائید و حمایت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ امریکہ اپنے پیادہ دستے افغانستان کی ''آدم خور'' سرزمین کے حوالے کرنے سے کترا رہا ہے۔ وہ شمالی اتحاد کو مشاورت، جدید اسلحہ اور وافر ڈالروں کی مدد سے آگے بڑھانا چاہتا ہے تاکہ کابل طالبان کے ہاتھ سے نکل جائے اور روم میں بیٹھے ایک چھیاسی سالہ بوڑھے کو افغانستان کا تاجدار بنا کر وہ اگلے اہداف کا رخ کرے۔ ایران میں بیٹھا اسماعیل خان ایک بار پھر ہرات کا رخ کرنے کے لئے پر تول رہا ہے اور خود طالبان کے قلعے میں شگاف ڈالنے کی سرتوڑ کوششیں شروع ہو چکی ہیں۔

یہ سب کچھ انصاف، امن اور عافیت کے ارفع اصولوں کی کارفرمائی کے لئے ہو رہا ہے اور پاکستان کے لوگ یہ سوچ رہے ہیں کہ جس جہاد کو ہم نے اپنے لہو سے سینچا تھا اور جس کی کامیابی کے لئے ہم آج تک مختلف مسائل کے انبار تلے دبے ہوئے ہیں، کیا اس کا مقصود یہی تھا کہ جنرل نسیم کی سپاہ دشمن کی دہلیز پر آ کھڑی ہو اور اس کی رگ جاں 'را' کے پنجے میں ہو؟

طالبان کو نابود کر دینے کے بعد امریکہ، روس اور بھارت کے زیر اثر تشکیل پانے والی افغان حکومت، دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہماری حکمت عملی کا پہلا ''ثمر'' تو نہیں ہوگی؟

[28-09-2001]

Marfat.com

قصہ جیسی جیکسن کا

امریکی اور مغربی میڈیا کس طرح حقائق کا چہرہ مسخ کرتا اور خبر کو موم کی ناک بنا کر اپنے اپنے مطلب کے نقوش ابھارتا ہے، اس کا اندازہ ''جیسی جیکسن'' کے مبینہ دورہ افغانستان اور اس کے بارے میں عالمی میڈیا سے جاری ہونے والی خبروں سے لگایا جا سکتا ہے۔ میں اس معاملے کے پس پردہ پہلوؤں سے پوری طرح آگاہ ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ مغرب کی تراشیدہ غلط اور گمراہ کن اطلاعات تاریخ کا حصہ نہ بننے پائیں۔

جس طرح پاکستان میں بسنے والے چودہ کروڑ انسان اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام اور پاکستان ہماری اولین ترجیح ہے اور ہم نے جو کچھ بھی کرنا ہے اسی دائرے کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کرنا ہے، اسی طرح اس معاملے میں بھی کامل یکسوئی پائی جاتی ہے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں کے دل اسلام کے بغض اور پاکستان کی کدورت سے بھرے ہیں۔ امریکہ ہم سے محبت و وارفتگی کے کیسے ہی والہانہ پن کا اظہار کیوں نہ کرے۔ اس کے عزائم اس کی آنکھوں میں کندہ اور اس کے ماتھے کی ایک ایک شکن میں نمایاں ہیں۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

(تو چاہے کسی بھی رنگ اور انداز کا لباس پہن لے، میں تیرے قد و قامت سے تجھ کو پہچان جاتا ہوں۔)

جذبوں کا یہ آہنگ اور سوچ کا یہ انداز صرف اندرون وطن تک محدود نہیں، بیرون ملک بسنے والے لاکھوں پاکستانیوں کے دل بھی اس دھڑکن سے ہم آہنگ ہیں۔ موجودہ نامہربان موسم نے ان کی صبحیں بھی بے کیف، شامیں ویران اور راتیں بے خواب کر رکھی ہیں۔

یہ منگل 25 ستمبر کا ذکر ہے۔

Marfat.com

امریکہ میں مقیم ایک دردمند پاکستانی، ڈاکٹر غلام مرتضیٰ آرائیں نے جو پاکستان کے نام اور مقام کے لئے ہمیشہ سرگرم رہے، پاکستان کی مختلف شخصیات سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ "ہم لوگ طالبان کی قیادت سے مل کر انہیں نرم رویہ اختیار کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے ایک امن وفد لانا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں انسانی حقوق کے علمبردار اور امریکہ کا صدارتی الیکشن لڑنے والے، جیسی جیکسن سے بات ہوئی ہے جو کئی مصالحتی مشنوں کی قیادت کر چکے ہیں۔ سابق امریکی صدر جمی کارٹر اور محمد علی کلے بھی اس وفد کا حصہ بن سکتے ہیں لیکن مزید پیش رفت سے پہلے طالبان کی رضامندی ضروری ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے جن شخصیات سے رابطہ کیا ان میں چوہدری شجاعت حسین اور اعجاز الحق بھی شامل تھے۔ چوہدری صاحب نے معاملہ ایک اعلیٰ اور نہایت ذمہ دار عہدے پر فائز شخصیت تک پہنچا دیا۔ اعجاز الحق نے بھی متعلقہ حکام کو صورت حال سے آگاہ کیا جن کی طرف سے گرین سگنل مل گیا۔ طے پایا کہ اعجاز الحق خود اسلام آباد میں قائم افغان سفارت خانے سے رابطہ قائم کریں۔ منگل کی رات اعجاز الحق نے افغان سفیر ملا عبدالسلام ضعیف سے تفصیلی ملاقات کی۔ ملاقات کے دوران سفارت خانے کے ترجمان جناب محمد سہیل شاہین بھی موجود تھے۔ اعجاز الحق کی بات سننے کے بعد ملا ضعیف نے کہا کہ "ہم تو انسانیت کشی کی آگ بھڑکانے کے خلاف ہیں لیکن میں قندھار میں امیر المومنین ملا عمر سے رابطہ کئے بغیر اس طرح کے کسی وفد کی آمد کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہم کل صبح تک آپ کو سرکاری ردعمل سے آگاہ کر دیں گے۔"

اعجاز الحق نے ڈاکٹر مرتضیٰ کو صورت حال سے باخبر کر دیا جو ان کی نظر میں حوصلہ افزا تھی۔ بدھ کی صبح ساڑھے دس بجے افغان سفارت خانے نے اعجاز الحق کو اطلاع دی کہ اگر امریکہ میں مقیم پاکستانی بھائی، جیسی جیکسن یا دوسرے افراد کا کوئی وفد لانا چاہتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اس وقت امریکہ میں آدھی رات کا عمل تھا لیکن اعجاز الحق نے اسی وقت ڈاکٹر مرتضیٰ کو جگا کر یہ خبر دے دی۔ امریکہ میں صبح ہونے پر ڈاکٹر مرتضیٰ ہی کی پیش رفت پر جدید ٹیلی فونک سسٹم کی مدد سے سہ فردی مذاکرات کا اہتمام کیا گیا جس میں جیسی جیکسن، محمد سہیل شاہین اور ڈاکٹر صاحب کے وکیل بیٹے نے حصہ لیا۔ جیسی جیکسن نے امن مشن لانے کی خواہش ظاہر کی اور طالبان نے اپنا موقف دہرا دیا کہ اگر آپ آنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے مشن کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔

Marfat.com

جیسی جیکسن نے طالبان کے حوصلہ افزا ردعمل کے بعد امریکی وزیر خارجہ کولن پاول اور قومی سلامتی کی مشیر کنڈولیزا رائس سے ملاقات کر کے انہیں اپنے مشن سے آگاہ کیا۔ صدر بش پہلے ہی یہ بے لچک رویہ اختیار کر چکے ہیں کہ ان کے ہونٹوں سے پھوٹنے والا ہر لفظ حکم کا درجہ رکھتا ہے اور اس سلسلے میں مذاکرات کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا حکومتی عہدیداروں نے جیسی جیکسن کی حوصلہ شکنی کی۔ اس خبر کی بھنک پڑتے ہی امریکی ذرائع ابلاغ نے ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ طالبان کے لہو کی پیاسی امریکی قوم اور بھڑکتی آگ کو ہوا دینے والے میڈیا نے جیکسن کو قومی مفادات کا دشمن قرار دے ڈالا۔ وائٹ ہاؤس نے باضابطہ طور پر اپنے آپ کو ایسے مشن سے لاتعلق کر لیا۔ صورت حال سے گھبرا کر جیسی جیکسن نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ ''میں از خود نہیں جانا چاہتا بلکہ طالبان نے مجھے امن کے لئے کردار ادا کرنے کی دعوت دی ہے۔'' جمعرات کو رات دس بجے کے لگ بھگ اعجاز الحق کو ڈاکٹر مرتضیٰ کا فون آیا کہ جیکسن طالبان کی طرف سے ایک باضابطہ دعوت کے خواہش مند ہیں۔ بھیڑ میں کھو جانے والے بچے کی طرح جیکسن کو کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ اعجاز الحق نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ یہ سب کچھ تو آپ کی پیش رفت پر ہو رہا ہے۔ تاہم انہوں نے ایک بار پھر افغان سفارت خانے سے رابطہ کیا اور صورت حال بتائی۔ ملا عبدالسلام ضعیف کے ترجمان نے بے نیازی سے کہا ''ہم نہ اپنی جنگیں لڑنے کے لئے دوسروں کو آواز دیتے ہیں نہ جنگوں سے دامن بچانے کے لئے جرگے بلاتے ہیں۔''

بات ختم ہوگئی لیکن جمعہ کے سارے قومی اخبارات کے صفحہ اول پر اس نوع کی سرخیاں دمک رہی تھیں کہ ''طالبان نے امریکی رہنما سے مصالحت کی درخواست کی جو جیسی جیکسن نے مسترد کر دی۔''

جیسی جیکسن اب بھی کسی نہ کسی نوع کا دعوت نامہ وصول کرنے کی تگ و دو کر رہے ہیں اور ممکن ہے طالبان ان کی یہ خواہش پوری بھی کر دیں لیکن جن کے اسلحہ خانے اور تجوریاں بھری ہوں، ان کے میڈیا کا جادو بھی سر چڑھ کر بولتا ہے۔

ڈاکٹر مرتضیٰ مناسب سمجھیں تو ایک وفد جارج ڈبلیو بش کے لئے بھی ترتیب دے ڈالیں جس کی گردن ابوالہول کے سنگین مجسمے کی طرح اکڑی ہوئی ہے۔

[29-09-2001]

Marfat.com

زندہ یا مردہ!

امریکہ کی اقتصادی اور عسکری قوت کے مراکز سے اٹھنے والے شعلے ابھی سرد نہیں ہوئے تھے کہ صدر جارج ڈبلیو بش نے تکبر کی فرعونی حدوں کو چھوتے ہوئے اعلان کیا " مجھے اسامہ چاہئے۔ زندہ یا مردہ "

اور اب اسامہ کی تلاش کا سفر فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔ وائٹ ہاؤس نے تصدیق کر دی ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کے سپیشل کمانڈو دستے، اسامہ کا سراغ لگانے اور اس کی کمین گاہ کا پتہ چلانے کے لئے افغانستان میں داخل ہو چکے ہیں۔ صدر بش نے اعلان کیا ہے کہ " سرگرم تعاقب شروع ہو گیا ہے اور بہت جلد اسامہ انصاف کے کٹہرے میں ہوگا۔" ایک امریکی اخبار " یو ایس اے ٹوڈے " کی اطلاع ہے کہ یہ کمانڈوز 13 ستمبر کو ہی اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے تھے جو اب افغانستان داخل ہو چکے ہیں۔ اخبار نے مزید بتایا کہ آپریشن میں بلیک ہاک ایم ایچ K-60 گن شپ ہیلی کاپٹرز بھی استعمال ہوں گے جو افغانستان سے ملنے والی سرحدوں کے باہر تیار کھڑے ہیں۔ واشنگٹن ٹائمز نے خبر دی ہے کہ چالیس مزید کمانڈوز کسی بھی وقت افغانستان میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اخبار کے مطابق زمینی، فضائی اور بحری افواج سے تعلق رکھنے والے دستے شکار کو گھیرنے کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔

" زندہ یا مردہ " اسامہ کی تلاش کا یہ سفر بہت دنوں سے جاری ہے۔

انسانی حقوق کی سربلندی اور دہشت گردی کی سرکوبی کے لئے " مصروف جہاد " امریکہ کے سابق صدر کلنٹن نے چند ہی دن پہلے فخریہ لہجے میں انکشاف کیا تھا کہ " میں نے اپنے آخری دنوں میں اسامہ کو ہلاک کرنے کے لئے ایک خفیہ آپریشن کا حکم دیا تھا لیکن متعلقہ تنظیم انٹیلی جنس کی کمزوری کی وجہ سے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔"

22 ستمبر کو معروف برطانوی اخبار " گارجین " میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق

Marfat.com

اسی سال جولائی کے وسط میں پاکستان، امریکہ، روس اور ایران نے اسامہ کو گرفت میں لانے کی کوششوں کا جائزہ لیا تھا۔ اس سلسلے میں برلن میں چار روز تک ایک خفیہ اجلاس جاری رہا جس میں چاروں ممالک کے انتہائی اعلیٰ اور ذمہ دار عہدیداروں نے شرکت کی۔ یہ اس سلسلے کا چوتھا اجلاس تھا۔ اسامہ کے قتل کا حکم دینے والے صدر کلنٹن اس سے قبل 1998ء میں اسامہ کو میزائلوں کا نشانہ بنا چکے تھے۔ اس حملے میں بیس بے گناہ انسانوں کی جانیں لینے کے باوجود امریکہ اسامہ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکا اور اب ''زندہ یا مردہ'' اسامہ کی تلاش میں امریکہ افغانستان کی شکارگاہ میں اتر چکا ہے اور ساری دنیا ہانکا لگانے میں اس کے ساتھ شریک ہے۔

اسلام آباد میں خیمہ زن امریکی سفیر نے ''شکار'' کے سارے راستے بند کرنے کے لئے پاکستان کو 175 ملین ڈالر دینے کا عندیہ ظاہر کیا ہے تاکہ 1500 میل لمبی ڈیورنڈ لائن پر دو سو کے لگ بھگ ناکوں پر نظر رکھی جا سکے۔ سرحد کی موثر اور ہمہ وقت نگرانی کے لئے گن شپ ہیلی کاپٹروں کی کھیپ کا امکان بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

ادھر قوموں کی آزادی و خود مختاری اور انصاف کی ضامن اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں اس امریکی پلان پر مہر توثیق ثبت کر دی ہے جس کا مسودہ امریکہ نے پیش کیا تھا اور جس میں کہا گیا ہے کہ دہشت گردوں کے خلاف مہم میں ساری دنیا بش کے منصوبے کو من وعن قبول کرنے کی پابند ہے اور اگر 189 ممالک میں سے کسی نے بھی سرتابی کی تو اس کے خلاف شدید نوعیت کی پابندیوں کے علاوہ فوجی کارروائی بھی کی جا سکتی ہے۔ سلامتی کونسل نے نہ جانے کیوں ''امریکی فرمان'' کو معتبر بنانا ضروری خیال کیا ورنہ دنیا کے بیشتر ممالک تو پہلے ہی امریکہ کی طرف سے جاری کردہ فہرست کے مطابق ستائیس تنظیموں اور افراد کے خلاف اس سرعت کے ساتھ کارروائی کر چکے ہیں جیسے ان کا شمار بھی امریکی ریاستوں میں ہوتا ہو۔

اسامہ کی تلاش میں نکلنے والے امریکی اور برطانوی کمانڈوز کو معلوم نہیں کہ وہ کس کچھار میں ہاتھ ڈال رہے ہیں اور یہ کہ افغانستان کی سرزمین ایسے شکاریوں کے خون سے بڑی رغبت رکھتی ہے۔ 1991ء میں جب ہم لوگ کابل کے نواح میں گلبدین حکمت یار اور احمد شاہ مسعود کے مذاکرات کے نتائج کا انتظار کر رہے تھے اور دن ڈھلنے کو آ گیا تھا تو افغان میزبان ہمارے لئے کچھ لے کر آئے تھے ایک نان اور ایک ان چھلا کھیرا ہر ایک کے حصے میں آیا تھا اور جہاد کے دنوں میں

Marfat.com

ان سخت جانوں کو یہ بھی کہاں میسر تھا۔ سوکھی روٹی، پانی میں بھگو کر کھانے والے ان لوگوں کے نزدیک زندگی سے زیادہ ارزاں جنس کوئی نہیں۔ وہ موت سے اس طرح کھیلتے ہیں جس طرح امریکی بچے کمپیوٹرز سے۔

1980ء کی دہائی میں جہاد افغانستان عروج پر تھا۔ افغان سالاروں اور پاکستانی حکام کے درمیان ایک اہم اجلاس میں مجاہدین کی ضروریات پر بحث ہو رہی تھی۔ مجاہدین کی طرف سے پیش کی گئی فہرست میں گولہ بارود کے علاوہ ایک ''چھوٹی آری'' کا مطالبہ بھی کیا گیا تھا۔ جنرل اختر عبدالرحمن کے پوچھنے پر ایک مجاہد نے کمال سادگی سے بتایا کہ'' ہمارے بازو زخمی ہو کر لٹکنے لگتے ہیں اور ہڈی سے جڑے رہنے کے باعث بہت تکلیف ہوتی ہے، مجاہدین نے چھوٹی آریوں کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ فوراً اپنے بازو کاٹ کر پھینک دیں۔''

یہ ہیں وہ لوگ جو چنگیز خان سے لے کر روسی عفریت تک ایک ہی داستان بار بار لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ پتھروں، گھاٹیوں، پہاڑوں، وادیوں اور ندی نالوں پر مشتمل اس شکارگاہ میں جو بھی داخل ہوا، لوٹ کر نہیں گیا۔ اس جادونگری میں جس اجنبی نے بھی قدم رکھا پتھر کا ہو گیا اور پھر کوئی ''اسم اعظم'' اس میں جان نہیں ڈال سکا۔

''زندہ یا مردہ'' اسامہ کی تلاش میں نکلنے والے کم نظر سورماؤں کو کون بتائے کہ ایسے طلسماتی کردار، زندگی یا موت کی ڈوری سے نہیں بندھے ہوتے۔ ان کے زمان و مکان کچھ اور ہوتے ہیں۔ امریکہ کے مال خانے، اسلحہ خانے اور خبر خانے، ایک مشتبہ ملزم کو ایسا لافانی کردار بنا چکے ہیں جس کی زندگی ماہ و سال کی قید سے آزاد اور موت سے بے نیاز ہو چکی ہے۔

ایسے کردار ''مردہ'' ہو کر ''زندہ تر'' ہو جاتے ہیں۔

[30-09-2001]

Marfat.com

بس ایک سوال

غالباً پاکستان کے ہر فرد کو وہی مسئلہ درپیش ہے جس نے موٹر وے کے بھیرہ انٹرچینج پر پٹرول پمپ کے ساتھ چھوٹے سے سٹور میں بیٹھے 23 سالہ سرفراز کو پریشان کر رکھا ہے۔

اسلام آباد سے لاہور جاتے ہوئے ایک سٹور سے گرم گرم چائے کا کپ تھامے، میں نے کاؤنٹر سنبھالے نوجوان سے پوچھا:

''تمہارا نام''

''سرفراز''

''سرفراز کیسے حالات چل رہے ہیں؟''

''جی بس ٹھیک ہی ہیں۔کوئی مزا نہیں آرہا۔اللہ ملک کی خیر کرے۔''

''انشاءاللہ ملک کی خیر ہوگی۔لگتا ہے تم حکومت کے فیصلے سے خوش نہیں ہو۔''

23 سالہ نوجوان کے چہرے پر بوڑھوں جیسی دانائی کا ہلکا سا رنگ آیا اور گزر گیا۔

''جی پاکستانی بن کر سوچتا ہوں تو فیصلہ ٹھیک لگتا ہے لیکن مسلمان ہو کر سوچتا ہوں تو دل بہت اداس ہو جاتا ہے۔''

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد سے لاہور پہنچنے تک، اور شاید اب بھی، میں اسی ادھیڑ بن میں ہوں کہ سرفراز کا شمار دس فی صد میں کروں یا نوے فیصد میں۔حکومت کا کہنا ہے کہ پاکستان کے عوام کی بھاری اکثریت حکومتی موقف کی حامی ہے، صرف دس فیصد تک حقیر اقلیت جذبات کی رو میں بہہ رہی ہے۔ ہفتہ بھر قبل میں نے گیلپ پول والے برادرم اعجاز شفیع گیلانی سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ آخری سروے کے مطابق باسٹھ (62) فیصد لوگ حکومتی موقف کے خلاف اور چونتیس (34) فیصد حق میں ہیں۔ چار فیصد نے رائے ظاہر نہیں کی۔

Marfat.com

میں یہ فیصلہ بھی نہیں کر پا رہا کہ سرفراز کو 62 فیصد میں گنوں یا 34 فیصد میں؟

یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ پاکستانی عوام قومی مفادات کا پورا شعور رکھتے اور ملک کو درپیش مجبوریوں سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ دیوار سے سر پھوڑنے یا گریباں کھول کر سیلاب بلا کے سامنے کھڑے ہو جانے کے لئے جس عشق وجنوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ ناپید ہے۔ تخلیق پاکستان کے بعد ہی سے ہمارا مقدر بن جانے والے حالات ہماری رگوں میں جاری لہو کی حدت چاٹ چکے ہیں۔ بحرانوں میں گھری سیاست و معیشت نے ہمیں زندگی کی عمومی ضرورتوں کا قیدی بنا رکھا ہے اس لئے یہ تقاضا کرنا مناسب نہیں کہ ہم اپنے کان اور آنکھیں بند کر کے طوفانوں سے ٹکرا جائیں۔ ہمیں معلوم ہے ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان سے محروم ہیں اور آتش نمرود ہمارے لئے انداز گلستان پیدا نہیں کرے گی۔

بات یہیں تک رہتی تو سرفراز مطمئن ہو جاتا لیکن وہ بہر طور ایک مسلمان بھی ہے۔ جنوبی ایشیا کا مسلمان جسے رنگ، نسل، خون اور جغرافیے سے بے نیاز ہو کر ایک امت کا جزو ہونے اور ربط ملت کا سبق دیا گیا ہے۔ جو تورانی، ایرانی اور افغانی میں تمیز کو حرام سمجھتا ہے۔ اس نے اسی نظریے کی بنیاد پر بیسویں صدی کی ایک عظیم تحریک بپا کی اور اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ وہ اپنے آپ کو علامہ اقبال کی فکری میراث کا وارث خیال کرتا ہے جن کی تمام شاعری وحدت ملی کے مرکزی نکتے کے گرد گھومتی ہے:

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است
کہ ما پروردہ یک نو بہاریم

(نہ ہم افغان ہیں، نہ ترک نہ تاتاری۔ ہم تو ایک ہی چمن اور ایک ہی گھنے درخت کی شاخیں ہیں۔ ہمارے لئے رنگ اور بو کی تفریق حرام ہے کہ ہمیں ایک ہی بہار نے پروان چڑھایا ہے۔)

دنیا میں جہاں کہیں اسلام یا مسلمانوں پر کڑا وقت آیا، یہاں کے مسلمانوں کے ولولے بے قابو ہو گئے۔ دنیا نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ''اسلامی بم'' کا نام دیا اور عوام نے اسے فخر کے

Marfat.com

ساتھ اپنی پیشانی کا جھومر بنا لیا۔ اسلامی دنیا کی واحد ''سپر پاور'' ہونے کے حوالے سے اہل پاکستان نے ہمیشہ اپنے آپ کو اسلامی مفادات کا پاسبان سمجھا۔ بوسنیا، چیچنیا، فلسطین، کشمیر، جہاں جہاں بھی سامراج کے خلاف آزادی کی تحریکیں اٹھیں، اہل پاکستان نے انہیں اپنے دلوں میں جگہ دی۔ کچھ نہ کر سکے تو بھی آسمان کی طرف اٹھے ان کے ہاتھ اور آنکھوں میں تیرتے آنسو، امت کے ساتھ ان کی گہری وابستگی کی کہانی سناتے رہے۔ صدام حسین کے خلاف حکومتی موقف کو مبنی برحق سمجھنے کے باوجود اس عہد میں جنم لینے والے بچوں کی بڑی تعداد ''صدام'' کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے گزشتہ ایک عشرے سے پاکستانیوں میں سب سے مقبول نام ''اسامہ'' چلا آ رہا ہے۔ تحریک خلافت کے دنوں میں، زمینی حقائق سے بے نیاز، مصطفی کمال پاشا کی بلائیں لینے والی ماؤں کی گود میں پلنے والی اس قوم کے لئے یہ تصور بھی محال ہے کہ اس کے کندھے پر رکھی بندوق کا نشانہ، اللہ کے حضور سجدہ ریز ایک مسلمان ہو اور اس بندوق کے ٹریگر پر رکھی انگلی کسی ایسے شخص کی ہو جس کی پوری تاریخ اسلام دشمنی سے عبارت ہے۔

یہی الجھاؤ اہل پاکستان کے دلوں پر نشتر چلا رہا ہے۔ بہت سے مسلم ممالک کے برعکس پاکستانی قوم ایسے نیشنلزم کو اپنا نہیں پائی جو نظریے کی پوٹلی کو باندھ کر الگ رکھ دیتا اور سارے معاملات کو مادی مفادات کے محدود حوالے سے دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر کے بارے میں یاسر عرفات کی سرد مہری کے باوجود کسی پاکستانی کے دل میں فلسطینیوں کی محبت ماند نہیں پڑی اور شیشان (چیچنیا) کی اجنبی سرزمین پر امام شامل رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکاروں کی تگ و تاز آج بھی اہل پاکستان کی دھڑکنوں کا حصہ ہے۔

امت سے وابستگی اور ملت کے ساتھ رابطہ استوار، پاکستان کے مسلمانوں کے لہو کی ایک ایک بوند میں شامل ہے۔ دوسروں کے رویوں سے بے نیاز، ہمیشہ اور ہر حال میں اہل اسلام کے دکھ درد میں شرکت ان کے خمیر میں رچ بس چکی ہے۔ وہ فطری، فکری اور طبعی ساخت کے اعتبار سے ''پاکستانیت'' اور ''اسلامیت'' میں کوئی لکیر کھینچنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ دونوں کا لازوال رشتہ ایک سہانے خواب کی طرح ان کے دل و دماغ پر نقش ہے۔

خواب اور حقیقت کے درمیان الجھے ہوئے سرفراز کی طرح قوم کا بڑا حصہ اسی سوال کی صلیب پر لٹکا ہوا ہے۔ اسے پچاس سال سے زائد عرصے پر محیط قومی تاریخ میں کبھی اس سوال کا

Marfat.com

سامنا نہیں کرنا پڑا کہ وہ ''پاکستانی ہے یا مسلمان؟''

بھیرہ انٹرچینج کے چھوٹے سے سٹور میں بیٹھے 23 سالہ سرفراز کے جواں سال چہرے پر کندہ اس سوال کا جواب ملنے تک، میں اسے کس گروہ میں شمار کروں؟

نوے فیصد یا دس فیصد میں؟

[01-10-2001]

Marfat.com

گناہ کبیرہ

امریکہ پر اچانک انکشاف ہوا کہ طالبان کی حکومت نہ تو باضابطہ انتخابات کے ذریعے قائم ہوئی ہے اور نہ ہی اسے عوام نے چنا ہے۔ وائٹ ہاؤس سے جاری ہونے والے ایک تازہ ''فتوے'' کی رو سے طالبان حکومت کا وجود ناجائز اور اس کا قیام ''حرام'' قرار دیا گیا ہے۔ اٹلی کے شہر روم میں خزاں رسیدہ پتے کی طرح جاں بلب ظاہر شاہ کے گھر امریکی کانگریس کے ارکان، شمالی اتحاد کے کمانڈروں، جلاوطن افغان عمائدین اور شاہ کے وفاداروں کے درمیان طے پایا ہے کہ ایک سو بیس (120) رکنی سپریم کونسل نامزد کی جائے گی جو لوئی جرگے کی مدد سے افغانستان کے نئے حکمرانوں کو تخت پر بٹھائے گی۔ ظاہر شاہ کے پوتے مصطفیٰ ظاہر شاہ نے اعلان کیا ہے کہ پاکستان مداخلت سے باز نہیں آرہا، اسے افغانستان سے دور رکھنے کے لئے طالبان کا تختہ الٹنا ضروری ہے۔ احمد شاہ مسعود کے بھائی ولی مسعود نے کہا ہے کہ امریکہ ہم پر ہاتھ رکھے، ہم چھ ماہ کے اندر اندر طالبان کو نابود کر دیں گے۔ بدخشاں میں بیٹھے صدر افغانستان پروفیسر برہان الدین ربانی نے فرمایا ہے کہ امریکہ کو طالبان پر حملہ کرنے میں اس قدر تاخیر نہیں کرنی چاہئے تھی۔ ٹونی بلیئر کا بیان آیا ہے کہ دہشت گردی کی راہ میں حائل طالبان عبرت کا نشان بننے والے ہیں۔ جارج بش نے ''بصد مسرت'' طالبان کے خلاف آپریشن کی منظوری دے دی ہے۔ ایرانی وزیر دفاع نے کہا ہے کہ ہم شمالی اتحاد کو اسلحہ پہلے سے دے رہے ہیں اور آئندہ بھی دیتے رہیں گے۔ بے نظیر بھٹو نے اعلان جاری کیا ہے کہ طالبان کی موجودگی میں افغانستان کا کوئی سیاسی حل نہیں نکل سکتا اور صدر پرویز مشرف نے بتایا ہے کہ ''طالبان کے دن گنے جا چکے ہیں۔''

واقعی یوں لگتا ہے جیسے طالبان کے دن گنے جا چکے ہیں۔ علامہ اقبال نے آج سے پون صدی قبل بتا دیا تھا کہ افغانیوں کی دینی غیرت کا موثر سدباب کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ''ملا

Marfat.com

کو اس کے کوہ و دمن سے نکال دو'' سو دہشت گردی کے خلاف اکیسویں صدی کا عظیم معرکہ بپا کرنے والی اقوام عالم، ملا کو افغانستان کے کوہ و دمن سے نکال باہر کرنے پر متفق ہو گئی ہیں۔ کمپیوٹر، ٹیلی ویژن، ہائی ٹیک، خیرہ کن انفارمیشن ٹیکنالوجی اور نوع بہ نوع ایجادات کی اس دنیا میں گھنی ڈاڑھیوں، بھاری پگڑیوں اور جہازی چادروں والے یہ لوگ عجیب نامانوس سے لگتے ہیں۔ سائنس اور اسباب کے اس دور میں بھی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ''زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہے جو ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔''

میں نے ان ''غریب و سادہ و رنگین'' لوگوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب طالبان کابل سے صدیوں کی مسافت پر کھڑے تھے۔ اس وقت تو ہرات بھی ناقابل تسخیر لگتا تھا۔ افغانستان کے صدر برہان الدین ربانی نے اسماعیل خان کو ہرات کا گورنر نامزد کیا تو اسے جری کمانڈر کی جوانمردی کا صلہ قرار دیا گیا۔ قندھار میں قدم جمانے کے فوراً بعد طالبان نے گورنر اسماعیل خان کو پیغام بھیجا کہ ہمارے ساتھ مل کر امن و امان کی بحالی اور اسلامی نظام کے لئے کام کرو، ہمیں اقتدار کا لالچ نہیں، ہم تمہیں ہرات کا گورنر برقرار رکھیں گے۔ اسماعیل خان کو اپنی بے پناہ طاقت کا زعم تھا۔ اس نے پیغام بروں کو واپس بھیج دیا اور ایک زبردست حملہ کر کے طالبان کے زیر کنٹرول صوبے ''نمروز'' کی تحصیل ''دلآرام'' پر قبضہ کر لیا۔ علاقے کے سارے چوروں، بدمعاشوں اور ڈاکوؤں نے ہرات کے اندر پناہ گاہیں بنا لیں۔ پانچ ہی دن بعد صرف پانچ سو طالبان ہلکے ہتھیاروں کے ساتھ ہرات ائرپورٹ کی نواحی پہاڑیوں سے نیچے اترے۔ اسماعیل خان مقابلے کے لئے نکلا لیکن اس وہم میں پڑ گیا کہ صرف تھوڑے سے طالبان ہرات چھاؤنی پر کیسے حملہ کر سکتے ہیں۔ یقیناً کوئی بڑی سپاہ پہاڑوں کے عقب سے اترا چاہتی ہے۔ فوراً پلٹ کر گھر آیا، بیوی بچوں کو لے کر ہیلی پیڈ پر پہنچا لیکن کوئی پائلٹ اس کا ہیلی کاپٹر اڑانے پر آمادہ نہ ہوا۔ بے بسی کے عالم میں اس نے دو گاڑیاں لیں، گھر والوں کو بٹھایا اور ایران کی سرحد پار کر گیا۔

آج وہی اسماعیل خان اپنے شکستہ پا دستوں کی شیرازہ بندی کر رہا ہے اور اطلاعات ہیں کہ قندھار سے ہرات تک اس کی حکمرانی کا ناقوس بجنے والا ہے۔ برطانوی اخبار ''گارجین'' کا کہنا ہے کہ حکومت پاکستان، کابل میں موجود سینئر ترین عہدیدار اور ملا عمر کے قریبی ساتھی ملا محمد

Marfat.com

حسن اخوند کو بغاوت پر آمادہ کر رہی ہے۔ شمالی افغانستان کی مردہ رگوں میں نئی توانائی آ چکی ہے اور کسی بھی لمحے ایک ''بریکنگ نیوز'' دنیا کو یہ مژدہ سنا سکتی ہے کہ افغانستان کو طالبان سے آزاد کرا لیا گیا ہے۔

ڈھیر ساری کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود مجھے طالبان اچھے لگتے ہیں۔ جانے پہچانے سے، اپنے اپنے سے، میری تاریخ کے گمشدہ کرداروں جیسے۔ انہوں نے گزشتہ چھ سالوں میں نوے فیصد سے زائد افغانستان کو بدامنی اور فتنہ وفساد سے پاک کر دیا۔ بغاوت پر آمادہ ملا محمد حسن اخوند نے ہی مجھے بتایا تھا کہ ''ہم نے اپنے زیر قبضہ علاقے کو امن کا گہوارہ بنا دیا ہے۔ پندرہ ولایتوں میں ایک سال کے اندر پندرہ قتل بھی نہیں ہوئے۔ ڈکیتی، اغواء، چوری اور لوٹ مار کی کوئی واردات نہیں ہوئی۔ یہ اللہ کے قانون کی برکت ہے کہ ہمارے پہاڑ، وادیاں، جنگل، ویرانے، شہر، گاؤں اور شاہراہیں مکمل طور پر محفوظ ہیں۔''

میں نے چھ سال پہلے'' طالبان کا افغانستان'' کے نام سے ایک سلسلہ مضامین لکھا تھا جسے آج کل کتابی شکل میں مرتب کر رہا ہوں لیکن'' طالبان کے دن تو گنے جا چکے ہیں۔'' میری اس کتاب کا کیا بنے گا؟

''میرے دوستو! میں کیا کروں؟ تمہاری فرد جرم تو طویل تر ہوتی جا رہی ہے۔ میں تمہاری سادہ لوحی، سخت گیری، انتہا پسندی، بنیاد پرستی حتیٰ کہ کسی حد تک ''دہشت گردی'' کا دفاع بھی کر سکتا ہوں لیکن اس گناہ کبیرہ کا کیا کروں جس کا ذکر تازہ ترین امریکی میمورنڈم میں کیا گیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ عظیم امریکہ جمہوریت اور عوام کی بالادستی کے بارے میں کس قدر حساس ہے؟ مجھے تو اب یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ میری کتاب کا کیا بنے گا؟''

کاش مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ'' تمہاری حکومت نہ منتخب ہے نہ تمہیں عوام نے چنا ہے۔''

[03-10-2001]

Marfat.com

بنگلہ دیش کا فیصلہ

اپنے جلسوں میں امریکی عزائم پر کھل کر تنقید کرنے اور جارج بش کے پتلوں سے نکلتے شعلوں کے پس منظر سے بنگلہ دیشی عوام کو خطاب کرنے والی خالدہ ضیاء جیت گئی ہے...... اور گزشتہ تیس سالوں سے بھارتی احسانات کا پشتارہ کمر پر لادے، لبرل ازم کا پرچار کرنے والی شیخ حسینہ واجد اپنے زخموں پر دھاندلی کا مرہم رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ کارگل کے دنوں کا ذکر ہے۔

بنگلہ دیش کی وزیراعظم، پاکستان اور بھارت کے درمیان بڑھتی ہوئی تلخی ختم کرانے، مصالحتی مشن پر پاکستان تشریف لائیں۔ ایوان صدر میں ان کی ملاقات اس وقت کے صدر، جناب محمد رفیق تارڑ سے ہوئی۔ میں بھی اپنی منصبی ذمہ داری کے حوالے سے اس ملاقات میں موجود تھا۔ حسینہ واجد نے ماحول کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ انہیں اردو میں بات کرنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ گفتگو شروع ہوئی۔ محترمہ نے بھارت سے آئے ہوئے کسی ایلچی کی طرح وہی طرز کلام اور اسلوب استدلال اختیار کیا جو بھارتی سفارت کاروں کا خاصہ ہے۔ موصوفہ کے دلائل کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ ''کشمیر کے بنیادی مسئلے کو پس پشت ڈال کر پاکستان کو چاہئے کہ بھارت کے ساتھ تجارتی، ثقافتی اور سماجی تعلقات میں گرمجوشی لائے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل حل ہو گئے تو کشمیر کو بھی دیکھ لیا جائے گا۔'' اپنی بات میں تمثیل کا رنگ بھرتے ہوئے انہوں نے گوش برآواز صدر سے کہا...... ''دیکھئے نا صدر صاحب! آپ بھی جانتے ہیں اور ہمیں بھی استاد ہمیشہ یہی بتایا کرتے تھے کہ امتحانی پرچہ میں سب سے پہلے آسان سوال حل کرنے چاہئیں اور مشکل سوال کو آخر وقت کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟''

اپنی دانست میں ایک انتہائی کارگر تیر چلانے کے بعد، ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ

Marfat.com

بکھیرتے ہوئے انہوں نے طرحدار نظروں سے صدر تارڑ اور اپنے وفد کے ارکان کی طرف دیکھا۔ جہاندیدہ صدر کے اندر چھپے وکیل نے انگڑائی لی۔ انہوں نے بڑی متانت کے ساتھ ایک جوابی سوال داغ دیا۔

''محترمہ! اگر تمام آسان سوالوں کے پورے نمبر ملا کر بھی ''پاس مارکس'' نہ بنیں اور فیل ہونا یقینی ہو تو آپ کیا کریں گی؟''

مجیب الرحمن کی بیٹی کے پاس کھسیانی ہنسی ہنسنے کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔ ملاقات کا باقی سارا وقت وہ اپنی پسپائی کی خفت مٹاتی اور کھمبا نوچتی رہیں۔

اور اب خبر آئی ہے کہ بھارت کے ساتھ دوستی کے باعث حسینہ واجد کا مقدر بن جانے والی خفت کا سفر اور بھی طویل ہو گیا ہے اور بنگلہ دیش کے عوام نے شیخ مجیب الرحمن کی صاحبزادی کو بالآخر اس مرگھٹ تک پہنچا دیا ہے جو قومی مفادات کو غیروں کی خوشنودی کی بھینٹ چڑھا دینے والوں کی آخری آرام گاہ ہوتی ہے۔

خالدہ ضیاء اور حسینہ واجد کے درمیان لڑا جانے والا معرکہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے فکر و احساس کو جانچنے کی ایک کسوٹی بھی ہے۔ 11 ستمبر سے پہلے بنگلہ دیش کی انتخابی جنگ بہر حال یکطرفہ نہ تھی اور یوں لگتا تھا کہ گھمسان کا رن پڑے گا لیکن 11 ستمبر کے واقعات اور امریکہ کے مسلم کش رویے نے بنگلہ دیش کی انتخابی مہم کو ایک اضافی موضوع دے دیا۔ حسینہ واجد نے بھارتی پالیسی کے عین مطابق سیکولرازم اور لبرل ازم کے نام پر امریکی آرکسٹرا سے ہم آواز ہوتے ہوئے ''دہشت گردی'' کے خلاف عالمی مہم کو اپنی بھرپور تائید و حمایت سے نوازا۔ خالدہ ضیاء نے دہشت گردی کی مذمت کرتے ہوئے امریکہ سے کھلے بندوں مطالبہ کیا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو ہدف نہ بنائے اور اسامہ کو بہانہ بنا کر افغانستان کو تاراج کرنے سے باز آ جائے۔ خالدہ کے چار جماعتی اتحاد کے جلسوں اور جلوسوں میں صدر بش کے خلاف جذبات کے اظہار نے بنگلہ دیشی عوام کے فیصلے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ سابقہ ''مشرقی پاکستان'' کا فیصلہ اس لازوال نظریے کی فتح ہے جسے کوئی مکتی باہنی، کوئی مجیب الرحمن، کوئی اندرا گاندھی اور کوئی حسینہ واجد زک نہیں پہنچا سکتے۔

شکست خوردہ حسینہ نے ایک بار پھر کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنا شروع کر دیا ہے۔ آئین کے تحت ایک سابق چیف جسٹس کی سربراہی میں قائم غیر جانبدار نگران حکومت کے زیر سایہ ہونے

Marfat.com

والے انتخابات مشکوک ٹھہرائے جا رہے ہیں۔ حسینہ کے سرپرست متحرک ہو چکے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ سیاسی افراتفری کا ایک طوفان اٹھا کر خالدہ کی دو تہائی اکثریت کو اسی انجام سے دوچار کر دیا جائے جو اس طرح کی ''دو تہائی اکثریتوں'' کا مقدر ہوتا ہے۔

اس وقت امریکہ اور مغرب کو یہ باور کرانا ممکن نہیں کہ وہ ایک ایسے خاکستر کو کرید رہے ہیں جس میں نئی چنگاریاں ابھی تک سلگ رہی ہیں۔ صدیوں کے زوال اور شکست و ریخت کے باوجود مسلمانوں کے دل ویران ہوئے ہیں نہ ان کے ذہن غلامی کے سانچے میں ڈھلے ہیں۔ جارج بش ایک نئی صلیبی جنگ کا مژدہ سنا رہے ہیں۔ اٹلی کے وزیراعظم نے کہا ہے کہ ''اسلامی تہذیب، مغربی تہذیب سے کہیں حقیر و کمتر ہے اور ہم اسے کمیونزم والے انجام سے دوچار کر دیں گے۔'' امریکی اقتدار کی غلام گردشوں میں کھڑا ایک چوبدار، ٹونی بلیئر مسلسل زہر اگل رہا ہے۔ مغرب کا میڈیا ''تہذیبوں کے تصادم'' کی تھیوری کو ہوا دے رہا ہے۔ طاقت کے نشے میں چور ایک بدمست عفریت، آدم بو، آدم بو پکارتا ہمارے گھر کی دہلیز پر آ کھڑا ہوا ہے۔ بھارت کا کہنا ہے کہ افغانستان میں ناشتہ کرنے کے بعد یہ عفریت دوپہر کا کھانا کشمیر میں تناول کرے گا۔ وائٹ ہاؤس کے لان میں لگے باغیچے میں سے ایک پھول بھی ٹوٹ جائے تو جارج بش اس ''واردات'' کے ڈانڈے اسامہ، القاعدہ اور مسلمانوں سے ملا دیتے ہیں۔ ہمارے ایمل کانسی اور رمزی یوسف کو منڈی میں کھڑے میمنوں کی طرح اٹھا لے جانے والا مغرب، رسول مدنی ﷺ کے گستاخوں، سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کو اپنے عشرت کدوں میں پناہ دیئے رکھے گا تو اس کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو بنگلہ دیش کے عوام نے کیا ہے۔

[04-10-2001]

Marfat.com

وسوسے اور واہمے

دانشوروں کی نکتہ آفرینی اور تجزیہ نگاروں کی حاشیہ آرائی نے ''دہشت گردی'' کے خلاف امریکی مہم اور پاکستان کی طرف سے اس مہم کا دست و بازو بننے کے حوالے سے جو دلکش و رنگین منظر تخلیق کیے تھے، تین ہفتوں کے اندر اندر ان کے نقوش ماند اور رنگ پھیکے پڑنے لگے ہیں۔

پاکستان نے بپھرے ہوئے امریکہ کی بلاخیزیوں کے سامنے فوری بند باندھنے کا جو فیصلہ کیا، آج بھی اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن کل بھی یہ کہا گیا اور شاید دیر تک کہا جاتا رہے گا کہ ہم نے امریکی عزائم کی وسعتوں اور گہرائیوں کا اندازہ لگانے اور خود سپردگی کے عمل میں احتیاط، تحمل اور تدبر کے بجائے والہانہ پن کا مظاہرہ کیا۔ شاید اس کے پس منظر میں یہ تشویش بھی کارفرما تھی کہ ''محبوبیت'' کی دوڑ میں بھارت ہم سے آگے نہ نکل جائے۔ زینہ زینہ نیچے اترتے وقت ہر قدم نپا تلا ہوتا ہے، اعصاب اپنی گرفت میں ہوتے ہیں اور اعضاء کا توازن برقرار رہتا ہے۔ لیکن اونچی ڈھلوان سے لڑھکتے وقت سب کچھ بے قابو ہو جاتا ہے اور کسی مخصوص مقام پر قدم جمانا ممکن نہیں رہتا۔

اب امریکہ کی قیادت میں دہشت گردی کے خلاف لڑی جانے والی عالمی جنگ کے نقوش نمایاں ہونے لگے ہیں۔ جو لوگ خوش فہمیوں کے رنگین غباروں سے دل بہلا رہے تھے انہیں بھی ''نوشتہ دیوار'' کے دھندلے نقوش دکھائی دینے لگے ہیں۔ بلاشبہ ہم قومی تاریخ کے سب سے سنگین دور سے گزر رہے ہیں اور اگر اب بھی ہماری منصوبہ سازی کا دائرہ محض طورخم اور چمن تک محدود رہا اور ہماری حکمت عملی کچھ قرضوں کی معافی اور ری شیڈولنگ کے گرد گھومتی رہی تو اس منظر کو کوئی نہیں روک سکے گا جس کے تصور ہی سے مجھ جیسے حساس اور کم حوصلہ لوگ اندھا ہونے کی دعائیں مانگتے ہیں۔

امریکہ نے کبھی، کسی مرحلے پر بھی کشمیر کے بارے میں پاکستان کے موقف کی حمایت نہیں

Marfat.com

کی۔ دوستی کے رومانوی دور میں بھی وہ اس سلسلے میں گرمجوش نہیں رہا۔ سوویت یونین کی کلغی جھکانے کے بعد اس کی ترجیحات میں زبردست تبدیلی آ چکی ہے اور وہ مسلسل بھارت کی ناز برداری کر رہا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اس امام کو ایک ارب گاہکوں کی منڈی سارے اخلاقی ضابطوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ وہ بھارت کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت قرار دیتے ہوئے اس کے ساتھ دیرپا رفاقت کے عہد و پیاں کئے بیٹھا ہے۔ اگر ہم ان سارے حقائق سے منہ موڑ کر صرف ''تصور جاناں'' کئے اس سوچ میں گم رہے کہ ہماری بے ساختہ جاں سپاری اور والہانہ اطاعت گزاری کے بعد امریکہ، کشمیر میں بھارت کو کوئی رعایت نہیں دے گا تو یہ ایک مہلک قسم کی خودفریبی ہوگی۔

خوفزدہ لوگوں کے دل وسوسوں اور واہموں کے جنگل بن جاتے ہیں۔ اللہ کرے یہ محض وسوسے اور واہمے ہی ہوں لیکن ماضی میں ہمارا ہر وسوسہ اور ہر واہمہ بھیانک تعبیر پا تا رہا ہے۔ اس لئے ہمالیہ کی اونچی دیواروں پر رقم ''نوشتہ'' پڑھنے میں غلطی اور تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ دیرسویر سے قطع نظر یہ طے ہے کہ پاکستان کے پر کاٹ کر اسے اس قابل نہ رہنے دیا جائے کہ وہ امت مسلمہ کی امامت کا دعویٰ کر سکے۔ ہمارا ایٹمی پروگرام ہمارے شاہین اور غوری، ہماری عسکری صلاحیتیں، ہماری آزادی وخودمختاری اور سب سے بڑھ کر ہمارا نظریاتی تشخص اس کے راستے کے پتھر ہیں۔

اپنے دیرینہ عزائم کی تکمیل کے لئے سرگرم امریکہ کی دیکھا دیکھی بھارت نے بھی اپنے ناپاک ارادوں کی گٹھڑی کھول لی ہے۔ تین دن قبل بھارتی وزیر داخلہ نے ساری دنیا کو بتایا ہے کہ امریکہ نے افغانستان کا قضیہ چکانے کے بعد کشمیر میں جاری دہشت گردی کو نشانہ بنانے کا وعدہ کیا ہے۔ جسونت سنگھ وائٹ ہاؤس میں امریکی مشیر سلامتی کنڈولیزا رائس سے ملاقات کر رہے تھے کہ صدر بش وہاں آ نکلے۔ اگرچہ ان کا ایک ایک لمحہ طے شدہ پروگرام سے بندھا ہوتا ہے لیکن ''اچانک'' جسونت سنگھ کو سامنے دیکھ کر وہ بیٹھ گئے اور پھر چالیس منٹ تک بیٹھے رہے۔ اس دوران جسونت سنگھ کو وہ خط بھی صدر بش کے حوالے کرنے کا موقع مل گیا جو کچھ دیر پہلے وزیراعظم واجپائی نے فیکس کیا تھا اور جس میں سری نگر اسمبلی کے واقعے کو بنیاد بنا کر کہا گیا تھا کہ ''بھارت کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا اور پاکستانی دہشت گردی کا خاتمہ ضروری ہو گیا ہے۔'' جسونت سنگھ نے اخبار نویسوں کو

Marfat.com

بتایا کہ ہم نے کشمیر پر بات کی ہے اور امریکہ نے یقین دلایا ہے کہ'' القاعدہ کے بعد دہشت گردی کے دیگر مراکز پر حملے ہوں گے'' امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے تصدیق کرتے ہوئے اعلان کیا کہ'' پہلے مرحلے میں القاعدہ کے خلاف کارروائی ہوگی لیکن بھارت میں ہونے والی دہشت گردی سمیت ہر قسم کی دہشت گردی ہمارا نشانہ ہے۔''

ناسازگار حالات کے دباؤ میں ہمیں بھی سری نگر کے واقعہ کی شدید مذمت کرنا پڑی ہے۔ اب ہمیں دہشت گردی اور تحریک حریت کی فلسفیانہ تشریح اور دونوں کے درمیان فرق کی باریک لکیر واضح کرنے کا مشکل مرحلہ درپیش ہوگا۔ ہمیں ثابت کرنا ہوگا کہ جیش محمد، لشکر طیبہ، حزب المجاہدین اور دیگر جہادی تنظیمیں، القاعدہ سے مختلف ہیں لیکن لڑکھڑاتے ہوئے لوگ لفظوں کی تشریح و تعبیر کا حق نہیں رکھتے۔ جس طرح امریکہ کے ثبوت مستند ٹھہرے ہیں اسی طرح بھارت کے شواہد بھی معتبر قرار پائیں گے جس طرح ہمیں الرشید ٹرسٹ اور حرکت المجاہدین کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا اسی طرح ہم دوسری جہادی تنظیموں اور کل جماعتی حریت کانفرنس کی طرف بڑھنے والا ہاتھ بھی نہیں روک سکیں گے، بلکہ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر پیش قدمی کریں گے۔ معاملے کا ایک تشویشناک پہلو یہ بھی ہے کہ حوصلہ مند پاکستانی قوم بھول بھلیوں میں کھوگئی ہے اور بے یقینی کی دھند گہری ہوتی جارہی ہے۔ امریکہ، صدر مشرف کی مشکلات میں اضافہ کر رہا ہے۔ اپنے ہر ناروا مطالبے کے ساتھ کسی پابندی کے خاتمے یا کسی قرضے کی ری شیڈولنگ کی خبر دے کر اس نے پاکستانی قوم کی خودی کو بھی جنس بازار بنا دیا ہے۔

کیا اب بھی وہ لمحہ نہیں آیا کہ ہم سارے جھگڑوں ساری عداوتوں اور ساری سیاسی چپقلشوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے قومی وحدت کا اہتمام کریں۔ رزم حق و باطل میں ریشم کی طرح نرم اور حلقہ یاراں میں فولاد بننے کی روش پر نظر ثانی نہیں ہونی چاہئے؟

[5-10-2001]

Marfat.com

مجھے معاف کر دینا......!

ذہن میں چار سو دوسوں اور واہموں کے جالے تن جائیں اور دل خوف سے بوجھل ہونے لگے تو میں اپنی یادداشتوں کی پوٹلی کھول کر بیٹھ اور تھوڑی دیر کے لئے طالبان کے افغانستان کی طرف نکل جاتا ہوں۔

آج مجھے قندھار کا ایک بلند قامت اور وجیہہ وشکیل نوجوان یاد آ رہا ہے جس کے شاعرانہ جمال اور مومنانہ جلال نے ہم سب کو مبہوت کر دیا تھا۔ اس کی شخصیت کا بانکپن، اسے دیکھنے والوں کو شاداب اور سننے والوں کو سیراب کر دیتا تھا۔ طالبان کے مخصوص ڈھیلے ڈھالے لباس، سیاہ پگڑی، گہرے براؤن رنگ کی واسکٹ، کندھے پر سیاہ چادر اور پاؤں میں ایک کھردری سی چپل پہنے، اس 28 سالہ جوان رعنا کا نام احسان اللہ احسان تھا۔ اس کی باتوں میں آبشاروں کا ترنم اور گلوں کی خوشبو تھی۔ میں آج بھی افغانستان کے جن کرداروں کے طلسم سے نہیں نکل پایا، ان میں احسان اللہ کا نام بہت نمایاں ہے۔

موسم بدلا تو کہانی لکھی جائے گی۔ ایسے کرداروں کی کہانی جو اس مادہ پرست دنیا میں کسی اور سیارے کی مخلوق نظر آتے ہیں۔ جب مجھے مولانا سمیع الحق نے قندھار چلنے کی دعوت دی تھی تو میں نے پہروں ان سے بحث کی تھی۔ طالبان کی کوئی بھی ادا میرے لئے اتنی پرکشش نہ تھی کہ میں ایک بے آب ورنگ سفر کے لئے نکل کھڑا ہوتا لیکن آج میں پیچھے پلٹ کر گزر جانے والے دنوں پر ایک نظر ڈالتا اور یہ شعر گنگناتا ہوں کہ

کچھ عمر گریزاں سے میرے ہاتھ نہ آیا
ہر لمحہ ترے گوشہ داماں کی طرح تھا

تو قندھار اور ہرات میں طالبان کے ساتھ گزرے ہوئے شب و روز اس عمر گریزاں کا قیمتی

Marfat.com

اثاثہ لگتے ہیں۔ ان شب وروز میں طبیعت پر بوجھ بن جانے والی ساعتیں بھی تھیں اور طالبان کے مخصوص اندازِ فکر وعمل سے خفا ہو جانے والی گھڑیاں بھی، لیکن منفرد تجربوں اور ناقابلِ یقین داستانوں نے اس مختصر سے سفر کو یادگار بنا دیا ہے۔

چمن کی سرحد پار کرتے ہی ہم طالبان کی لائی ہوئی گاڑیوں میں منتقل ہو گئے۔ ہم چار اخبار نویسوں کے حصے میں ایک گاڑی آئی۔ ہم سب کو طالبان، ان کے نظام حکومت، ان کے انداز کار اور خاص طور پر ان کی ''شان نزول'' کے بارے میں بہت کچھ جاننے کی آرزو تھی۔ ہم اپنے ڈرائیور پر مسلسل سوالوں کی چاند ماری کر رہے تھے اور وہ حسب توفیق معلومات فراہم کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ'' طالبان کے زیر قبضہ علاقے میں مراتب اور مناصب کی تمیز اور عہدوں کا کروفر ناپید ہے۔ صوبے کا والی ہے یا کسی دفتر کا معمولی اہلکار، کسی میں کوئی فرق نہیں، نہ کوئی آن بان، نہ پروٹوکول، نہ ہٹو بچو کی صدائیں، نہ سائرن، نہ وی آئی پی کلچر۔'' ہم ایک دوسرے کو دیکھتے اور مسکراتے رہے۔ ہمیں یقین تھا کہ قندھار پہنچتے ہی اصل حقیقت معلوم ہو جائے گی اور گپ باز ڈرائیور کا پول کھل جائے گا۔

میں نے اس کا نام پوچھا۔

''ہدایت اللہ'' وہ بولا۔

میں نے دوسرا سوال کیا: ''ہدایت اللہ تم ڈرائیوری کے علاوہ بھی کوئی کام کرتے ہو؟''

''جی میں قندھار کا ڈپٹی کمشنر اور میئر بھی ہوں'' اس نے نظریں خستہ حال سڑک کے گڑھوں پر مرکوز رکھتے ہوئے جواب دیا۔

یہ طالبان کی جادونگری سے ہمارا پہلا تعارف تھا لیکن آج ہدایت اللہ جیسے کتنے ہی کرداروں کے جھرمٹ میں احسان اللہ احسان کا چہرہ سب سے جدا، سب سے نمایاں دکھائی دے رہا ہے۔ قندھار کے جنگ زدہ ریسٹ ہاؤس کے ایک کمرے کے فرش پر بیٹھے میں نے جادو بیان احسان اللہ احسان سے پوچھا تھا۔

''کہا جاتا ہے امریکہ آپ کی پشت پر ہے۔''

روشن چہرے اور چمکتی آنکھوں والے جوان رعنا نے جو کچھ کہا تھا وہ برسوں قبل ایک جریدے میں شائع ہو چکا ہے لیکن آج اسے دہرانے کو جی چاہتا ہے۔ اس نے کہا تھا:

Marfat.com

''جن مفاد پرستوں کے مفاد پر زد پڑی ہے اور جن غنڈوں کی غنڈہ گردی کا خاتمہ ہوا ہے وہ اس طرح کی افواہیں اڑا رہے ہیں۔ ہمارے خلاف ایک منظم پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ امریکہ تو اسلام کا نام سننے کا روادار نہیں۔ وہ تو مسلمانوں کا روسیوں سے بھی بڑا دشمن ہے۔ وہ قرآن وسنت کے کسی ایک حکم کو بھی قانون ماننے پر آمادہ نہیں۔ پورے کے پورے دینی نظام کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ ہم امریکیوں سے مدد لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آج امریکہ اللہ کی اس زمین پر خدائی کا دعویدار بن بیٹھا ہے۔ وہ اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے اور دین کا نام لینے والی قوتوں کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ کیا کوئی بھیڑیا کسی بھیڑ کی پرورش کر سکتا ہے؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک امریکہ ہے، کسی اسلامی ملک میں مکمل اسلامی نظام نہیں آنے دے گا۔ اس لئے ہم روس کے خاتمے کے بعد امریکہ کو اپنا دشمن نمبر ایک خیال کرتے ہیں۔ انشاء اللہ وہ وقت آئے گا کہ ہم امریکہ کو اس کی سازشوں کا دندان شکن جواب دیں گے اور اسے روس والے انجام سے دوچار کریں گے۔ امریکہ اور اس کا سامراجی نظام تباہ ہو کر رہے گا۔''

''آپ اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں؟'' میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔

''جی ہاں! ہم اللہ اور اس کی قدرت پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ یہ اسی قادر مطلق کی قدرت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک پتھر پر لاٹھی ماری تو بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ امریکہ اور دنیا کی ساری قوتیں مل کر پتھر سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں نکال سکتیں۔ یہ اللہ ہی کی قدرت تھی کہ پتھر سے حضرت صالح علیہ السلام کے لئے حاملہ اونٹنی پیدا کی گئی۔ ہمیں اللہ کی قدرت اور مظلوم افغانیوں کی جرأت و ہمت پر پورا یقین ہے۔ ہمارے امیر المومنین ملا عمر کو اللہ تعالیٰ نے چنا ہے اس کے چنے ہوئے بندے ناکام نہیں ہو سکتے۔''

آج پہاڑوں جیسے عزم اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں جیسے ایمان ویقین کا مالک احسان اللہ احسان اس دنیا میں موجود نہیں۔ ملا عمر کا رفیق و ہمدم 30 سال کی عمر میں کسی معرکے میں جاں بحق ہو چکا ہے۔ معلوم نہیں اس جادو بیاں خطیب اور سرو قد جوان کی قبر کہاں ہے؟ ہے بھی یا نہیں؟ ممکن ہوتا تو میں اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر اسے کہتا...... ''یار عزیز! اٹھو! افغانستان کو تمہارے سحر انگیز خطبوں، تمہارے قوی بازوؤں اور تمہارے عزم بیکراں کی ضرورت ہے۔ وہ وقت آ گیا ہے جس کا ذکر تم نے چھ سال قبل قندھار کے جنگ زدہ ریسٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں کیا تھا۔

Marfat.com

فرعونی قوتوں کے بحری بیڑے، ایٹمی آبدوزیں اور بمبار طیارے امیرالمومنین کے تعاقب میں، تمہارے افغانستان کی دہلیز تک آن پہنچے ہیں۔ کچھ کر سکتے ہو تو کرلو۔ لیکن مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔ میں ڈھیروں مجبوریوں اور معذوریوں میں جکڑا ہوا ہوں۔ امریکہ نے ایسے ''ٹھوس'' ثبوت بھی فراہم کر دیئے ہیں جو تمہارے خلاف دہشت گردی کی ایف آئی آر کٹوانے کے لئے کافی ہیں۔ مجھے معاف کر دینا۔ میں اپنے گھر کے کسی گوشے میں بیٹھ کر تمہارے لئے دعائیں مانگوں گا۔ اگر کوئی آس پاس دیکھنے والا نہ ہوا تو رو بھی لوں گا۔''

[6-10-2001]

Marfat.com

دوستوں کی آمد آمد

اس بات کو اب کئی سال ہو چکے ہیں۔

افغان جہاد کا اہم ترین مرحلہ کامیابی سے ہمکنار ہو چکا تھا اور زخموں سے نڈھال روس اپنے بچے کھچے لاؤلشکر کو سمیٹ کر دریائے آمو کے اس پار جا چکا تھا۔ افغانستان کی سلگتی بستیوں سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا تھا کہ ''مال غنیمت'' کی تقسیم ایک نئی افتاد بن گئی۔

دنیا کی ایک سپر پاور کو لخت لخت کر دینے والا سات جماعتی اتحاد نئی منزلوں کی طرف قدم بڑھانے کے بجائے خرافات میں کھو گیا۔ ہر تنظیم نے سارے ثمرات اپنی جھولی میں سمیٹنے اور دوسروں کو محروم رکھنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اسلحہ کی فراوانی تھی اور لہو ابھی تک گرم تھا۔ جہاد افغانستان کی منصوبہ سازی کرنے والی پاکستانی قیادت راکھ بن کر بہاولپور کی خاک کا حصہ بن چکی تھی۔ مجاہدین کو ایک معین نظم کے اندر رکھنے اور متعین راستے پر چلانے والا کوئی نہ تھا۔ ایسا اتفاقاً ہوا یا اس کے پیچھے بھی کوئی طے شدہ حکمت عملی کارفرما تھی؟ بہر حال یہ ایک المیہ تھا کہ جب افغانستان سیاسی استحکام، تعمیر نو اور تزئین چمن کے مرحلے میں داخل ہوا تو دس برسوں سے افغان جہاد پر تنی چھتری میں اچانک اتنے چھید پڑ گئے کہ وہ کسی نامہربان موسم کا راستہ نہ روک سکی۔ روسیوں کے خلاف لڑنے والے مجاہد کمانڈروں میں سے کوئی بھی اپنے عسکری بانکپن سے دستکش ہونے اور اپنی تلوار نیام میں ڈالنے پر آمادہ نہ ہوا۔

1980ء کے اوائل میں پاکستان کی کوششوں سے باون لڑاکا گروہوں میں بٹے جو افغان، سات جماعتی اتحاد کے پرچم تلے اکٹھے ہو گئے تھے، روس کے پسپا ہوتے ہی تاش کے باون پتوں کی طرح بکھر گئے۔ ویت نام میں پچاس ہزار سپاہیوں کی ہلاکت کا صدمہ بھلانے اور پندرہ لاکھ افغانوں کے لہو سے اپنی پیشانی کا داغ ندامت دھونے کے بعد امریکہ نے اپنے گھر کی راہ لی اور

Marfat.com

پھر کبھی پلٹ کر بھی نہ دیکھا کہ افغانستان کی جھلسی ہوئی کھیتیاں کونسی فصل اُگا رہی ہیں اور ایک طویل جنگ کی بھٹی کا ایندھن بننے والے افغان کس حال میں ہیں۔ 11 ستمبر سے اب تک ایک ماہ سے بھی کم عرصے میں ساری دنیا کی نظریں اس نشانے پر لگی ہیں جس کی طرف امریکہ اشارہ کر رہا ہے۔ ساری دنیا اسے جدید ساز و سامان جنگ کی تجربہ گاہ بنانے کے منصوبے بنا رہی ہے لیکن پچھلے گیارہ سالوں کے دوران لاکھوں بیواؤں، یتیموں، معذوروں اور افلاس زدہ لوگوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی فرصت کسی کو نہ تھی۔ محض روس کی ہزیمت سے دلچسپی رکھنے والی قوتیں لاتعلق ہو گئیں اور جہاد کے بعد افغانستان کی نئی صورت گری کا آرزومند قبیلہ سی 130 کے تنور میں جھونک دیا گیا۔

طالبان آسمانوں سے نہیں اترے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنا لڑکپن اور جوانی آتش و آہن کے کھیل کی نذر کر دی۔ ان کی زندگیوں میں سنہری خوابوں اور رومانوی آرزوؤں کی خوشبو بکھیرنے والے شب و روز آئے ہی نہیں۔ یہ حکمت یار، یونس خالص، مجددی، نبی محمدی، ربانی، سیاف اور گیلانی کی قیادت میں لڑتے اور پہاڑوں کے نشیب و فراز میں روسی فوج سے دست و گریباں رہے اور جوانی کا دلکشا موسم دبے پاؤں قریب کی کسی گھاٹی سے ہوتا دور نکل گیا۔

صبغت اللہ مجددی نے افغانستان کی صدارت سنبھالی۔ شاہین صفت جوانوں کو نئی صبح کے قدموں کی چاپ سنائی دی لیکن وہ صبح طلوع نہ ہو سکی۔ سیاسی مصلحتوں نے مجددی کو دوستم کے قریب لا کھڑا کیا۔ پروفیسر برہان الدین ربانی تخت نشین ہوئے تو مضطرب نوجوانوں نے دیکھا کہ روسیوں کے دست و بازو بننے والے جرنیل، ربانی کے ایوان اقتدار کے ستون بن گئے۔ تب ان جوانوں کو چہار اسیاب میں مورچہ زن جری کمانڈر حکمت یار میں کشش محسوس ہوئی لیکن کچھ ہی دنوں بعد حکمت یار ایک ایسی ''شورائے ہم آہنگی'' کا حصہ بن گئے جس میں مزاری اور دوستم بھی شامل تھے۔ یہ تھا وہ پس منظر جس نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر مدرسوں سے میدان جنگ میں آنے والے طالبان کو مایوس کر دیا۔ اس مایوسی نے انہیں اکٹھا ہونے اور ملا عمر نامی مجاہد کی قیادت میں ایک نئے عہد کا آغاز کرنے کا عزم دیا اور جب وہ چلے تو راستے کشادہ ہو گئے اور منزلیں ان کے قدموں تلے بچھتی چلی گئیں۔ قندھار سے مزار شریف تک نوے فیصد سے زیادہ علاقے پر قبضہ کرنے والے طالبان کو اپنے پورے سفر کے دوران شاید ہی کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ وہ جدھر گئے تلواریں ان کی گردنوں کی طرف اٹھنے کے بجائے ان کے قدموں میں ڈھیر ہوتی

Marfat.com

گئیں۔ بدامنی، فساد اور افراتفری کے ستائے ہوئے عوام کو برسوں بعد ایک ایسا نظام میسر آیا جس میں امن وامان کی ضمانت اور انصاف کی فرمانروائی تھی۔

افغانیوں کو ایک عشرے تک بندوقیں، توپیں، مشین گنیں اور سٹنگر فراہم کرنے والوں کو یہ خیال ہی نہ آیا کہ اب انہیں امن وخوشحالی کی ضرورت ہے۔ انہیں روٹی چاہئے۔ ان کے بچے کھلونے مانگتے ہیں۔ وہ اچھی تعلیم کے طلب گار ہیں۔ انہیں شفاخانوں کی حاجت ہے۔ ذرائع رسل ورسائل، فیکٹریوں، کارخانوں، درس گاہوں اور تفریح گاہوں کی ضرورت ہے۔ بچپن سے براہ راست ادھیڑ عمری کو پہنچ جانے والے طالبان، اپنی بستیوں سے باہر آ کر دور سے آنے والے راستوں کو گھورتے رہے کہ شاید جنگ کے دنوں کے پرانے ساتھی کبھی لوٹ آئیں اور ان کے زخموں پر مرہم لگانے کی کوشش کریں لیکن سالہا سال تک کسی قافلے کے آثار دکھائی نہ دیئے۔

اور اب خبر آئی ہے کہ برسوں بعد بھولے بسرے دوستوں کے لدے پھندے کارواں بھولی بسری سرزمین کی طرف واپس آ رہے ہیں۔ بھوک سے نڈھال افغان بچے، جوان، بوڑھے، بیوائیں، یتیم اور معذور، آنے والوں کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ بم پھینکنے والے سینکڑوں طیارے، کیمیائی ہتھیاروں سے لیس آبدوزیں، تیز دھار سنگینیں چڑھائے کمانڈوز اور مہلک ہتھیاروں سے لدے بحری بیڑے لحہ لحہ قریب تر آ رہے ہیں۔ بھول جانے والے دوست بالآخر لوٹ آئے ہیں۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کو ہیں۔ ناقوس بجنے کو ہے۔

[7-10-2001]

Marfat.com

جاگتی آنکھوں کے خواب

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں
ان کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

شاعرانہ واردات عشق ومحبت میں ایسے لمحے قابل معافی ہوتے ہیں جب اپنے دل کے اضطراب سے مجبور ہو کر انسان اپنے آپ کو فریب دیتا اور در و دیوار کے ساتھ ہوا کے کسی آوارہ جھونکے کے لمس کو بھی محبوب کے دست حنائی کی دستک خیال کر بیٹھتا ہے، لیکن ٹھوس اور تلخ حقائق کی دنیا میں جب قوموں کے مقدر کا فیصلہ کرنے کی گھڑی آ جائے تو دانش وبصیرت کی ایک ایک رمق کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے فیصلے کرنا ہوتے ہیں جو حال کی ہنگامی مجبوریوں کے ساتھ ساتھ مستقبل کے دیرپا تقاضوں پر بھی پورا اتریں۔ ایسے تاریخ ساز لمحات میں جاگتی آنکھوں کے خوابوں کو پس پشت ڈال کر ان حقیقتوں کو دیکھنا ہوتا ہے جو بہر حال اپنا وجود رکھتی ہیں اور انہیں نظر انداز کر دینے سے آگے کا سفر زیادہ کٹھن اور زیادہ صبر آزما ہو جاتا ہے۔

انجینئر گلبدین حکمت یار نے ''نوائے وقت'' سے اپنے ایک تازہ انٹرویو میں ہمیں توجہ دلائی ہے کہ ہم معاملات طے کرتے وقت ماضی کے تجربات اور امریکہ کے رویوں کو پیش نظر رکھیں۔ انہوں نے کہا ہے:۔

o...... ''امریکہ، افغانستان پر قبضہ کر کے اسے بیس کیمپ بنا کر وسط ایشیا میں گھسنا چاہتا ہے تاکہ وہ پاکستان، چین اور روس تک اپنا حلقہ اثر بڑھا سکے۔''

o...... ''امریکہ سے پاکستان کا تعاون تحریک آزادی کشمیر پر بھی برے اثرات مرتب کرے گا۔ کشمیر میں جاری آزادی کی تحریکیں یہ سوچنے پر مجبور ہو سکتی ہیں کہ اگر پاکستان نے اپنے دوست افغانوں سے آنکھیں پھیر لیں تو ان کا مستقبل بھی غیر یقینی ہو گا۔''

o...... ''پاکستان کے ممکنہ تعاون کے عوض امریکہ اسے کچھ نہیں دے گا۔ وہ صرف پاکستان کو سبز باغ

Marfat.com

دکھا رہا ہے۔ پاکستان اس جھانسے میں نہ رہے کہ امریکہ مسئلہ کشمیر میں اس کی مدد کرے گا۔ یہ مسئلہ جب بھی حل ہوا، بھارت کے حق میں ہوگا۔''

ایک اور قومی اخبار سے انٹرویو میں حکمت یار نے اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''مجھے پاکستان کے رویے سے مایوسی ہوئی ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ پاکستان اپنے آپ کو افغانستان کے قضیے میں کیوں اتنا ملوث کر رہا ہے؟ کیا اس کے لئے مسئلہ کشمیر کافی نہیں ہے؟ میں پاکستانی حکام کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ وہ بھرپور تعاون کے باوجود امریکہ سے اس بات کی توقع نہ رکھیں کہ وہ کشمیر کے بارے میں ان کے موقف کی حمایت کرے گا۔ مجھے تو یہ بات بھی سمجھ نہیں آ رہی کہ پاکستان امریکی دباؤ میں کیوں آ رہا ہے؟ ایران نے امریکہ کو افغانستان پر حملے کے سلسلے میں کسی قسم کا تعاون فراہم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر کسی ملک کے تعلقات امریکہ سے اچھے ہیں تو وہ اس پر دباؤ ڈال کر من مانی کر لے گا اور اگر کسی ملک کے ساتھ تعلقات اچھے نہیں تو وہ چپ ہو جائے گا اور دباؤ ڈالنے کی جرأت نہیں کرے گا۔''

حکمت یار کے تجزیے سے کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ ہم بہرحال نہ مرد کہستانی ہیں نہ بندہ صحرائی۔ آسائشوں کی آلائشیں ہماری زندگی کے ایک ایک لمحہ کا حصہ ہیں۔ ہمیں ایک ایسے فیصلے کی ضرورت تھی جو مشتعل اور غصے سے پھنکارتے ہوئے بھینسے کی پہلی ٹکر سے بچا سکے۔ وہ لمحہ ٹل گیا اور ہمیں ایک ناگہانی افتاد کی منہ زور یلغار سے پہلو بچا کر اکھڑی ہوئی سانسیں بحال کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ اب ہمیں خوف کے آسیب سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لینا چاہئے کہ امریکہ سے ہماری وابستگی اور تعاون کا ''حدود اربعہ'' کیا ہونا چاہئے اور جس ''وسیع تر قومی مفاد'' کے لئے ہم نے ایک نازک گھڑی پر نازک فیصلہ کیا ہے، اسی ''وسیع تر قومی مفاد'' کے تحفظ کے لئے ہمیں ایک ناقابل اعتماد ''دوست'' کے ساتھ دوستی کو محض تعلق داری تک محدود رکھنا چاہئے یا عشق و وارفتگی سے مغلوب ہو کر قومی مفادات کی ساری پونجی اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دینی چاہئے۔

ہماری یہ شرائط کہ دہشت گردی کی مہم میں افغانستان جانے والے ٹروپس میں اسرائیل اور بھارت کے ٹروپس شامل نہ کئے جائیں یا اس مہم پر اقوام متحدہ کی مہر لگوائی جائے یا اس دوران بھارت ہم سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے، عبوری نوعیت کی ہیں۔ امریکہ خوشدلی سے انہیں تسلیم کر لے

Marfat.com

گا۔ زخموں سے چور ہماری معیشت کو بھی فرسٹ ایڈ انداز کی مرہم پٹی میسر آ سکتی ہے۔ لیکن ان سارے اقدامات کی ڈوری، افغانستان میں امریکی عزائم کے کھونٹے سے بندھی ہے۔ جونہی امریکہ اپنے فوری اہداف سے فارغ ہوا اور اسے وسط ایشیا کی فصیلوں پر کمند ڈالنے کے لئے ہمارے زینے کی ضرورت نہ رہی، اس کے تیور بدل جائیں گے۔

کیا ہم بھول سکتے ہیں کہ کل تک ہم گردن زدنی تھے؟ 12 / اکتوبر کے بعد پابندیوں میں جکڑے ہوئے پاکستان کو نئی پابندیوں کے شکنجے میں کس دیا گیا کہ جمہوریت رخصت ہوگئی ہے۔ برطانیہ کی خانہ زاد دولت مشترکہ نے ہمیں اچھوت قرار دے دیا۔ جاپان کی پیشانی پر شکنوں کا گھنا جال تن گیا۔ کلنٹن بھارت یاترا کے باوجود چند گھنٹوں کے لئے بھی پاکستان آنے پر آمادہ نہ تھے اور جب آئے بھی تو نصیحتوں اور تنبیہوں پر مشتمل ایک کرخت خطبہ ارشاد فرما کر واپس چلے گئے۔ تب انہیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ جنرل مشرف ہوائی اڈے یا ایوان صدر کے دروازے پر ان کا استقبال کریں۔ یورپی یونین کے کارندے کھلے عام دھمکیاں دینے لگے اور آزاد اور خود مختار ملک کو اقوام عالم کی بزم میں '' طاعون زدہ مریض '' کی طرح الگ تھلگ کر دیا گیا۔

آج کچھ بھی نہیں بدلا۔ وہی مشرف ہیں اور وہی پاکستان، لیکن غصے سے دہکتے ہوئے رخساروں پر اچانک محبت کی شفق کھل اٹھی ہے۔ جن کے پاس ہمارے لئے سنگ الزام اور تیر دشنام کے سوا کچھ نہ تھا، ان کے ہونٹ پھول بکھیرنے لگے ہیں۔ کل تک ہماری رگ جاں سے لہو کی ایک ایک بوند نچوڑنے والے ہماری بلائیں لے رہے ہیں اور ان کے دلوں میں وصال یار کی تمنا انگڑائیاں لینے لگی ہے۔ ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ خوش رنگ موسم جلد گزر جائے گا۔ پھر ہم ہوں گے اور وہی نامہرباں رتیں۔ ہماری حکمت عملی کا یہ نکتہ کبھی پس منظر میں نہیں جانا چاہئے کہ ہم زمانے بھر کے لئے کتنی ہی جنگیں کیوں نہ لڑتے رہیں، ہمیں اپنی بقا اور اپنے وقار کی جنگ تن تنہا لڑنا ہوگی۔

پاکستانی عوام کے دلوں میں یہ خدشہ نیزے کی انی کی طرح ترازو ہے کہ دہشت گردی کی حالیہ مہم سر کرنے والے لشکر کا ایک نہ ایک دستہ، آج یا کل یا پرسوں کشمیر کی وادیوں میں دکھائی دے گا۔ حکمت یار کی تنبیہ نے اس خلش میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

جاگتی آنکھوں کے خواب اکثر ایسی کربناک تعبیریں لاتے ہیں، جو آنکھیں بند کرنے کے باوجود دہکتی سلائیاں بن جاتی ہیں۔

[8-10-2001]

Marfat.com

’’انصاف‘‘......افغانستان کی دہلیز پر

صدیوں سے ایک ہی منظر دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔ نہ جانے یہ آزار مسلسل کب ختم ہونے میں آئے گا؟

11 ستمبر کو جارج ڈبلیو بش نے اعلان کیا تھا کہ ’’ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پینٹا گان کو نشانہ بنانے والوں کو نشان عبرت بنا دیا جائے گا۔ اس دہشت گردی کا ارتکاب کرنے والوں کو ’’انصاف‘‘ کے کٹہرے میں لایا جائے گا اور اگر ایسا ممکن نہ ہوا تو ’’انصاف‘‘ کو ان تک پہنچا دیا جائے گا۔‘‘ لگ بھگ ایک ماہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود اسامہ بن لادن کو انصاف کے کٹہرے تک نہیں لایا جا سکا اس لئے 7 اور 8 اکتوبر کی درمیانی شب، جب افغانستان کی لٹی پٹی بستیاں، اکتوبر کی خنک چادر لپیٹے نیند کی آغوش میں جا رہی تھیں تو چیختا چنگھاڑتا انصاف ان کی منڈیروں پر اتر آیا۔ پچاس کروز میزائلوں، پچیس لڑاکا طیاروں اور پندرہ بمباروں کے جلو میں نازل ہونے والے انصاف نے بیک وقت کابل، جلال آباد، قندھار اور مزار شریف کے دروازوں پر دستک دی۔ دنیا کی سب سے قوی، سب سے متمول اور سب سے ترقی یافتہ قوم نے شکستہ حال افغانوں کو ’’انصاف‘‘ فراہم کرتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کے پندرہ لاکھ جری جوانوں کے لہو کی سرخی نے امریکہ کے عارض و رخسار کو رعنائی بخشی اور اسے ’’حسینہ عالم‘‘ کی مسند پر بٹھایا۔

مغرور بش نے اپنی مسرور قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ’’طالبان کو حکم عدولی کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔‘‘ ٹونی بلیئر نے اعلان کیا کہ ’’ہمارا الٹی میٹم نہ ماننے والے طالبان اب نتائج کا سامنا کریں۔‘‘ ملا عبدالسلام ضعیف نے کہا کہ ’’امریکہ کے اتحادی دراصل مٹھی بھر غلام ہیں جو کبھی کامیاب نہیں ہوں گے اور امریکہ کو ان حملوں کی ایسی قیمت ادا کرنا پڑے گی جس کا وہ اس وقت تصور بھی نہیں کر سکتا‘‘ اور افغانستان کے کسی پہاڑ کی اوٹ میں بیٹھے منحنی سے جسم والے اسامہ نامی شخص نے کہا کہ ’’میں قسم کھاتا ہوں، جب تک فلسطین میں امن نہیں ہوگا اور جب تک عالم اسلام

Marfat.com

امریکی دہشت گردی سے آزاد نہیں ہوگا، امریکی بھی چین کی نیند نہیں سوسکیں گے۔‘‘

انصاف کی پالکی، بحری بیڑوں، ایٹمی آبدوزوں اور بمبار طیاروں پر لاد کر ’’مجرموں‘‘ تک پہنچانا امریکہ کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ چین، کوریا، گوئٹے مالا، انڈونیشیا، کیوبا، کانگو، پیرو، لاؤس، ویت نام، کمبوڈیا، گرینیڈا، لبنان، لیبیا، ایلسلواڈور، نکاراگوا، پانامہ، سوڈان، افغانستان، یوگوسلاویہ اور عراق اس طاغوتی انصاف کی کئی کئی قسطیں وصول کر چکے ہیں۔ یہ صرف دوسری جنگ عظیم کے بعد کے دنوں کی کہانی ہے۔ اس عرصے میں امریکہ نے دنیا بھر کے بیس ممالک میں بغاوتیں کرائیں اور کم وبیش نصف درجن سربراہان حکومت کو ہلاک کیا۔ پرل ہاربر کو بہانہ بنا کر ’’روزویلٹ‘‘ نے ہیروشیما اور ناگاساکی کو ڈراؤنے خواب بنا دیا تھا اور اب 11 ستمبر کو بہانہ بنا کر انصاف کی سوغات بانٹنے والے بش نے ان انسانوں کو چنا ہے جن کے آباؤ اجداد نے انہیں صرف ایک ہی سبق دے رکھا ہے۔ ’’آزادی یا موت‘‘ امریکی انصاف کا کم نظر دیوتا، اکثر اپنا ہدف بھول جاتا اور اس کا نشانہ خطا ہو جاتا ہے۔ اس نے قذافی کی گردن اڑانا چاہی تو ان کی معصوم بچی لہو میں نہا گئی۔ اس نے صدام حسین کو لقمہ بنانا چاہا اور لیلیٰ بنت عطار نامی ایک بے گناہ فنکارہ کو ہڑپ کر گیا۔ اس نے دو سال قبل اسامہ بن لادن کا رشتہ جاں منقطع کرنے کی ٹھانی اور بیس بے گناہ انسانوں کے پرخچے اڑا گیا۔ اس نے سوڈان کے ایک ’’خوفناک کیمیکل پلانٹ‘‘ کا نشانہ لیا اور ادویات بنانے والی ایک فیکٹری کو کھنڈر بنا گیا اور اب انصاف کا یہ دیو استبداد افغانستان کے پہاڑوں کے پیچ وخم میں اسامہ کو ڈھونڈنے نکلا ہے لیکن خبر آئی ہے کہ صرف کابل میں عورتوں اور بچوں سمیت کم از کم سینتیس افغانی انصاف کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔ ان میں اس شخص کا پورا کنبہ بھی شامل ہے جو کابل کی ایک نواحی مسجد میں پانچ وقت ’’اللہ اکبر‘‘ کی صدا بلند کرتا تھا۔

میں نے 7 ستمبر کے کالم میں لکھا تھا کہ ’’بھول جانے والے دوست بالآخر لوٹ آئے ہیں۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کو ہیں۔ ناقوس بجنے کو ہے‘‘ اور 7 ستمبر ہی کو جب میں نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ ناقوس بج چکا ہے۔ یہ رات کا اولین پہر تھا اور سی این این کابل اور قندھار کی فضاؤں میں چھوٹتی پھلجھڑیاں مسلسل دکھا رہا تھا۔ دنیا بھر کے نیٹ ورک بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے تھے۔ کوئی بتا رہا تھا کہ بحیرہ عرب میں کھڑی آبدوزوں سے میزائل داغے گئے ہیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ یہ کارروائی طیارہ بردار بحری جہازوں سے اڑان لینے والے بمباروں کی

Marfat.com

ہے۔ کسی کا کہنا تھا کہ وسط ایشیائی ریاستوں کے ہوائی اڈے استعمال ہوئے ہیں۔ وائس آف جرمنی کا کہنا تھا کہ جیکب آباد کا شہباز ائرپورٹ، کوئٹہ کا سولنگی ائرپورٹ اور شمالی علاقے کا سکردو ائرپورٹ امریکہ کے حوالے کر دیئے گئے ہیں۔ پاکستانی ذرائع نے اس کی تردید کی ہے لیکن یہ خبر مصدقہ ٹھہری ہے کہ طیارے تھے یا کروز میزائل، میری فضاؤں سے ہوتے ہوئے قندھار، کابل، جلال آباد اور مزار شریف پہنچے اور معصوم آبادیوں پر آگ برسا گئے۔ مجھے فلسطین، کشمیر، چیچنیا، کوسوو اور بوسنیا کی یاد آئی اور میرے اعصاب چٹخنے لگے۔

سی این این مسلسل کابل اور قندھار کی فضاؤں میں چھوٹی پھلجھڑیاں دکھائے جا رہا تھا۔ وہی منظر، وہی تصویر، وہی آگ، وہی خون۔ قرطبہ، غرناطہ، طرابلس، بغداد، بیت المقدس، کابل، قندھار، ہر گام اور ہر بام پر صدیوں پرانا ایک ہی منظر کندہ ہے۔ یہ آزار مسلسل کب ختم ہوگا؟ یہ منظر کب بدلے گا؟

مجھے نہ جانے کیوں قاسمی کا ایک بھولا بسرا شعر یاد آ گیا:

دل گیا تھا تو یہ آنکھیں بھی کوئی لے جاتا
میں فقط ایک ہی تصویر کہاں تک دیکھوں

کمرے کی جان لیوا گھٹن ناقابل برداشت ہوگئی تو میں باہر کھلی فضا میں نکل گیا۔ اکتوبر کے دھلے دھلائے آسمان پر ستارے دمک رہے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا۔ ممکن ہے انہی ستاروں کے بیچوں بیچ، عین میرے سر کے اوپر کوئی کروز میزائل، انصاف کو بغل میں لئے، طالبان کے تعاقب میں کابل کی طرف جا رہا ہو۔

کشادہ صحن کی خنک فضا اور ڈھیروں آکسیجن کے باوجود میرا دم ایک بار پھر گھٹنے لگا۔

[10-10-2001]

Marfat.com

طالبان کی تنصیبات

امریکی حکام کا کہنا ہے کہ اب افغانستان کے آسمان ان کی مٹھی میں ہیں، ہوائی اڈوں کے پیرہن چاک کیے جا چکے ہیں، رن وے ناکارہ بنا دیے گئے ہیں، کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم دم توڑ چکا ہے، راڈاروں کی آنکھیں پھوڑ دی گئی ہیں اور طالبان کی عمر رسیدہ توپوں کی کارکردگی بوڑھوں کی تنبیہ آمیز کھانسی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ بحیرہ عرب کے نیلگوں پانیوں سے کوہ ہندوکش کی برف پوش چوٹیوں تک اب امریکی فضائیہ کا راج ہے۔ اتحادی افواج، رات کی تاریکی ہو یا دن کا اجالا، کسی بھی وقت، کسی بھی لمحے، افغانستان کے کسی بھی گوشے میں کسی بھی ہدف کو نشانہ بنا سکتی ہیں۔ انہیں کسی طرف سے کسی نوع کی مزاحمت کا خدشہ نہیں۔ آسمان فتح ہو چکے ہیں۔

لیکن مغربی ذرائع ابلاغ کے جن مبصرین کے چہرے کل تک گلنار ہو رہے تھے، آج ان کی پیشانیوں پر حیرتوں کے باب کیوں رقم ہیں؟ شاید وہ اس آشوب کا شکار ہیں کہ افغانستان کے طول و عرض میں خوف و ہراس کی وہ لہر کیوں نہیں اٹھی جس نے گیارہ ستمبر کے بعد سے امریکہ کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ فلوریڈا میں ایک شخص کی موت کے بعد کسی اجنبی جرثومے کی دہشت نے سپر پاور کی راتیں بے خواب کر رکھی ہیں، انہیں چلتے پھرتے، مارکیٹوں میں شاپنگ کرتے، دفتروں میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے، ہر آن یہ خوف گھیرے رہتا ہے کہ نہ جانے کس شیلف کے پیچھے یا کس مانیٹر کی سکرین سے لمبی داڑھی والا اسامہ برآمد ہو جائے۔ سی این این اور بی بی سی پر امریکیوں کے انٹرویوز دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خوف کی صلیب پر لٹکا ہوا ہے۔

افغانستان کی جنگ کی منصوبہ بندی کرنے والے امریکہ کے عسکری ماہرین کا خیال یہ تھا کہ جب چالیس ممالک کی مشترکہ قوت افغانستان کے در و بام سے ٹکرائے گی تو اس کے پرخچے اڑ جائیں گے اور اب سحر زدہ امریکی سوچ رہے ہیں کہ چار دن اور چار راتوں سے کروز میزائلوں اور

Marfat.com

بھاری بموں کی مار کھانے اور اپنی ساری تنصیبات خاکستر کروا لینے والے طالبان کے معمولات حیات میں ذرہ برابر فرق کیوں نہیں آیا؟

شاید جارج بش کی قوم کبھی اس سوال کا جواب نہ پا سکے۔ اس نے ابھی تک کوہساروں کی آغوش میں پلنے والے ان بندگان خدا کو پہچانا ہی نہیں، جو اکیسویں صدی میں بھی نانِ جویں کھاتے اور ''بازوئے حیدر'' رکھتے ہیں۔ امریکہ کے لوگ جس موت سے خوفزدہ ہیں، یہ اس موت کے لئے دیوانہ ہوئے جا رہے ہیں۔ سی این این کا کہنا ہے کہ ملا عمر کے ''ہاؤسنگ کمپلکس'' کو نشانہ بنایا گیا ہے ...... انہیں کون سمجھائے کہ ملا عمر تو ایک ٹوٹے پھوٹے خستہ جاں سے مکان میں رہتا ہے۔ وہ ایک پتھر کو سرہانہ بنا کر کھردری زمین پر گہری میٹھی نیند سو سکتا ہے اور اس کے اشارہ ابرو پر جانیں نچھاور کرنے والے سخت جاں طالبان کا عزم ناقابل تسخیر ہے۔

بش نے تازہ ترین ارشاد میں کہا ہے کہ یہ جنگ ایک عشرے تک جاری رہ سکتی ہے۔ یقیناً رہ سکتی ہے۔ امریکہ کی تجوری لبالب بھری ہے اور اس کا اسلحہ خانہ ساری دنیا کو بھسم کرنے کے لئے کافی ہے۔ اڑھائی لاکھ مربع میل پر محیط افغانستان اس کی ایک ریاست ''ٹیکساس'' سے بھی چھوٹا ملک ہے۔ اس کے کچے گھروندوں کو پیوند خاک کرنا کوئی مشکل بات ہے۔ امریکہ چاہے تو افغانستان کے شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک میزائلوں کی ایسی فصل بو سکتا ہے جو آنے والی صدیوں تک پھل دیتی رہے۔

لیکن کیا وہ اڑھائی کروڑ جواں مردوں کی اس قوم کو جھکا سکتا ہے؟ کیا امریکی مائیں ''ملا ملنگ'' نامی افغان جیسا سپوت پیدا کر سکتی ہیں جس نے اپنے زخمی اعضا اپنے ہاتھوں سے کاٹنے کے لئے تیز دھار آریوں کا مطالبہ کیا تھا۔ جس امریکہ کے کمانڈوز منرل واٹر کی بوتلوں، بسکٹوں کے ڈبوں اور چاکلیٹ کے پیکٹوں کے ساتھ میدان جنگ کا رخ کر رہے ہوں، وہ ایسے پراسرار بندوں کا تصور کس طرح کر سکتا ہے جو ہفتوں روٹی کے نوالے اور پانی کی بوند کے بغیر پہاڑوں کی لمبی مسافتیں طے کر سکتے ہیں۔ کیا امریکہ تک یہ خبر پہنچ گئی ہے کہ وہ بستیوں کو تاراج کرنے کے بعد خوراک کے جو بنڈل گرا رہا ہے، افغان باشندے انہیں ''اللہ اکبر'' کے نعروں کے ساتھ نذر آتش کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بے پناہ انٹیلی جنس اور اس سلسلے میں پاکستان کے بھرپور تعاون کے باوجود

Marfat.com

امریکہ ابھی تک طالبان کی ''تنصیبات'' کا سراغ نہیں لگا سکا۔ ہوائی اڈوں، بجلی گھروں، راڈاروں، ریڈیو سٹیشنوں اور فوجی ٹھکانوں پر ٹنوں وزنی بم گرانے والے امریکہ کو علم ہی نہیں کہ طالبان کی اصل تنصیبات ان کے کشادہ سینوں میں، فولاد سے زیادہ مضبوط قلعوں کی صورت میں موجود ہیں جن کی اساس اللہ پر کامل ایمان اور محمد عربی ﷺ سے لازوال عشق پر ہے۔ اونچی فصیلوں اور ناقابل شکست برجوں والے اس قلعے میں آج تک کوئی شگاف نہیں ڈال سکا۔

افغانستان کی فضاؤں کو فتح کرنے کے بعد امریکہ اس کی زمین پر بھی بالا دستی حاصل کر سکتا ہے۔ وہ ایک عشرہ یا ایک صدی طویل جنگ بھی لڑ سکتا ہے۔ کابل، قندھار، ہرات، جلال آباد، مزار شریف سب راکھ کا ڈھیر بن سکتے ہیں۔ لیکن ان ''تنصیبات'' کا کیا بنے گا؟

[11-10-2001]

Marfat.com

راکھ کا ڈھیر

افغانستان کی ایک 25 سالہ بیٹی ''استاگل'' کی رنگین تصویر ایک انگریزی اخبار کے صفحہ اول پر شائع ہوئی ہے۔ استاگل کی بڑی بڑی شہابی آنکھوں میں لمبے انتظار کی پرچھائیاں، گہرے کرب کی دھنداور بے کراں اداسیوں کے گھنے سائے تیر رہے ہیں۔ لگتا ہے وہ پچھلے 25 سالوں سے یونہی بیٹھی آتے جاتے موسموں کو دیکھ رہی ہے لیکن اس کے لئے موسم بدلا ہی کب ہے؟ جب وہ چار سال کی تھی تو پڑوس کی ایک سپر پاور نے اس کے وطن پر یلغار کر دی تھی۔ پچھلے 21 سالوں میں وہ جانے کتنی بار اپنے اجاڑ وطن کے ویرانوں میں جاتی اور پھر لوٹ کر پاکستان آتی رہی ہے۔ اس کی عمر کے 21 سال انہی راستوں میں گم ہو گئے۔ کچھ طورخم کے اُس طرف، کچھ طورخم کے اس طرف۔

استاگل کی آنکھوں میں ایک بے نام سی التجا بھی دکھائی دے رہی ہے۔ شاید اس کی نظریں قطر میں 56 اسلامی ممالک کی نمائندہ تنظیم ''او آئی سی'' پر لگی تھیں۔ التجا میں موہوم سی امید کا عکس بھی جھلک رہا تھا جیسے وہ تلواریں سونتے، جری گھڑ سواروں کا انتظار کر رہی ہو جو کسی لمحے قطر کے صحرا سے نمودار ہونے کو ہیں۔ اسے بتایا گیا تھا کہ 56 اسلامی ممالک کی تنظیم بہت بڑی طاقت ہے۔ یہ 56 ممالک، تین کروڑ مربع کلومیٹر علاقے پر پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں سوا ارب کے لگ بھگ سورما بستے ہیں۔ دنیا بھر کے تیل کے ذخائر کا تقریباً 75 فیصد ان کے قبضے میں ہے۔ ان کی معدنی اور زرعی دولت حد و حساب سے باہر ہے۔ ان کی تاریخ شجاعت و بہادری کی لازوال داستانوں سے بھری پڑی ہے اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

بعض ''ناگزیر مجبوریوں'' کے باعث اسلامی کانفرنس کوئی فوری اقدام نہ کر سکی۔ امریکہ نے 11 ستمبر کو اعلان کر دیا تھا کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون کی تباہی کے بعد ''دنیا تبدیل ہو گئی ہے اور ایک نئی کائنات نے جنم لیا ہے۔''

Marfat.com

جارج ڈبلیو بش نے ایک نئی صلیبی جنگ کی نوید بھی سنا دی تھی لیکن اسلامی کانفرنس کو کوئی عجلت نہ تھی۔ ٹھیک ایک ماہ بعد 56 اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ قطر کے دارالحکومت دوحہ میں اکٹھے ہوئے۔ اس وقت تک عالم اسلامی کی واحد ایٹمی قوت کی فضاؤں کو چیرتے کروز میزائل اور بمبار طیارے افغانستان پر قیامت ڈھا چکے تھے۔

اسلامی کانفرنس نے واضح، دوٹوک اور غیر مبہم انداز میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر حملوں کو دہشت گردی قرار دیتے ہوئے ان کی بھرپور مذمت کی۔ جس فلسطین کے لئے اسامہ بن لادن پوری دنیا سے لڑ رہا ہے اس فلسطین کے صدر نے امریکہ کے ساتھ مل کر یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہمارے تمام تر وسائل دہشت گردی کے خلاف امریکی مہم کے لئے حاضر ہیں۔ طالبان کی طرف سے کانفرنس کے نام بھیجی جانے والی اپیل کے جواب میں کہا گیا کہ ''افغنستان کی حد تک تو کوئی ہرج نہیں لیکن کسی اور اسلامی ملک کو نشانہ نہ بنایا جائے'' کانفرنس کے عزت مآب شرکاء کو گھر جانے کی جلدی تھی اس لئے وہ ایک اسلامی ملک کے خلاف برہنہ امریکی جارحیت کی مذمت نہ کر سکے لیکن جاتے جاتے وہ مصیبت زدہ افغان بھائیوں کے لئے 27 ملین ڈالر کے چندے کا اعلان کر گئے۔

استاگل کو شاید اس بات کی خبر نہیں کہ ہماری دنیا 11 ستمبر سے بہت پہلے ہی بدل گئی تھی اور اب ہمارے پاس بھولی بسری کہانیوں کے سوا کچھ نہیں بچا۔ وہ جس امت مسلمہ سے آس لگائے بیٹھی ہے، اس کی ہر اکائی کو اپنی بقا کی فکر ہے۔ تیل کے تین چوتھائی ذخائر کی مالک، سوا ارب مسلمانوں کی دنیا کی مجموعی قومی پیداوار، بارہ ہزار بلین ڈالر سالانہ ہے جبکہ صرف جاپان کی سالانہ مجموعی قومی پیداوار 55 ہزار بلین ڈالر ہے۔ دنیا کی مجموعی برآمدات میں عالم اسلام کا حصہ صرف سات فیصد ہے اور وہ سات سو بلین ڈالر کے قرضوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس عالم اسلام کی حکومتوں اور عوام کے درمیان ایک فاصلہ ہے اس لئے ان کی مجبوریوں کو سمجھنا چاہئے اور ان کے کندھوں پر ان کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے۔

امریکہ اور یورپ کے اہداف کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ مصلحتوں کی زنجیروں میں جکڑی مسلم حکومتیں، ان کا راستہ روکنے کی صلاحیت رکھتی ہیں نہ عزم۔ سر پھرے طالبان کب تک بپھرے ہوئے طوفانوں کا سامنا کریں گے؟ اگر سوا ارب انسان خس و خاشاک ہو سکتے ہیں تو بچے

Marfat.com

کھپے دو کروڑ افغانی کیا کر لیں گے؟

استا گل کی آنکھیں جیسے پتھر کی ہو چکی ہیں۔ نہ جانے وہ کس کا انتظار کر رہی ہے۔ اسے کون بتائے کہ دور دیس سے آنے والے شہسوار، صحراؤں کی دھول ہو چکے ہیں۔ عجیب پاگل سی لڑکی ہے۔ اسے کون سمجھائے کہ جن لوگوں کے ہاتھ تمہارے شہید بھائیوں کے حق میں دعا کے لئے نہیں اٹھ سکتے، وہ تمہاری خاطر تلوار کیسے اٹھائیں گے؟

استا گل اور اس جیسی لاکھوں بیٹیاں کب تک انتظار کی آگ میں جلتی رہیں گی۔ انہیں کیسے یقین دلایا جائے کہ عشق کی آگ بجھ چکی ہے اور راکھ کے ڈھیر میں اب کوئی چنگاری باقی نہیں؟

[12-10-2001]

Marfat.com

نازک مزاج امریکہ

11 ؍اکتوبر کو پینٹا گان اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملوں کا ایک ماہ مکمل ہو گیا ہے۔ 12 ؍اکتوبر کو یہ دن پینٹا گان کی ایک خصوصی تقریب میں منایا گیا جس میں تقریر کرتے ہوئے امریکی صدر نے پینٹا گان کے 189 ہلاک شدگان کی روحوں کو سلام عقیدت پیش کیا۔ یہ قومی تہوار منانے کے لئے افغانستان میں بھی خصوصی اہتمام کیا گیا چنانچہ 12 ؍اکتوبر کا پورا دن اور پوری رات امریکہ کے بی ون اور بی 52 بمبار طیارے کابل، جلال آباد، قندھار اور مزار شریف کی مساجد، بازاروں اور بستیوں پر کلسٹر بموں اور 5000 پونڈ وزنی لیزر گائیڈڈ میزائلوں کی بارش کرتے رہے۔ ''کورام'' کا پورا گاؤں پیوند زمین ہو گیا اور سوا ارب مسلمانوں سمیت پوری ''مہذب'' دنیا ٹیلی ویژن نیٹ ورکس پر ''کورام'' میں مچے کہرام اور امریکی جاہ و حشمت کے مناظر دیکھتی رہی۔ صرف ایک گاؤں میں دو سو سے زائد افراد لقمہ اجل بن گئے۔ اس رقص ابلیس پر شاداں برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے اعلان کیا ہے کہ ''یہ جشن کم از کم مزید ایک سال جاری رہے گا۔'' برطانوی ڈیفنس سٹاف کے چیف سر مائیکل نے فرطِ مسرت سے کپکپاتی آواز میں کہا ''ہم نے ڈھیروں بم گرائے ہیں۔'' امریکی وزیر دفاع نے کہا ہے کہ ''اس طرح کی کارروائیوں میں عام لوگ مرتے ہی رہتے ہیں۔'' جارج بش نے پینٹا گان کے احاطے میں جمع پُر جوش عوام کو بتایا کہ ''اب طالبان اور القاعدہ کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہیں رہی۔'' اور ملا عمر نے صرف اس قدر کہا ہے کہ ''غلامی کی زندگی قبول کرنے سے مر جانا بہتر ہے تاہم ٹیلی ویژن پر ہمارے قتل عام کا تماشا دیکھنے والے مسلمان شرم کریں۔''

مشکل حالات میں گھرے ملک کی تاریخ کے ایک انتہائی مشکل لمحے میں تن تنہا ایک انتہائی مشکل فیصلہ کرنے والے صدر مشرف کے سامنے واقعی کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ آج بھی کامل غیر جانبداری کے ساتھ سوچا جائے تو اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا کہ امریکی غیظ و غضب کی تند و

Marfat.com

تیز لہروں کے سامنے بند باندھنا ضروری تھا۔ پاکستان کی تاریخ اور مقبول عوامی جذبہ واحساس سے ہٹ کر ایک مختلف راستہ اختیار کرتے وقت جنرل مشرف نے یقیناً اپنی ذات سے بالاتر ہو کر سوچا اور ایک بڑا رسک لیا۔ لیکن بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ نہ باگ ہاتھوں میں رہی نہ پاؤں رکاب میں، نہ حکومتی کارپردازوں نے صدر کے فیصلے کی روح کو سمجھا اور نہ امریکہ نے ان کے اقدام کی نزاکت کو محسوس کیا۔ صدر کی تقریر نے یہ پیغام موثر طور پر عوام تک پہنچا دیا تھا کہ افغانستان کے خلاف کارروائی میں امریکی مہم کا حصہ بننا، ہمارا انتخاب ہے نہ رضا کارانہ فیصلہ، یہ ہماری مجبوری ہے جو حالات کے شدید دباؤ اور واقعات کے جبر کے تحت ہمیں قبول کرنا پڑی ہے۔ انہوں نے عوام کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ آنکھیں بند کر کے کسی مہم جوئی کا راستہ، ہمیں پتھر کے زمانے تک لے جائے گا۔ اگر بعد کا سارا سفر اسی نکتے پر مرکوز رہتا کہ ہم ''جبر، دباؤ اور معذوری'' کے تحت یہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہیں تو ذہن صاف رہتے۔ لیکن اس مجبوری کے خاکے میں رضا و رغبت، خوشنودی خاطر، رضا کارانہ خود سپردگی اور والہانہ گرمجوشی کا رنگ بھرنے والے حکمت کاروں نے صدر مشرف سے انصاف نہیں کیا۔ ناانصافی کا یہ عمل مسلسل جاری ہے اور اس کا سب سے زیادہ مہلک مظاہرہ خود امریکہ کر رہا ہے۔ اس نے شاید ابھی تک پاکستانی عوام کی نفسیاتی ساخت اور حکومت کی مشکلات کا درست اندازہ نہیں لگایا۔

چند دن قبل صدر مشرف نے یہ کہا کہ ''امریکی حملے مخصوص اہداف تک محدود رہیں گے اور یہ مختصر مدت کے لئے ہوں گے'' تو وہ دراصل پاکستان کی آتش زیر پا رائے عامہ سے مخاطب تھے جو بہر حال ایک پڑوسی اور مسلم ملک کے عوام پر ٹوٹتی قیامت سے بے حد دکھی ہے۔ متکبر امریکی صدر کو بھی کسی کرخت اور کھردرے ردعمل کی ضرورت نہ تھی لیکن انہوں نے اپنی مخصوص رعونت میں گندھے توہین آمیز لہجے میں فرمایا: '' مجھے نہیں معلوم کہ پاکستانی صدر کو کس نے یہ بات بتائی ہے۔ ہم کسی پر اپنے دفاعی پلان ظاہر نہیں کرتے، یہ جنگ مقاصد کے حصول تک جاری رہے گی۔ وہ کل حاصل ہو جائیں، ایک ماہ میں یا ایک سال میں...... جنگ جاری رہے گی۔''

جارج بش کو اس بات کا اندازہ نہیں ہو رہا کہ جس طرح انہیں امریکی عوام کو مطمئن کرنا ہے اسی طرح صدر مشرف کو بھی اپنے عوام کے زخموں پر مرہم رکھنا ہے۔ امریکہ کو افغانستان پر آتش و آہن کی موسلا دھار بارش برساتے وقت یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہئے کہ اس کے ہلاکت آفریں بموں

Marfat.com

سے صرف افغان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے پرخچے ہی نہیں اڑتے، پاکستان کے عوام کے قلب وذہن پر بھی گہری ضرب لگتی ہے۔ امریکہ کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ ایک مشکل اور نازک فیصلہ کرنے کے بعد، پاکستان مسلسل گہری دلدل میں دھنستا جا رہا ہے۔ اس کی کمزور معیشت بدستور ہچکیاں لے رہی ہے۔ کئی ترقیاتی منصوبے جامد ہو گئے ہیں۔ کاروباری سرگرمیوں پر اوس پڑ گئی ہے۔ سرمایہ کاری کے امکانات برسوں کی مسافت پر چلے گئے ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں واپس جا چکی ہیں۔ ہڑتالوں اور مظاہروں کا سلسلہ پھیلتا جا رہا ہے اور امریکہ ایک طویل جنگ کی دھمکیاں دے کر معاملات کو مزید بگاڑ رہا ہے۔ پاکستان کا تعاون اب ہوائی اڈوں کے رن وے تک آن پہنچا ہے اور جارج بش پاکستانی عوام کے شعلہ بداماں احساسات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ایک بے ضرر سے بیان کو بھی برداشت نہیں کر پا رہا۔

عالی مقام صدر امریکہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ افغانستان میں گرائے جانے والے خوراک کے پیکٹوں سے افغان عوام کو امریکہ کی ''سخاوت اور کشادہ دلی'' کا اندازہ ہوگا۔ بستیوں کو قبرستان میں بدل کر، حد نظر تک بکھرے بے جان انسانی اعضاء کے لئے ''من وسلویٰ'' کا اہتمام کرنے والے امریکہ کی کشادہ دلی واقعی لاجواب ہے۔

شمار اس کی سخاوت کا کیا کریں کہ وہ شخص
چراغ بانٹتا پھرتا ہے چھین کر آنکھیں

[13-10-2001]

Marfat.com

لٹے لوگوں کا ماتم

خبروں کے جنگل میں راستہ بنانا مشکل ہو رہا ہے۔

اتوار کے ''مقدس'' دن، اکیسویں صدی کی پہلی صلیبی جنگ کا آغاز کرنے والے امریکہ نے جمعہ کے ''تقدس'' کے پیش نظر ایک دن کے لئے منصوبہ بند حملے ملتوی کر دیئے۔ یہ نوید جانفزا اس وقت سنائی گئی جب دنیا کے سارے اسلامی ممالک میں جمعہ کی نماز ادا ہوئے گھنٹوں گزر چکے تھے اور عشاء کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ہفتہ کی صبح سے افغانستان ایک بار پھر کروز میزائلوں اور کلسٹر بموں کی زد میں ہے۔ پاکستان کے گرد گھیرا تنگ ہو رہا ہے اور حرکت المجاہدین کے بعد جیش محمد کا تعلق بھی دہشت گردی سے جڑ چکا ہے۔ صدر بش نے اعلان کیا ہے کہ مقاصد کے حصول کے بعد بھی امریکہ افغانستان میں موجود رہے گا۔ پاکستانی وزارت خارجہ کے ترجمان نے کہا ہے کہ ''امریکی حملے افغان عوام کے خلاف نہیں اس لئے بے گناہ انسانوں کی ہلاکت کی مذمت نہیں کی جا سکتی۔ یہ سب کچھ بلا ارادہ اور انجانے پن میں ہو رہا ہے۔'' طالبان نے ''فتح یا موت'' کا نعرہ لگایا ہے۔ ایک ''جرثومہ'' امریکہ کے اعصاب شل کئے دے رہا ہے اور ملا عمر کا دس سالہ بیٹا اس امریکی انصاف کی بھینٹ چڑھ گیا ہے جو پچھلے چھ دنوں اور چھ راتوں سے افغانستان کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔

پندرہ سال قبل معمر قذافی کی بیٹی بھی انصاف کی اسی تلوار کا نوالہ بن گئی تھی...... لیکن یہ سب کچھ نادانستہ ہوا تھا۔ امریکہ نے کبھی بھی معصوم اور بے گناہ انسانوں کو نشانہ نہیں بنایا۔ حالیہ صلیبی جنگ کا آغاز کرتے وقت بھی جارج بش نے یقین دلایا تھا اور وہ بار بار اس یقین دہانی کو دہرا رہے ہیں کہ افغان عوام سے ان کی کوئی دشمنی نہیں۔ 1991ء میں عراق کی بستیوں پر بموں کی بوچھاڑ کرنے سے قبل بھی بڑے بش نے یقین دلایا تھا کہ وہ عراقی عوام کے دوست ہیں۔ 1982ء میں لبنان پر یلغار سے پہلے بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ لبنانی عوام سے ہماری کوئی مخالفت نہیں۔

Marfat.com

1986ء میں لیبیا پر بمباری سے قبل بھی یہی اعلان کیا گیا تھا اور 1956ء میں نہر سویز کے کنارے مصریوں کو نشانہ بنانے سے پہلے بھی یہی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔ ان واقعات میں ہزاروں لاکھوں افراد کی ہلاکت محض اتفاقیہ تھی۔ اصل مقصد غیر مطلوب حکومتوں کو بے دخل کر کے اپنے مطلب کے حکمرانوں کو تخت اقتدار پر بٹھانا تھا۔ اس معصوم سے کھیل میں اگر کچھ معصوم لوگ ہلاک ہو گئے تو اسے قابل مذمت فعل نہیں کہا جا سکتا۔

رعونت اور تکبر ایک ایسا مہلک مرض ہے جو ایک فرد کے سارے لطیف احساسات کو چاٹ جاتا اور اس کی شخصیت کے انسانی پہلوؤں کو مسخ کر کے اسے درندگی کی سطح تک لے آتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ابلیسی میراث کے وارث ایسے درندہ صفت لوگ جب ایک بے رحم آدم خور کی طرح بستیوں میں دھاڑ رہے ہوتے ہیں، تو بھی انہیں یہ زعم ہوتا ہے کہ وہ اخلاق و کردار کی اونچی مسند پر فروکش ہیں۔ جارج بش اور ان کی قوم اسی ذہنی کیفیت سے دوچار ہیں۔ انہیں اس امر کا ادراک ہی نہیں کہ وہ جس بے سروسامان قوم پر مہلک ترین ہتھیاروں کی بارش کر رہے ہیں، کم از کم اس کے دریدہ جسموں پر نمک پاشی تو نہ کریں۔ دو روز قبل صدر بش نے اپنی سخاوت اور عالی ظرفی کے ثبوت کے طور پر افغانستان کے کھنڈروں پر گرائے جانے والے خوراک کے پیکٹوں کا ذکر کیا تھا۔ گزشتہ روز انہوں نے بے پناہ تالیوں کی گونج میں اعلان کیا کہ امریکہ کا ہر بچہ، بھوک اور بیماری سے نڈھال افغان بچوں کے لئے ایک ایک ڈالر چندہ دے گا۔

یہ ہے وہ بے رحمانہ درندگی جو صرف تکبر کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ کوئی امریکہ سے کہنے والا بھی نہیں کہ خدارا ہماری لاشوں کی بے حرمتی نہ کرو۔ ہم یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ تم اس عہد کی سب سے بڑی قوت ہو جسے چیلنج کرنے کی جرأت کسی میں نہیں۔ ہم یہ بھی مان چکے ہیں کہ تمہارے طیاروں، تمہارے میزائلوں اور تمہارے بموں کو روکنا ہمارے بس میں نہیں۔ ہم تو یہ اعلان بھی کر چکے ہیں کہ تم چاہے جتنی بستیاں تباہ کرو، چاہے جتنے انسانوں کی جانیں لے لو، ہم تمہاری مذمت بھی نہیں کریں گے لیکن ہمیں تذلیل اور تحقیر کا نشانہ تو نہ بناؤ۔

اس فرعونی تکبر کا ایک مظاہرہ نیویارک کے میئر نے بھی کیا جس نے سعودی شہزادے اور شاہ فہد کے بھتیجے، پرنس الولید بن طلال بن عبدالعزیز کا دس ملین ڈالر کا وہ چیک واپس کر دیا جو پرنس نے تباہ شدہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے امدادی کارکنوں کے لئے دیا تھا۔ پرنس الولید کا قصور یہ ہے کہ اس

Marfat.com

نے کہا تھا..... ''امریکہ مشرق وسطیٰ کے بارے میں اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرے اور اس میں توازن لائے۔'' جمہوری اقدار اور آزادی اظہار کے علمبردار امریکہ سے اتنی سی بات بھی برداشت نہ ہو سکی اور اس نے بطور احتجاج دس ملین ڈالر کا چیک پرنس الولید کو واپس کر دیا اور خود اس کی خود سری دیکھئے کہ اپنے بچوں کی لاشیں گود میں لئے بیٹھی افغان ماؤں کو یہ نوید دے رہا ہے کہ امریکی بچے، تمہارے بچوں کے لئے ڈالر بھیج رہے ہیں۔

ملا عمر کا دس سالہ بچہ اپنے حصے کے ڈالر وصول کئے بغیر مر گیا۔ امریکی بمباری کے زخموں سے چُور وہ عین اس وقت اپنی جان ہار بیٹھا جب جارج بش تالیوں کی بے پناہ گونج میں اپنے بچوں کو ڈالر جمع کرنے کی تلقین کر رہا تھا۔

اور میں..... ملا عمر کے گھر پر باقاعدہ منصوبے اور مکمل تیاری کے ساتھ کی جانے والی گولہ باری کے نتیجے میں ''اتفاقیہ'' موت مر جانے والے دس سالہ بچے کی ہلاکت کی مذمت بھی نہیں کر سکتا۔ الٰہی! میں کس آشوب کا شکار ہو چکا ہوں۔ بیٹھے بٹھائے مجھے کیا ہو گیا ہے.....

سکھا مجھ کو لٹے لوگوں کا ماتم
جلے جسموں بجھی آنکھوں کا ماتم

[14-10-2001]

Marfat.com

یہ بے خبر لوگ

باجوڑ ایجنسی کے شہزادگل اور ایک اسی سالہ بڑھیا کی کہانی سن کر مجھے ان پر بہت ترس آیا اور میں دیر تک ان کی پسماندگی اور جہالت پر کڑھتا رہا۔

اکیسویں صدی کا سورج سوا نیزے پر کھڑا ہے اور یہ لوگ ابھی تک پتھر کے زمانے میں جی رہے ہیں۔ ان سادہ لوح اور اجڈ لوگوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ بی بی سی دیکھتے ہیں نہ سی این این۔ وہ جارج بش کے ان بیانات سے بھی بے خبر ہیں کہ امریکہ افغانستان کے جنگ زدہ عوام کے لئے خوارک کے پیکٹ گرا رہا ہے اور وہاں کے بچے ایک ایک ڈالر جمع کر کے افغان بچوں کو بھیج رہے ہیں۔ وہ اخبارات میں شائع ہونے والے پاکستانی دانشوروں کے گراں قدر افکار و خیالات سے بھی ناوقف ہیں۔ وہ شاید دفتر خارجہ کے ترجمان ریاض محمد خان کی پریس بریفنگ بھی نہیں سن رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زمینی حقائق سے بے خبر ہیں اور نہیں جانتے کہ طالبان دہشت گرد قرار پا چکے ہیں۔

ایک انگریزی اخبار میں شائع ہونے والی مفصل رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ڈیورنڈ لائن کے ساتھ ساتھ بسنے والے پاکستانی قبائل آتش زیر پا ہیں۔ شاہراہ ریشم کی بندش اور پولیس چوکیوں پر حملے معمول بنتے جا رہے ہیں۔ جگہ جگہ بھرتی کے دفتر کھلے ہیں جہاں رضا کار افغانستان جانے کے لئے اپنے نام درج کرا رہے ہیں۔ مہمند، باجوڑ، خیبر، اورک زئی، شمالی اور جنوبی وزیرستان ایجنسیوں اور وفاق کے زیر انتظام علاقوں میں قائم امدادی کیمپ خاصے پر رونق ہیں۔ شمالی اتحاد اور ظاہر شاہ سے ہمدردی رکھنے والے اکا دکا افراد کا بائیکاٹ کیا جا رہا ہے اور کچھ کے گھر نذر آتش کر دیئے گئے ہیں۔ دنیا کی واحد سپر پاور کی دہشت سے بے نیاز، سنگلاخ پہاڑوں میں بسیرا کرنے والے یہ لوگ قطعی طور پر بے خبر ہیں کہ دنیا کدھر جا رہی ہے؟ اقوام متحدہ کیا کہہ رہی ہے اور خود سوا ارب مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم، او آئی سی کیا فتویٰ صادر کر چکی ہے؟

Marfat.com

باجوڑ ایجنسی کے گاؤں خارکار رہنے والا شہزاد گل بھی تہذیب کی چکا چوند سے محروم اور نیو ورلڈ آرڈر سے بے خبر ہے۔ اس نے جب سنا کہ سات سمندر پار سے آنے والی ایک گوری قوم نے پڑوس کے افغان مسلمان بھائیوں پر حملہ کر دیا ہے تو وہ بے کل ہو گیا۔ مسجد سے اعلان ہوا کہ لوگ طالبان کے لئے چندہ دیں۔ بے سروسامان شہزاد گل نے اپنے کچے گھروندے پر نگاہ ڈالی۔ کچھ دکھائی نہ دیا۔ اچانک اس کی نظر صحن میں بندھی بکری پر پڑی۔ اس نے رسی پکڑی اور بکری تنظیم نفاذ شریعت محمدی کے امدادی کیمپ میں جمع کراتے ہوئے بولا ''یہ طالبان تک پہنچا دیں'' شہزاد گل ابھی وہیں کھڑا تھا کہ ایک اسّی سالہ بڑھیا لاٹھی ٹیکتے آئی اور چھوٹی سی پوٹلی میز پر رکھتے ہوئے بولی ''یہ افغانستان میں میرے بچوں تک پہنچا دو'' پوٹلی میں تیس انڈے رکھے تھے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ کھاتے پیتے گھرانوں کی خواتین اپنے زیورات ڈھیر کر رہی ہیں اور چند دنوں میں تنظیم کے دفاتر میں بیس کلو سونا جمع ہو چکا تھا۔ نقد عطیات پچاس لاکھ روپے سے بڑھ گئے تھے۔

ادھر افغان بچوں کو اندازہ ہی نہیں ہو پا رہا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کس بلائے بے درماں کا نام ہے۔ وہ ایک کلسٹر بم گراتا ہے جو زمین سے ٹکرانے سے قبل فضا میں ایک سو پچاس چھوٹے چھوٹے بموں کو جنم دیتا ہے۔ 2500 پونڈ وزنی بم فضا میں تیرتے پھرتے ہیں اور افغان بچے ان کی طرف اس طرح لپکتے ہیں جس طرح بسنت کے دنوں میں لاہور کے منچلے کٹی پتنگیں لوٹتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان بموں کی تیاری میں انتہائی اعلیٰ قسم کا فولاد استعمال ہوا ہے۔ یہ فولاد آج کل کابل میں 125 روپے کلو اور لنڈی کوتل میں 250 روپے کلو کے حساب سے بک رہا ہے۔

غیر ملکی صحافیوں کے قافلے افغانستان میں اتر چکے ہیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا کہ امریکہ اور برطانیہ جیسی عظیم طاقتیں، ساری دنیا کے ساتھ مل کر افغانستان کی جس غریب ترین اور نہتی قوم کو اپنے قہر و غضب کا نشانہ بنا رہی ہیں نہ اس کے اعصاب شل ہو رہے ہیں، نہ اس کی طرحداری میں کوئی فرق آ رہا ہے۔ وہ بمبار طیارے سے گرتے بموں اور کروز میزائلوں کو پھلجھڑیاں سمجھ کر مسرور ہوتے ہیں۔ لطف اٹھاتے، رقص کرتے اور نعرے لگاتے ہیں۔ بھرپور آسائشوں میں زندہ رہنے والے اخبار نویسوں کو اندازہ ہی نہیں ہو پا رہا کہ اس افلاس زدہ قوم کی رگوں میں دوڑنے والے لہو کی حیاتیاتی اور کیمیائی ساخت کیا ہے؟

انہیں کون بتائے کہ جو نسل پچھلے بائیس سالوں میں پلی بڑھی ہے ان کے کانوں میں پڑنے

Marfat.com

والی پہلی آواز اذان کے ساتھ ساتھ بموں کے دھماکوں کی تھی۔ ان کے بڑوں نے ان کے لئے دولت وثروت کے بجائے غیرت وحمیت کی میراث چھوڑی ہے۔ غیر ملکی ٹیلی ویژن کا نمائندہ شاید کابل کے اس عمر رسیدہ مگر مجاہدانہ بانکپن رکھنے والے شخص کی اس بات کا مفہوم بھی نہ سمجھ سکا ہو کہ "مسئلہ امریکہ کی طاقت اور ہمارے کمزور ہونے کا نہیں۔ مسئلہ زندہ رہنے یا مر جانے کا بھی نہیں۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم احمد شاہ ابدالی اور محمود غزنوی کی روحوں کو کیا جواب دیں گے؟"

میں مسلسل اس ادھیڑ بن میں مصروف ہوں کہ اپنے آپ کو جارج بش کے بجائے مردہ انسانوں کی روحوں کے سامنے جوابدہ سمجھنے والے ان سادہ لوح انسانوں کا کیا بنے گا؟ طالبان کو تیس انڈے بھیجنے والی بڑھیا اور بکری کا تحفہ ارسال کرنے والے شہزاد گل کو کس طرح باور کرایا جائے کہ امریکہ گستاخی کرنے والوں کو پتھر کے زمانے میں دھکیل دیتا ہے؟

یہ بے چارے تو پہلے ہی پتھر کے زمانے میں جی رہے ہیں۔

[17-10-2001]

Marfat.com

پہلا مرحلہ

امریکہ ہیجانی اور ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہے۔ فی الحال وہ اس امر کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے کی قدرت کھو چکا ہے کہ 11 ستمبر کے بعد اچانک بدل جانے والی دنیا میں وہ کہاں کھڑا ہے؟ اس کے وقار میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟ دنیا کی واحد سپر پاور کی حیثیت سے اس کی ہیبت و دہشت کا سکہ کتنا مستحکم ہوا ہے؟ اسلامی ممالک کے علاوہ یورپ اور دیگر خطوں میں اس کے ساتھ ہمدردی اور محبت کے کس قدر جذبات ابھرے ہیں اور جس ''بلا جواز نفرت'' کا ذکر وہ بار بار کر رہا ہے، اس میں کتنی کمی آئی ہے؟

7 اکتوبر کے بعد نہتے افغانوں پر وحشیانہ بمباری کے بعد پوری دنیا میں ایک ابال سا اٹھا ہے۔ اسلامی ممالک کو بار بار پیغام دینے کے باوجود کہ امریکہ کی حالیہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں، محض دہشت گردوں کے خلاف ہے، شاید ہی کوئی اسلامی ملک ایسا ہو جہاں بھرپور امریکہ مخالف مظاہرے نہیں ہوئے۔ انڈونیشیا، پاکستان، ملائشیا، بنگلہ دیش، سعودی عرب، لبنان، اومان، ترکی، ایران، فلسطین، عراق، نائیجیریا، لیبیا، شام اور متعدد دوسرے اسلامی ممالک کے علاوہ مظاہروں کا سلسلہ اٹلی، سری لنکا، فلپائن، برازیل، بھارت، فرانس، جرمنی، برطانیہ اور خود امریکہ کے اندر تک پھیل چکا ہے۔ دنیا کے کسی گوشے سے بھی افغانوں پر آتش و آہن کی بوچھاڑ کے حق میں کوئی آواز نہیں اٹھ رہی۔

اقوام متحدہ کے دفاتر کے بعد اب ریڈ کراس کے خوراک کے گوداموں کو بھی نذر آتش کر دیا گیا ہے۔ امریکہ کے بھیانک ماضی کی ایک ایک کہانی بہ انداز دگر لکھی اور پڑھی جا رہی ہے۔ اس کے چہرے کے حقیقی خدوخال نمایاں ہو رہے ہیں۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹاگون میں ہلاک ہونے والوں کے دکھ میں مبتلا انسانیت کے لئے افغانستان میں خاک و خون میں تڑپتی لاشوں سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں رہا۔ سو پردوں کے پیچھے چھپی دہشت گردی قابل مذمت ہے تو طاقت کے نشے

Marfat.com

میں بدمست ملک کی طرف سے دن دہاڑے انسانی بستیوں پر دیو ہیکل مشینوں کے ذریعے ٹنوں وزنی بم گرانا اس سے بھی زیادہ نا قابل معافی ہے۔

پاکستان کی صورت حال تیزی سے بدل رہی ہے۔ معروف امریکی جریدے نیوز ویک کے مطابق 87 فیصد پاکستانیوں کی ہمدردیاں طالبان کے ساتھ ہیں اور 82 فیصد پاکستانی اسامہ بن لادن کو مجاہد خیال کرتے ہیں۔ ''واشنگٹن پوسٹ'' میں شائع ہونے والے اپنے تازہ مضمون میں پامیلا کانسٹیبل لکھتی ہیں:

''پاکستان میں عوام کا موڈ بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ رائے عامہ پر اثر انداز ہونے والے عناصر جو قبل ازیں صدر مشرف کے فیصلے کے حامی تھے، اب زبردست شکوک وشبہات کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ متوازن سوچ کے حامل لوگ جو عام حالات میں مشتبہ دہشت گرد اسامہ بن لادن یا اسے پناہ دینے والی شدت پسند طالبان قیادت سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے تھے اب سخت غصے میں آ کر حکومتی پالیسی پر تنقید کرنے لگے ہیں۔ اچانک شہروں کی مارکیٹوں میں اسامہ بن لادن کی تصویروں والی ٹی شرٹس دکھائی دینے لگی ہیں۔ طلباء اور عام دفتری ملازم بھی اب مذہبی تنظیموں کے جلسوں میں شریک ہونے لگے ہیں اور امریکہ کے خلاف جہاد کا عہد کر رہے ہیں۔ خوبصورتی سے آراستہ ڈرائنگ روموں سے لے کر مساجد تک بے شمار پاکستانیوں کو یقین ہے کہ امریکہ میں 11 ستمبر کے واقعات کے پیچھے اسرائیل کا ہاتھ ہے۔'' یہ بات اب حالات کی پیش رفت پر نظر رکھنے والے ایک عام سے شخص کو بھی دکھائی دینے لگی ہے کہ امریکہ جنگ ہارتا جا رہا ہے۔ عالمی سطح پر اس کے خلاف زبردست اشتعال جنم لے رہا ہے جو آسانی سے ختم ہونے والا نہیں۔ مسلم حکمرانوں سے تو اتنا بھی نہیں ہو پایا کہ وہ افغانستان پر بے رحمانہ بمباری اور معصوم بچوں کی ہلاکت کی مذمت ہی کر دیتے لیکن اسلامی ممالک میں بسنے والے عوام کی واضح اکثریت کا دھارا مخالف سمت میں بہہ رہا ہے۔ چھپن اسلامی ممالک کی تنظیم اسلامی کانفرنس کے اعلامیے پر جارج بش نے زبردست مسرت واطمینان کا اظہار کیا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ان اسلامی ممالک میں عوامی ردعمل کی لے دن بہ دن تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ یقیناً انسانی تاریخ میں کسی حکمران کے اتنے پتلے نہیں جلے جتنے جارج بش کے جل چکے ہیں اور کسی ''دہشت گرد'' کی اتنی تصویریں نہ بکی ہوں گی جتنی اسامہ بن لادن کی۔

Marfat.com

صدر بش کے خیال میں امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا پہلا مرحلہ جیت لیا ہے۔ اس اعتبار سے تو واقعی جیت لیا ہے کہ افغانستان کی فضاؤں پر اس کا تصرف ہے۔ اس کے طیارے خوراک کے بنڈل گرانے اور خوراک کے گودام جلانے کے تاریخی کارنامے سرانجام دے رہے ہیں۔ کابل پانی اور بجلی سے محروم ہو چکا ہے اور قندھار میں شاید انار کا کوئی تنومند پیڑ بھی سلامت نہ بچا ہو اور طالبان کی زنگ آلود توپوں کے گولے ہدف تک پہنچنے کی سکت کھو چکے ہیں۔

لیکن ''فتح یاب'' مرحلہ اول کے باوجود پورا امریکہ خوف کی صلیب پر لٹکا ہوا ہے۔ اس کے شہریوں کے دن بے سکون اور راتیں بے خواب ہو چکی ہیں۔ اس کی اکانومی پر پیہم ضربیں لگ رہی ہیں۔ پانچ پانچ لاکھ ڈالر کے بم ساون بھادوں کی طرح برسائے جا رہے ہیں۔ لا حاصل جنگ چند دنوں میں اربوں ڈالر ہڑپ کر چکی ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ امریکہ کے خلاف کچھ سوئی کچھ اونگھتی نفرتیں ایک بار پھر پوری طرح بیدار اور سرگرم ہو چکی ہیں۔ عالمی ضمیر کی خلش شدید عوامی ردعمل کے سانچے میں ڈھلتی جا رہی ہے اور اپنے خلاف ہمہ گیر نفرت کے اسباب جاننے کے لئے فکرمند امریکی قیادت تازہ نفرتوں کے ایسے بیج بو رہی ہے جو سالوں صدیوں تک فصل دیتے رہیں گے۔

مرحلہ اول میں ''شکست'' کھانے والے طالبان، اسامہ بن لادن اور القاعدہ، شاید برسوں کی تگ و دو اور بے انتہا سرمایہ خرچ کرنے کے بعد بھی امریکہ کو اتنا ''بے لباس'' نہ کر پاتے۔

[18-10-2001]

Marfat.com

اپنی اپنی ''القاعدہ''

11 ستمبر کے واقعات کی آڑ لے کر جب امریکہ نے اخلاقیات، عدل اور انسانیت کی تمام قدروں کو پامال کرتے ہوئے ایک خستہ جان قوم کو اپنی بے محابا جنگی مشینری کی زد میں رکھ لیا تو مکروہ عزائم رکھنے والی ہر سامراجی قوت کی رال ٹپکنے لگی۔ ہر ایک نے جانا کہ اس کے عزائم کی تکمیل کا جانفزا لمحہ آن پہنچا ہے۔ اب بہ سہولت اپنے ہدف کا تعین کر کے اس پر یلغار کی جاسکتی اور اپنی اس درندگی کو ''دہشت گردی'' کے خلاف عالمی مہم کا نام دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہر فرعون مزاج ملک نے اپنی اپنی ''القاعدہ'' تراشی اپنے اپنے ''اسامہ'' اور اپنے اپنے ''طالبان'' تخلیق کیے اور امریکی چھتری کے سائے تلے ان کے خلاف بھرپور کارروائی کا آغاز کر دیا۔

اسرائیل نے حماس اور اسلامک لبریشن فرنٹ اور بھارت نے مقبوضہ کشمیر کی تحریک حریت کو نشانے پر دھر لیا۔ گزشتہ ہفتے جب اسرائیلی حکومت کے ترجمان سے معصوم فلسطینیوں کی ہلاکت کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے بڑے روکھے انداز میں جواب دیا ''ہم اپنے دفاع کا وہی حق استعمال کر رہے ہیں جو امریکہ افغانستان میں کر رہا ہے'' ادھر پاکستان میں بھارت کے سابق سفیر پارتھا سارتھی نے اسی تھیوری کی آڑ لیتے ہوئے کہا ہے کہ ''اگر امریکہ ہزاروں میل دور آ کر افغانستان میں دہشت گردی کے کیمپوں پر حملے کر سکتا ہے تو ہم اپنے شہروں پر بم گرانے اور اسمبلیوں کو تباہ کرنے والوں کے ساتھ یہ سلوک کیوں نہیں کر سکتے؟''

اس منظر کے نقوش 11 ستمبر کا سورج غروب ہونے سے پہلے ہی ابھرنا شروع ہو گئے تھے۔ ''نوشتہ دیوار'' کی طرف واضح اور متعین اشارے بھی کیے جا رہے تھے لیکن ہمارے منصوبہ سازوں کا خیال تھا کہ ''ہم نے امریکہ کا دست و بازو بننے کا فیصلہ ہی ایٹمی پروگرام اور کشمیر میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے کیا ہے'' کمزور دل اور وسوسوں کی ماری ہوئی سوچ رکھنے والوں کا خیال تھا کہ ہم چاہیں نہ چاہیں، جلد یا بدیر، کشمیر کی تحریک آزادی کو دہشت گردی کی نکیل ڈال دی جائے

Marfat.com

گی ۔اس ''القاعدہ'' کو کچلنے کے لئے بھارت، امریکہ کا کردار ادا کرے گا اور ہم اس کے طالبان قرار پائیں گے۔اس مثلث کے تینوں زاویئے اب خاصے واضح ہو چکے ہیں۔ حالات کے جبر کے تحت ایک مشکل اور غیر مقبول فیصلہ کرتے وقت ہم نے امریکہ سے کہا تھا کہ وہ اس دوران بھارت کو کسی مہم جوئی سے باز رکھے ہمیں بتایا گیا تھا کہ آپ مطمئن رہیں اور ہم مطمئن ہیں۔

بھارت مقبوضہ کشمیر میں جاری تحریک حریت کو کچلنے کے لئے ایک طرف تو سات لاکھ سفاک سپاہ سے پوری سفاکی کے ساتھ کام لے رہا ہے اور دوسری طرف سرگرم سفارت کاری کے ذریعے اپنے آپ کو'' دہشت گردی'' کا شکار ثابت کرنے کے لئے بھرپور کوششیں کر رہا ہے۔اسے معلوم ہے کہ'' دہشت گردی'' سکہ رائج الوقت ہے اور اگر ایک مرتبہ وہ کشمیر کی تحریک آزادی پر دہشت گردی کا لیبل لگانے میں کامیاب ہو گیا تو اس کا کام آسان ہو جائے گا۔

کارگل کے دوران حاصل ہونے والی وسیع تر عالمی ہمدردی نے اس کے ارادوں کو جلا بخشی۔ اس مقصد کے لئے اس نے امریکہ اور روس کے ساتھ دہشت گردی کے خاتمے کے لئے معاہدے کئے۔ ایران اور چین کے ساتھ بھی اسی نوع کی مفاہمت پیدا کی۔اکتوبر کے اوائل میں جسونت سنگھ امریکہ گئے تو ان کی سفارتی مہم کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ امریکہ جس دہشت گردی کا نشانہ بنا ہے، ہم پچھلے بارہ سالوں سے اسے برداشت کر رہے ہیں۔اب وقت آ گیا ہے کہ دہشت گردی کا قلع قمع کرنے کے لئے شروع کی جانے والی عالمی تحریک، کشمیر میں جاری'' دہشت گردی'' پر بھی توجہ دے۔2 / اکتوبر کو واشنگٹن میں جسونت سنگھ کے کندھے سے کندھا ملا کر کولن پاؤل نے اعلان کیا تھا کہ'' ہماری مہم صرف القاعدہ اور اسامہ بن لادن تک محدود نہیں رہے گی۔ ہم بھارت میں ہونے والی دہشت گردی سمیت دنیا بھر میں جاری دہشت گردی پر وار کریں گے۔'' گزشتہ ہفتے جسونت سنگھ نے انکشاف کیا کہ'' ہم نے پاکستان کو سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن ٹونی بلیئر نے روک دیا'' اب نو مولود وزیر دفاع جارج فرنینڈس نے غضب ناک لہجے میں کہا ہے کہ'' جموں و کشمیر میں حریت پسندوں کے خلاف فوجی کارروائی ناگزیر ہو چکی ہے۔اب صرف اس کارروائی کی نوعیت، وقت اور مقام کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔''

15 / اکتوبر کے دن ابھی کولن پاول کا طیارہ اسلام آباد کی فضاؤں میں تھا کہ بھارتی فوج نے '' دہشت گردی'' کے خلاف مہم کا آغاز کرتے ہوئے پاکستان کی پوسٹوں پر گولہ باری شروع کر دی

Marfat.com

اور کئی ماہ سے جاری سیز فائر کی دھجیاں اڑا دیں۔ یہ بات پہلے بھی کہی جا چکی ہے کہ امریکہ پاکستان کو ایک جز وقتی آلے کے طور پر تو استعمال کر سکتا ہے مگر اس کے طویل المیعاد مقاصد کے سارے رشتے صرف بھارت سے جڑے ہیں۔ ہم نے کولن پاول کی ضرورت سے زیادہ عزت افزائی کی۔ پروٹوکول کے سارے ضابطوں کو نظر انداز کر کے صدر مشرف پریس کانفرنس میں ان کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوئے۔ بھارت میں ان کا استقبال امور خارجہ کی سیکرٹری نے کیا اور پریس کانفرنس میں ان کے ہم مرتبہ جسونت سنگھ شریک ہوئے۔ ہمارے ہاں انہوں نے پانی کا ایک گھونٹ پینا بھی گوارا نہ کیا اور بھارت جاتے ہی جسونت سنگھ کی طرف سے دیئے گئے عشائیے میں شرکت فرمائی۔ وزیراعظم کو اگلے ماہ دورہ امریکہ کی دعوت دی جس کا جسونت سنگھ نے شکریہ تک ادا نہ کیا۔ موصوف نے ایک بار پھر سری نگر کے واقعہ کا حوالہ دے کر یہ عہد دہرایا کہ:

''بھارتی کشمیر میں جاری دہشت گردی کا خاتمہ عالمی مہم کا حصہ ہوگا''

جناب کولن پاول کے دورہ جنوبی ایشیا سے شکوک وشبہات کا ازالہ نہیں ہو سکا بلکہ معاملات زیادہ پیچیدہ، گھمبیر اور تشویشناک ہو گئے ہیں۔ اب عالم یہ ہے کہ سامراجی ذہن اور سفاکانہ مزاج رکھنے والے تین ممالک اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل کے لئے ہم قدم ہیں۔ امریکہ، اسرائیل اور بھارت، عالمی دہشت گردی کے خلاف ''جہاد'' کے نام پر آزادی کی تحریکوں اور اسلامی تشخص کی حامل تنظیموں کو سفاکانہ طور پر کچلنے پر متفق ہو چکے ہیں۔ تینوں نے اپنی اپنی ''القاعدہ'' اپنے اپنے ''اسامہ'' اور اپنے اپنے ''طالبان'' کا تعین کر لیا ہے۔ لیپا پوتی کے باوجود تینوں میں سے کوئی کسی دوسرے کے ارادوں میں مزاحم نہیں ہوگا۔

مہذب دنیا کے نئے دستور العمل کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا ہے اور خود فریبی کے سارے رنگ اپنی آنکھوں میں بسا لینے کے باوجود اہل پاکستان کی بے کلی بڑھتی جا رہی ہے۔

سوچتا ہوں یہ ترے قدموں کی آہٹ ہے مگر
دل یہ کہتا ہے کہ کوئی سانحہ ہونے کو ہے

[19-10-2001]

Marfat.com

ڈالروں کا مرہم؟

قندھار تب بھی ایک خانماں برباد شہر تھا اور اب تو شاید اس کے زخم خوردہ در و دیوار بھی ڈھیر ہو چکے ہوں۔ امریکہ کے سینکڑوں طیاروں کی پیہم بمباری اور کروز میزائلوں کی موسلا دھار بارش نے اس حرماں نصیب بستی میں کیا باقی چھوڑا ہو گا؟ ملا عمر کے گھر کی تلاش میں نکلنے والے آوارہ خو میزائل نہ جانے کتنے گھروں کو خاکستر کر چکے ہوں گے۔ ممکن ہے وہ مہمان خانہ بھی سلامت نہ ہو جہاں امیر المومنین سے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ ممکن ہے ''احمد شاہ بابا'' کا وسیع و عریض اور بلند و بالا مزار بھی ڈھیر ہو چکا ہو۔ ممکن ہے اس مزار کے پہلو میں بنی عظیم الشان عمارت بھی، جو مسجد کے طور پر استعمال ہوتی تھی، کھنڈر بن چکی ہو۔ ممکن ہے اس عمارت میں رکھے تین صندوقوں کے پرنچے بھی اڑ چکے ہوں اور ممکن ہے یکے بعد دیگرے ایک دوسرے میں بند ان تین صندوقوں میں سے سب سے چھوٹے صندوق میں رکھا......

لیکن اس تصور ہی سے کلیجہ منہ کو آتا اور قلم ہچکیاں لینے لگتا ہے۔

ہر روز اپنے سینے پر سینکڑوں فضائی حملوں اور پانچ پانچ ہزار ٹن وزنی بموں کی یورش پیہم برداشت کرنے والے شہر میں کیا بچا ہو گا؟ سی این این اور بی بی سی جب بھی قندھار کا نام لیتے ہیں ایک انجانا سا خوف، ایک بے نام سا کرب میرے اعصاب میں چنگاریاں سی بھر دیتا ہے۔ یوں لگتا ہے کوئی کند آری سے میرے دل کی گول گول قاشیں کاٹ رہا ہے۔ نا قابل برداشت اذیت میری ایک ایک سانس کو جکڑ لیتی ہے۔ میں اپنے ذہن کو جھٹک کر گرد و پیش میں کھو جانا چاہتا ہوں لیکن کوئی بس نہیں چلتا۔ نظر کا ہر زاویہ اور سوچ کی ہر لہر کسی نہ کسی طور قندھار کی طرف نکل جاتی ہے۔ شاہ بابا کا مزار، مسجد کے طور پر استعمال ہونے والی عظیم الشان عمارت، یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے اندر رکھے تین صندوق اور سب سے اندر والے صندوق میں......

لگ بھگ پونے تین سو سال قبل قندھار کو ایرانی سلطنت سے آزاد کرانے والا نادر شاہ جب

Marfat.com

اپنی ہی سپاہ کے کچھ افسروں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تو افغان سرداروں کے قبائلی جرگے نے صابر شاہ نامی روحانی شخصیت کی تحریک پر پچیس سالہ جری کمانڈر احمد شاہ درانی کو افغانستان کا فرمانروا چن لیا۔ یہ نوجوان تاریخ میں احمد شاہ ابدالی کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی نوجوان نے 1761ء میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو عبرتناک شکست دی۔ وہ ہند کی مہم پر تھا جب افواہ اڑی کہ ''مرہٹوں نے احمد شاہ کی پٹائی کر کے اسے بھگا دیا ہے۔'' یہ افواہ احمد شاہ کی جری والدہ ''زرغونہ انا'' تک پہنچی تو اس نے کمال تمکنت سے کہا...... ''ناممکن! میرا بیٹا مر سکتا ہے لیکن میدان جنگ میں پیٹھ نہیں دکھا سکتا۔'' افغان اپنے اس بہادر سپوت کو محبت و عقیدت کے ساتھ ''احمد شاہ بابا'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ احمد شاہ بابا کے مزار پر کندہ ہے....

می رسد از ہر طرف در گوش بدخواہان او
از زبان خنجرش ہر دم ہزاراں سرزنش

اپنے تیز دھار خنجر کی زبان سے زمانے بھر کے بدخواہوں کو ہر آن سرزنش کا سندیسہ بھیجنے والا شاہ بابا شاید اب اپنے پہلو میں رکھے تین صندوقوں کا تحفظ بھی نہ کر سکے کہ سوا ارب مسلمانوں کی تلواریں کند ہو چکی ہیں اور آج کل ان کی شاموں کی دلپسند تفریح ٹیلی ویژن پر افغانوں کی بربادی کا تماشہ کرنا ہے۔

قندھار کے وسط میں شاہ بابا کے خوبصورت مقبرے کے پہلو میں ایک پرشکوہ اور عالی شان عمارت کے اندر یکے بعد دیگرے تین مقفل صندوق بڑی حفاظت کے ساتھ رکھے ہیں جن کی ہمہ وقت پاسبانی کی جاتی ہے۔

غزوہ احد میں رسول اکرم ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہونے کی خبر یمن کے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو فرطِ اضطراب نے ان پر جذب کی عجیب کیفیت طاری کر دی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل پھوٹ پڑا اور انہوں نے اپنے دندان بھی توڑ ڈالے۔ مجذوبانہ شان رکھنے والے رئیس التابعین حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے عہد رسالت ﷺ میں غائبانہ اسلام قبول کیا لیکن حضور ﷺ کی زیارت سے محروم رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''یمن سے ایک آدمی تمہارے پاس آئے گا جس کا نام اویس ہوگا۔ وہ تابعین میں سے بہترین شخص ہوگا۔ تم میں سے جو شخص

Marfat.com

بھی اس سے ملے، امت کے لئے مغفرت کی دعا کرائے۔" روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا خرقہ مبارک حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو ارسال فرمایا جو انہوں نے دولت دو عالم سے عزیز تر جانا۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے وفات کے بعد یہ خرقہ مبارک کئی واسطوں سے ہوتا ہوا بغداد، وہاں سے بلخ اور بلخ سے افغانستان کے صوبہ بدخشاں کے مقام جوزگان منتقل ہوا۔ احمد شاہ ابدلی بصد عقیدت واحترام خرقہ مبارک کو جوزگان سے قندھار لے آئے۔ قندھار پر طالبان کے قبضے کے بعد امیر المومنین ملا عمر اخوند نے شورائے عالی کی اجازت سے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں یکے بعد دیگرے تین صندوقوں کو کھولا اور خرقہ مبارک کی زیارت کی۔ اہل قندھار کو ستر سال بعد یہ سعادت نصیب ہوئی۔

ہمارے لئے ملا عمر کی اجازت سے خرقہ مبارک کی زیارت کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ یہ طالبان کی طرف سے ہمارے لئے بیش بہا تحفہ تھا جو آج بھی ہمارے دلوں کو جذب وکیف کی سرمستیاں دے جاتا ہے اور ہرات میں محوخواب جامی کا شعر بے اختیار زبان پر آجاتا ہے......

در عشق تو دندان شکست است، بہ الفت
تو جامہ رسانید اویس قرنیؓ را

لیکن جانے قندھار کس حال میں ہے؟ دو ہفتوں سے اس پر بموں اور میزائلوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ کم بلندی پر اڑنے والے اے سی 130 طیارے چیل کوؤں کی طرح منڈلا رہے ہیں اور ان میں سے ہر طیارہ بیک وقت سینکڑوں گولے برساتا ہے۔ کنکریٹ کے بنکروں کے سینے میں دور تک اتر جانے والے بموں کے سامنے تین جستی صندوقوں کی کیا حیثیت ہے؟

کیا یہ شہر جمال نابود ہو جائے گا؟ کیا شاہ بابا کا مقبرہ اور اس مقبرے کے پہلو میں کھڑی پرشکوہ عمارت بھی ڈھیر ہو جائے گی؟ کیا قندھار میں اترنے والے امریکی کمانڈوز کے ناپاک قدم مسجد کے طور پر استعمال ہونے والی اس عمارت تک بھی پہنچ جائیں گے؟ کیا تین مقفل صندوق بھی ان کی دستبرد میں ہوں گے؟ اور کیا وہ یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے اندر رکھے صندوقوں میں سے سب سے چھوٹے صندوق تک بھی پہنچ جائیں گے؟ اور کیا اس صندوق کے اندر......

اس تصور ہی سے کلیجہ منہ کو آتا اور قلم ہچکیاں لینے لگتا ہے؟

خدانخواستہ ہمارے سینوں پر یہ گھاؤ لگ گیا تو اسے کتنے "ڈالروں" کا مرہم درکار ہوگا؟

[20-10-2001]

Marfat.com

ابابیلیں کہاں ہیں؟

مالاکنڈ کا سات سالہ ضیاء اللہ حیران وششدر ہے۔

اخباری اطلاعات کے مطابق ٹیلی ویژن پر افغانستان کی تباہ حالی اور امریکہ کی ''انصاف پروری'' کے مناظر دیکھ کر معصوم بچے نے اپنے ابو سے پوچھا ''کروڑوں مسلمان افغانستان کی سلامتی اور امریکہ کی تباہی کے لئے دعائیں مانگتے ہیں لیکن ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ ابھی تک مجاہدین نے کوئی جنگی جہاز کیوں نہیں گرایا؟ کل امریکہ، اسرائیل یا بھارت، پاکستان پر حملہ کریں گے تو کیا ہم بھی ان کے طیارے نہیں گرا سکیں گے؟ اللہ تعالیٰ ان طیاروں کی تباہی کے لئے ابابیل کیوں نہیں بھیجتا۔'' ضیاء اللہ کے باپ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہا کہ ہمارے ایمان کمزور ہیں۔ ہم میں جہاد کا جذبہ ختم ہو گیا ہے۔ اسلامی ممالک نے بھی افغان حکومت کی حمایت کے بجائے امریکہ کا ساتھ دیا ہے۔

ضیاء اللہ کے باپ نے یقیناً کئی دلائل دے کر اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی ہوگی لیکن معصوم بچوں کے پاس معاملات کو جانچنے اور پرکھنے کی اپنی کسوٹی ہوتی ہے۔ وہ زمینی حقائق کی نزاکتوں کو سمجھنے سے عاری ہوتے ہیں۔ رومانویت کی دنیا میں رہنے اور کہانیوں کی طلسماتی فضا میں سانس لینے والے ان بچوں کے احساسات کے آبگینے بڑے نازک ہوتے ہیں۔ وہ اس تلقین کی گہرائی تک بھی نہیں پہنچ پاتے کہ دنیا رومانویت کے دور سے آگے نکل آئی ہے اور اب سوچ کے تمام تر دھارے مفادات کے سرچشموں سے پھوٹتے اور مراعات کی خوشنما جنت میں جذب ہو جاتے ہیں۔ ملکوں کے باہمی تعلقات میں بھی یہی اصول کارفرما ہے اور انسانیت کی تہذیبی و اخلاقی اقدار سے تعلق رکھنے والے الفاظ، اصطلاحات اور تراکیب اب صرف کتابوں کے بوسیدہ اوراق میں باقی ہیں۔

Marfat.com

ہاتھیوں کے لشکر کو کھائے ہوئے بھس میں بدل دینے والے اللہ کا فرمان ہے کہ وہ ایسی کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں کرتا جسے خود اپنی حالت بدلنے کا خیال نہ ہو۔ ہمیں یقیناً اپنی حالت بدلنے کا خیال ہے بلکہ یہ خیال ہمہ وقت ہمارے اعصاب پر سوار رہتا ہے لیکن جہد مسلسل، عمل پیہم اور ایمان کامل کے ہتھیار کند ہو چکے ہیں۔ ہمیں لامحدود آسائشوں کی طلب نے اپاہج بنا دیا ہے۔ ہمارے دلوں میں دودھ اور شہد کی نہروں کی تمنا ہے لیکن تیشہ فرہاد لے کر سنگلاخ چٹانوں کا جگر چیرنے کا یارا نہیں۔ ہم سہل انگار اور غفلت شعار قبیلے کے لوگ ہیں جن کی پوری زندگی صرف ذات کے دائرے کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ ہم نعرے تراشنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے لیکن عمل کی دنیا میں ہمارے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں اور دو چار گام چلنے کے ساتھ ہی سانسیں پھول جاتی ہیں۔ ہم قرضوں، مزید قرضوں، ری شیڈولنگ، آسان شرائط، معافی، رعایت اور اہل کرم کی کشادہ دستی کو ہی اپنی کامرانی کا پیمانہ بنا چکے ہیں۔ فقیروں کا بھیس بنانے کے بعد ہمارے انداز و اطوار بھی فقیروں جیسے ہو گئے ہیں۔ حواس خمسہ رکھنے کے باوجود ہماری آنکھیں وہی منظر دیکھتی ہیں جو مغرب کا مصور ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور ہمارے افکار انہیں دلائل سے نمو پاتے ہیں جو مغرب کی دانش ہمیں سکھاتی ہے۔ کھائے ہوئے بھس جیسے لوگوں کی دعائیں تو چھت کی منڈیر تک نہیں جا سکتیں، عرش معلیٰ تک کیسے پہنچیں گی۔

ہمیں معلوم ہے کہ طالبان سادہ و معصوم لوگ ہیں جن کی امیدیں قلیل اور مقاصد جلیل ہیں۔ جو لذتوں اور آسائشوں کو مقصود حیات نہیں بناتے۔ جنہیں اللہ رسول کا نام لیتے، چہروں پر سنت رسول سجاتے، سروں پر عمامے باندھتے، اللہ کے حضور سر جھکاتے اور روکھی سوکھی کھا کر "الحمد للہ" پڑھتے شرم نہیں آتی۔ انہوں نے خون کی ندیاں بہائے بغیر افغانستان کے نوے فیصد علاقے پر اپنی فرمانروائی کا سکہ جمایا۔ وہ جدھر بھی گئے، جہاں بھی گئے، آوارہ مزاج فوجی دھڑوں کے ستائے ہوئے عوام نے کھلی بانہوں کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ انہوں نے غربت، پسماندگی، بیروزگاری اور قحط سالی کے ستائے ہوئے معاشرے میں مثالی امن و امان قائم کیا۔ ہتھیاروں پر ناز کرنے والے قبائلی معاشرے کو ہتھیاروں سے پاک کرنے کا قابل رشک کارنامہ سرانجام دیا۔

اقوام متحدہ کی حالیہ رپورٹ بتاتی ہے کہ طالبان کے زیر قبضہ علاقے میں پوست کی کاشت میں 94 فیصد کمی آ گئی ہے جبکہ شمالی اتحاد کا علاقہ آج بھی پوست کا گڑھ ہے۔ طالبان نے دنیا بھر کی

Marfat.com

غیر ہمدردانہ اور جارحانہ سوچ کے باوجود کسی ملک کے معاملات میں مداخلت نہیں کی لیکن اس کے باوجود ساری دنیا ان کے تعاقب میں ہے اور امریکہ کے جدید ہتھیاروں کے ریوڑ افغانستان کی چراگاہ میں دندناتے پھرتے ہیں۔ طالبان کے دل ایمان و یقین سے خالی نہیں ہوئے۔ انہیں یقین ہے کہ وہ حق پر ہیں۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو اگلے برس، ابابیلیں ضرور آئیں گی۔ امریکہ کے دیوہیکل طیارے زخمی پرندوں کی طرح گریں گے۔ آثار ابھی سے نظر آنے لگے ہیں۔ جو لوگ موت سے نہیں ڈرتے، موت ان سے دور بھاگتی ہے۔ یہ دنوں، ہفتوں اور مہینوں کی نہیں، سالوں اور صدیوں کی جنگ ہے۔ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہاتھیوں والے کھائے ہوئے بھس میں تبدیل نہیں ہو جاتے۔

البتہ ضیاء اللہ کا یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ ہمارا کیا بنے گا؟

ابابیلوں سے خالی آسمان بہرحال قبرستانوں کی طرح ایمان سے خالی دلوں کا مقدر ہوتے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ کھلی آنکھوں سے سب کچھ دیکھنے، سب کچھ سمجھنے کے باوجود خاموش ہیں۔ اپنے سروں سے گزرتے بموں اور میزائلوں کے باوجود سکون کی گہری نیند سوتے ہیں۔ ڈائننگ ٹیبل پر انواع و اقسام کے کھانے سجا کر ٹیلی ویژن پر ایک ایک نوالے کے لئے بلکتے بچوں اور راکھ ہوتی بستیوں کا نظارہ کرتے ہیں۔ ہمارا کیا بنے گا؟

رہا امریکہ...... تو وہ بلاشبہ بدمست عفریت کی طرح بپھرا ہوا ہے۔ اسامہ اور ملا عمر کا لہو پینے کے بعد بھی اسے چین نصیب نہیں ہوگا۔ آج ابابیلوں کے منتظر کتنے ہی ضیاء اللہ عالم اسلام کے گوشے گوشے میں اپنے اپنے ابو سے یہی سوال پوچھ رہے ہیں۔ انہیں کوئی شافی جواب نہیں مل رہا اور ان کے معصوم دلوں کی خلش دھیرے دھیرے دائمی نفرت میں ڈھل رہی ہے۔ آج امریکہ پوچھتا ہے۔

"تم لوگ ہم سے نفرت کیوں کرتے ہو؟ ہم تو بہت اچھے لوگ ہیں۔"

سات سالہ ضیاء اللہ اس کا جواب نہیں دے سکتا۔

"اچھے لوگ" مکافات عمل سے بے نیاز، برے دنوں کی ایسی فصل بو رہے ہیں جس کا پھل امریکہ کی آنے والی نسلوں کے حصے میں آئے گا اور وہ کسی بلند و بالا عمارت کے ملبے کے پہلو میں کھڑی ہو کر اپنے صدر بش کی طرح پوچھیں گی۔

Marfat.com

''تم لوگ ہم سے نفرت کیوں کرتے ہو؟''

تب ضیاء اللہ جوان ہو چکا ہوگا۔ وہ اپنے بچے کو بتائے گا۔

''بیٹا...... بعض اوقات ابابیلیں نظر نہیں آتیں لیکن وہ فضاؤں میں موجود رہتی ہیں۔ ہاتھیوں والوں کی بدمستی بڑھ جائے تو وہ انہیں کھائے ہوئے بھس میں بدل دیتی ہیں۔'' یہ سطور لکھی جا چکی تھیں تو خبر آئی کہ امریکہ کا ایک ہیلی کاپٹر کریش ہو گیا اور دو امریکی فوجی ہلاک ہو گئے ہیں، ضیاء اللہ سے اب کیا کہیں؟ اس تک بھی یہ اطلاع کسی نہ کسی طرح پہنچ چکی ہوگی۔ ابتدائے عشق ہے......

[21-10-2001]

Marfat.com

افتاد کی داد طلبی

وزیر خارجہ جناب عبدالستار نے پی ٹی وی پر اپنا مقدمہ پیش کرتے ہوئے بعض اہم دلائل دیئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ "11 ستمبر کے بعد ہم نے طالبان کو بہت سمجھایا کہ تم شدید خطرے سے دوچار ہو، اگر تم نے سلامتی کونسل کی قرارداد پر عمل نہ کیا تو حالات بہت خراب ہو جائیں گے۔ افق پر خطرات منڈلا رہے ہیں اور آپ کا بہت نقصان ہوگا لیکن جب وہ خود کنویں میں چھلانگ لگانا چاہتے ہوں تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

جناب عبدالستار نے ایک سوال کے جواب میں ان ثمرات کی تفصیل بتائی جو افغانستان کے خلاف جنگ میں امریکہ کا حلیف بننے سے ہمارے حصہ میں آئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس پالیسی کے طفیل:

(1) پاکستان بین الاقوامی دھارے کے عین وسط میں آ گیا ہے اور اس کی تنہائی ختم ہوگئی ہے۔

(2) عالمی لیڈر اور زعماء مسلسل پاکستان آ کر ہم سے ہمدردی اور یکجہتی کا اظہار کر رہے ہیں۔

(3) اگرچہ مالی مفادات کا حصول ہمارا مقصد نہیں لیکن ہماری معیشت کو فروغ حاصل ہوگا۔ یورپی منڈیاں ہمارے لئے کھل رہی ہیں۔ برآمدات میں اضافہ ہوگا اور نئی صنعتیں لگیں گی۔

(4) ہم نے دوستوں سے کہا ہے کہ ہماری صحیح اور ٹھوس مدد کرنا چاہتے ہیں تو قرضوں کے سلسلے میں مدد کریں مثلاً سود میں کمی اور ادائیگی کی میعاد میں مہلت۔

وزیر خارجہ کے ارشادات پر ایک مقالہ تحریر کیا جا سکتا ہے۔ میں یہ علمی و تحقیقی کام برادرم ارشاد عارف کے لئے چھوڑ دیتا ہوں۔ جہاں تک ثمرات کے اقتصادی پہلو کا تعلق ہے، اس کا حال وزیر خزانہ شوکت عزیز نے بیان کر دیا ہے۔ گزشتہ روز انہوں نے انکشاف کیا کہ "ابھی تک صرف اعلانات ہی ہوئے ہیں، عملاً کچھ نہیں ملا۔"

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ "جنگی حالات کی وجہ سے قومی معیشت دو ارب ڈالر کے نقصان سے

Marfat.com

دوچار ہے اور امریکہ سمیت مختلف ممالک نے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا ہے اس کی مجموعی مالیت 80 کروڑ ڈالر ہے۔'' عالم یہ ہے کہ آج بھی پاکستان پر اندرونی اور بیرونی قرضوں کا بوجھ باسٹھ ارب ڈالر کے لگ بھگ ہے جن میں سے بیرونی قرضے سینتیس ارب ڈالر سے زیادہ ہیں۔ اس سال ہم نے قومی بجٹ کا 47 فیصد حصہ قرضوں اور سود کی ادائیگی کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ امریکہ، عالمی بنک، ایشیائی ترقیاتی بنک اور یورپی یونین کی طرف سے ''مرہم پٹی'' کے سوا کچھ نہیں مل رہا۔ آئی ایم ایف نے غربت کے خاتمے کے لئے 2.5 بلین ڈالر کی فراہمی کا بھی یقین نہیں دلایا۔ ہمیں توقع تھی اور آج بھی آس کا موہوم سا رشتہ ختم نہیں ہوا کہ شاید ہمارے قرضے معاف ہو جائیں لیکن یہ خواب اب بکھرتا جا رہا ہے۔ عالمی مالیاتی اداروں کے تیرہ ارب ڈالر سے زائد کے قرضوں کی معافی کا کوئی امکان نہیں۔ پیرس کلب کا واجب الادا قرضہ 12 بلین ڈالر ہے جس میں سے 5 بلین صرف جاپان کا ہے۔

صدر مشرف کی طرف سے جاپانی وزیراعظم سے کی جانے والی براہ راست درخواست کے باوجود کوئی مثبت جواب نہیں ملا اور اب شوکت عزیز خود زمین ہموار کرنے جا رہے ہیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ جاپان کی طرف سے کسی قابل لحاظ رعایت کا امکان نہیں۔ پیرس کلب کے باقی 7 ارب ڈالر امریکہ اور جی سیون کے دوسرے ممالک کے ہیں۔ ہمیں توقع تھی کہ افغانستان پر پہلا میزائل گرنے سے پہلے امریکہ کم از کم 7 ارب ڈالر کے قرضے سے ضرور نجات دلا دے گا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ ساری بوندا باندی، ملا کر بھی شاید ایک ڈیڑھ ارب ڈالر کی معافی نہ مل سکے۔

دوسری طرف نقصانات کا حجم اندازہ و امکان سے کہیں زیادہ ہے۔ برآمدات کا ہدف پہلے ہی دو ارب ڈالر کے لگ بھگ کم کیا جا چکا ہے۔ محصولات میں بھی نمایاں کمی آ رہی ہے۔ کساد بازاری نے کاروباری اور صنعتی سرگرمیوں پر شدید منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ اندرونی سرمایہ کاری جامد ہے اور بیرونی سرمایہ کار کم و بیش ایک عشرے تک ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ امریکہ اور مغربی ممالک کی سرمایہ کاری پہلے ہی خطرے سے دوچار ہے اور ان کے مال کے بائیکاٹ کی اپیلیں ہو رہی ہیں۔ افغان مہاجرین کا دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ جنگ کے پہلے ہی جھٹکے سے ہمارا بجٹ خسارا تشویشناک حد تک بڑھ گیا ہے اور باہر سے ملنے والی ساری امداد صرف اسی خسارے کا پیٹ بھرنے پر صرف ہو جائے گی۔ اٹھائی جانے والی پابندیاں محض رسمی ہیں اور سرطان زدہ قومی معیشت کو حیات نو کا مژدہ نہیں سنا سکتیں۔ یوں بھی ان کا بڑا مقصد امریکی اسلحے کی نئی منڈیاں تلاش کرنا ہے۔

Marfat.com

ترقیاتی کام رک گئے ہیں۔ غازی بروتھا پراجیکٹ پر کام غیر معینہ عرصے کے لئے بند ہو چکا ہے۔ گوادر کی بندرگاہ، سینڈک پراجیکٹ، مکران کوسٹل ہائی وے سب کچھ خیال و خواب ہو چکا ہے۔ ایران سے بھارت جانے والی پائپ لائن کا پلان سرد خانے میں چلا گیا ہے۔ حکومت نے درجنوں میگا پراجیکٹس کی نوید سنائی تھی لیکن یہ غنچے بن کھلے مرجھا چکے ہیں۔ ائر لائنز نے ادھر کا رخ کرنا چھوڑ دیا ہے اور سول ایوی ایشن اتھارٹی کو روزانہ کروڑوں کا نقصان ہو رہا ہے۔ سیاحت ختم ہو چکی ہے، پرائیویٹائزیشن کا عمل بھی رک گیا ہے۔ صنعتی و کاروباری سرگرمیوں کے انجماد، سرمایہ کاری کے فقدان، درآمدی و برآمدی کاروبار میں مندے اور پاکستانیوں کے لئے بین الاقوامی موسم ناخوشگوار ہو جانے کے باعث ڈالر کی طلب میں کمی آئی ہے اور ہم اسے بھی اپنی اقتصادی ہنرمندی سے تعبیر کر رہے ہیں۔ اگر جارج بش کے عزائم کے مطابق افغانستان کو تاراج کرنے اور بستیوں کو قبرستانوں میں بدلنے کا عمل، پہاڑوں کو سرمہ بنانے تک جاری رہتا ہے تو پاکستان مسلسل اس آگ کا ایندھن بنا رہے گا۔ اس حقیقت کو جھٹلانے کی ضرورت نہیں کہ جنگ کا اصل مرکز پاکستان ہے، افغانستان تو محض نشانہ بازی اور چاند ماری کا اڈہ ہے۔ اس اجڑے دیار کی معیشت پہلے ہی آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک سے بے نیاز ہے۔ اس کے پاس نہ کچھ کھانے کو ہے نہ کھونے کو۔ لامحالہ اس کے حصے کا زیاں بھی ہماری جھولی میں پڑے گا۔

بین الاقوامی دھارے کے عین وسط میں آنے یا ''بھنور کی آنکھ کا تل'' بن جانے میں کوئی فرق نہیں۔ دھارا تو نہ جانے کہاں نکل جائے گا لیکن ہم برسوں اسی گرداب میں غوطے کھاتے رہیں گے۔ وزیر خارجہ نے خود کہا ہے کہ ''امریکہ ہم سے 1990ء والا سلوک دہرا سکتا ہے۔'' بین الاقوامی لیڈروں اور زعماء کے اظہار یکجہتی و ہمدردی کو ہماری مقامی ثقافت میں ''پرسا'' دینا کہتے ہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ ''ہمارے افغان بھائی خود کنویں میں چھلانگ لگانا چاہتے ہوں تو ہم کیا کریں؟'' یقیناً ہم کچھ نہیں کر سکتے لیکن سوچ سمجھ کر، شعوری فیصلے کے تحت کنویں میں چھلانگ لگانے والے کے پاس اگلے مرحلوں کی کچھ نہ کچھ حکمت عملی ضرور ہوتی ہے البتہ اچانک کسی دست غیب کا دھکا کھا کر کنویں میں گرنے والے کو اگلے لمحے کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

سر آپڑنے والی ناگہانی افتاد کو حکمت و دانش کی قبائے افتخار پہنانا اور ثمرات و نوازشات کے گوشوارے بنانا، کچھ اچھا نہیں لگتا، داد طلبی بھی سلیقہ مانگتی ہے۔

[22-10-2001]

Marfat.com

رومانویت اور طالبان (1)

پہلے ہمارے وزیر خارجہ اور اب دانشوروں کے ایک طبقے نے طالبان اور ان کے ہمنواؤں پر زمینی حقائق نظر انداز کرنے اور "رومانویت پرست" ہونے کا طعنہ دیا ہے۔ جناب عبدالستار تو شاید نہ جانتے ہوں لیکن میرے اہل علم دوستوں کو یقیناً معلوم ہے کہ "رومانویت" انسانی فطرت کا ایسا پہلو ہے جو اسے دوسری مخلوق سے ممتاز کرتا اور ارفع اقدار کے لئے قربانی و ایثار کا حوصلہ دیتا ہے۔ اندھی مادیت فکر کے ہر زاویے اور عمل کے ہر پہلو کو نفع و نقصان کے حوالے سے دیکھتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسباب کی دنیا بڑی تلخ حقیقتیں رکھتی ہے اور جو لوگ انہیں پس پشت ڈال کر "خودکشی" کی راہ پر چل نکلتے ہیں وہ بلاشبہ کم حکمتی اور بے بصیرتی کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کوئی مذہب، کوئی اسلوب تہذیب اور کوئی فلسفہ حیات اس امر کی تلقین نہیں کرتا کہ ظاہری اسباب نظر انداز کر کے محض عقائد و نظریات یا رومانوی تصورات کو اپنی ڈھال بنا لیا جائے اور ساری توقعات صرف فیضان سماوی سے وابستہ کر لی جائیں۔

ایمان و یقین کی بلند ترین رفعتوں سے ہمکنار انبیاء نے بھی ایسا نہیں کیا اور حضور ختمی مرتبت ﷺ نے بھی کفار سے پنجہ آزمائی کرتے وقت کبھی گھوڑوں اور تلواروں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا بلکہ اپنے رب کی طرف سے اپنے گھوڑے تیار رکھنے کا حکم بھی سنایا ہے۔ مومن کو تحقیق و جستجو، فکر و تدبر اور حکمت و دانش کا درس دیا گیا ہے اور اس تعلیم کا مقصد ہی یہ ہے کہ جدید علوم پر دسترس حاصل کر کے سائنسی ایجادات کے ذریعے عصر حاضر پر برتری حاصل کی جائے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اس کے مظاہر کثرت سے ملتے ہیں لیکن دنیوی اسباب کے ساتھ ساتھ ایمان و یقین کی پختگی، حق پر ہونے کا اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر بھروسہ مومن کا اثاثہ قرار پاتے ہیں۔ ظاہری اور باطنی قوت کا امتزاج ہر مرد مسلمان کو مثالی بانکپن عطا کرتا اور باطل قوتوں

Marfat.com

سے ٹکرانے کا حوصلہ دیتا ہے۔

مادی حقائق کے شعور کے باوجود رومانوی تصورات سے محرومی ایک ایسا آشوب ہے جس سے پناہ مانگنی چاہئے۔ اگر ایک فرد کا دل اس سے عاری ہو جائے تو اس کی عزت و ناموس کے سارے داعیئے دم توڑ بیٹھتے ہیں اور ایک قوم یہ دولت گنوا بیٹھے تو وہ راکھ کا ڈھیر بن جاتی ہے۔ اس کے بعد فرد اور جماعت دونوں کے لئے ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ ہر طاقتور کے سامنے گردن جھکا دیں اور زندگی کو غیرت وحمیت کے حوالے سے نہیں، سانسوں کے تسلسل کے پیمانے سے جانچیں۔ یہ وہ معیار ہے جو صرف ایک ہی جنگی حکمت عملی کی طرف اشارہ کرتا ہے ''اگر طاقت رکھتے ہو تو دوسروں کو مارو، اگر طاقت نہیں رکھتے تو بغیر لڑے ہتھیار ڈال دو''۔ اس حکمت عملی کی تبلیغ کرنے والے دانشور نہیں جانتے کہ وہ انسان کو کس دشت بے اماں کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ باوقار زندگی کا تقاضا ہے کہ اٹل حقیقتوں کے باوجود ''رومانویت'' ذہن وقلب کے کسی نہ کسی گوشے میں ضرور موجود رہے۔

اسی رومانویت کی کوکھ سے جرات وشجاعت کا وہ جوہر پھوٹتا ہے جو بے سروسامانی اور کم مائیگی کے باوجود کسی اصول، کسی بالاتر نظریئے، کسی ملکوتی تصور یا کسی رومانوی آدرش کے لئے سب کچھ لٹا دینے کا عزم عطا کرتا ہے۔ جدید ترین ہتھیاروں سے لیس قومیں بھی ''رومانویت'' کے احساس کو زندہ رکھتی ہیں کیونکہ مشین محض احساس تحفظ اور رومانویت جان لڑانے کا جذبہ دیتی ہے۔ جب پاکستان کی فوج ایف 16، جدید ترین آبدوزوں، برق رفتار ٹینکوں، شاہین اور غوری میزائلوں، ایٹمی قوت اور سخت ترین تربیتی مراحل کے باوجود اپنی چھاؤنیوں کے ماتھے پر ''ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ'' کا جھومر سجاتی ہے تو دراصل وہ اسی ''رومانویت'' کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ جب ہم اپنی جنگی مشقوں کو ''ضرب مومن'' کا نام دیتے اور اپنی پلٹنوں کو مشاہیر اسلام کے نام سے منسوب کرتے ہیں تو ہمارا مقصود ''رومانویت'' کی اس چنگاری کو بجھنے سے بچانا ہوتا ہے۔ امریکہ دنیا کی مہلک ترین جنگی مشینری کے باوجود جب ایک نہتی اور مفلوک الحال قوم پر چڑھائی کرتا ہے تو صرف پنٹاگون اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا بدلہ لینے کی بات نہیں کرتا۔ وہ اپنی قوم اور اپنی سپاہ کو ''آزادی کے تحفظ کے لئے عزم واستقلال کے ساتھ ایک طویل جدوجہد'' (ENDURING FREEDOM) کا رومانوی پیغام دیتا ہے۔ بھارت کے تمام میزائلوں کے نام ان کے

Marfat.com

سورماؤں کے نام پر ہیں اور برطانیہ جیسی ترقی یافتہ قوم نے اپنی جمہوریت کو ابھی تک صدیوں پرانی بادشاہت کی ''رومانوی قبا'' پہنا رکھی ہے۔

''رومانویت'' فائدے اور خسارے کا الگ پیمانہ رکھتی ہے۔ وہ حکمت و دانش کی آنکھ پر پٹی باندھ کر کسی ''رومانوی تصور'' کے لئے معرکہ آرا ہونے پر ابھارتی ہے۔ جب حضور ﷺ دو گھوڑوں اور تین سو جانبازوں کے ساتھ دو سو آہن پوش گھڑ سواروں سمیت ایک ہزار مسلح افراد کے لشکر سے ٹکراتے ہیں تو ان کے پاس کسی دانش زدہ ذہن کو مطمئن کرنے کے لئے کوئی ''منطق'' نہیں ہوتی۔ منطق ان میں سے کسی کے پاس بھی نہیں ہوتی جو زندگی اور موت کے سطحی تصور سے بلند ہو کر کسی بالاتر آدرش کی ''رومانویت'' میں مبتلا ہوتے ہیں۔ منطق نہ بھڑکتی آگ میں کود پڑنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھی، نہ ہسپانیہ کے ساحل پر اپنے جہازوں کو نذر آتش کر دینے والے طارق بن زیاد کے پاس اور نہ زندگی کو ماہ و سال کے بجائے گیدڑ اور شیر کے استعاروں سے سمجھنے والے ٹیپو سلطان کے پاس۔

منطق طالبان کے پاس بھی نہیں ہے۔ وہ بھی گئے زمانوں کی ایک ''بوسیدہ رومانویت'' کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ جانتے ہیں کہ ہزاروں پاؤنڈ وزنی بم ان کے پرخچے اڑا دیں گے۔ جانتے ہیں کہ وہ امریکہ کی قاہری کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جانتے ہیں کہ دنیا بھر کو ساتھ لے کر حملہ آور ہونے والی عظیم سپر پاور افغانستان کو خاک کا پیوند بنا سکتی ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے گھروں کے اندر اور گھروں کے باہر بچانے کو کچھ نہیں۔ صرف دلوں میں رومانویت کی چنگاری دہک رہی ہے۔

امریکہ انہیں میزائلوں اور بموں سے مار رہا ہے۔ ہم ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے منطق و دانش کے کوڑے برسا رہے ہیں۔

[24-10-2001]

Marfat.com

رومانویت اور طالبان (2)

امت مسلمہ کے رومانوی تصور کو ایک طرف رکھ دیجئے اور گیارہ ستمبر کے بعد کے واقعات کا غیر جانبداری سے جائزہ لیجئے۔ افغانستان پر غیر منصفانہ امریکی یلغار کے حوالے سے طالبان کے ساتھ کھڑا ہونا کسی مذہبی رشتے کا نہیں، انسانیت کا تقاضا ہے۔ اگر ہم اپنے مخصوص مفادات یا قومی تقاضوں کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتے تو اپنی اس مجبوری و معذوری کو منطق اور استدلال کا جامہ پہنانے کی ضرورت نہیں۔ طالبان نے تو شروع میں ہی کہہ دیا تھا کہ امریکہ کسی غیر جانبدار ملک یا فورم کو سارے شواہد فراہم کر دے، ہم اسامہ اس ملک یا فورم کے حوالے کر دیں گے۔ اگر وہ بادی النظر میں مجرم دکھائی دے تو اس پر کسی غیر جانبدار عدالت میں مقدمہ چلائیں۔ انہوں نے تو آج بھی مذاکرات کا راستہ بند نہیں کیا۔ بے لچک رعونت کا مظاہرہ تو دوسری طرف سے ہو رہا ہے۔

معاملات کو وسیع تر تناظر میں دیکھے بغیر حقیقت واضح نہیں ہوگی۔

امریکہ اپنا مخصوص تہذیبی مزاج رکھتا ہے۔ وہ کسی طور یہ حق دینے کے لئے تیار نہیں کہ کوئی دوسرا ملک کسی بھی بہانے اس کی تہذیبی و ثقافتی شناخت پر حملہ کرے۔ اگر وہاں پر ''ہم جنس پرستی'' کو قانونی تحفظ دے دیا جاتا ہے یا کنواری ماؤں کے حقوق کا چارٹر منظور ہوتا ہے یا برہنگی انسانی آزادی کی ایک ادا قرار پاتی اور شادی کے بغیر گھر بسانے کی اجازت دے دی جاتی ہے یا مرد، مرد کے ساتھ بطور بیوی رہ سکتا ہے تو افغانستان یا کسی بھی اسلامی ملک کو اس کے خلاف احتجاج کرنے کا حق نہیں۔ اسی طرح افغانستان کے عوام بھی اپنی ثقافت، اپنی تہذیب اور اپنی معاشرت رکھتے ہیں۔ انہیں اس پر عمل پیرا ہونے اور فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔ اپنی آزادروی کی حفاظت کے لئے مہلک ترین ہتھیاروں سے یلغار کرنے والوں کو دوسروں کے اسلوب حیات کا بھی احترام کرنا چاہئے، چاہے وہ ان کی نظر میں کتنا ہی ناپسندیدہ کیوں نہ ہو۔ اگر ہم ساحل سمندر پر اٹھکیلیاں کرتی برہنہ خواتین کو ''شرم وحیا'' کا درس دینے کا حق نہیں رکھتے تو افغان خواتین کو بے حجاب کرنے اور

Marfat.com

ان کے نقاب نوچنے کا اختیار کسی دوسرے کو کیسے دیا جا سکتا ہے؟

طالبان کو کن جرائم کی سزا مل رہی ہے؟ یہ کہ وہ خواتین کے حقوق کا احترام نہیں کرتے؟ یہ کہ وہ پردے کی پابندی کراتے ہیں؟ یہ کہ وہ ڈاڑھیاں رکھتے ہیں؟ یہ کہ وہ کڑی سزائیں دیتے ہیں؟ یہ کہ وہ تصویر نہیں بنواتے اور ٹیلی ویژن نہیں دیکھتے؟ یا یہ کہ وہ جمہوری طور پر منتخب حکمران نہیں ہیں؟ دنیا کے بہت سے ممالک میں اس نوع کے جرائم کا ارتکاب ہو رہا ہے لیکن وہ سب امریکہ کے حلقہ رفاقت میں ہیں۔ جن چھپن اسلامی ممالک کو جارج بش نے خراج تحسین پیش کیا ہے ان میں پچاس سے زائد جمہوریت سے محروم ہیں۔ طالبان کا اصل جرم یہ ہے کہ وہ امریکی ورلڈ آرڈر کے وسیع تر اہداف و مقاصد کا آلہ کار نہیں بنے۔ وہ ایک ایسی مستحکم نظریاتی اساس پر ڈٹے ہوئے ہیں جس سے امریکہ خوف کھاتا ہے۔ کمیونزم کے خطرے کو گہری قبر میں دفن کرنے کے بعد وہ اس توانا نظریے کی قوت کو ختم کر دینا چاہتا ہے جو امریکہ یا مغرب کی تہذیب، اس کے سیاسی مقاصد اور اس کی اجارہ داری کی مزاحمت کر سکتا ہے۔ سابق امریکی نائب صدر اور بش کے مقابلے میں صدارت کے امیدوار مسٹر الگور تو کئی بار کہہ چکے ہیں کہ ''کمیونزم کو شکست دینے کے بعد اب ہمارا مقابلہ اسلام کے ساتھ ہے'' اس وقت مقابلہ افغانستان، ملا عمر یا اسامہ کے ساتھ نہیں امریکہ کا نشانہ اسلام ہی ہے۔ پاکستان افغانستان کے مقابلے میں معتدل ملک سہی لیکن دو قومی نظریہ اس کی بنیاد ہے اور اس نظریے کی بنیاد اسلام ہی ہے۔

تصور کیجئے! اگر کل امریکہ انہی دلائل کے زور پر جو اس نے گیارہ ستمبر کو پاکستانی قیادت کے سامنے رکھے تھے، ہمیں کہتا ہے کہ کشمیر کی رٹ لگانا چھوڑ دو۔ موجودہ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد تسلیم کر لو ورنہ تمہیں پتھر کے زمانے میں دھکیل دیں گے، تو ہم کیا کریں گے؟ کیا ہم اس وقت بھی اپنے ایٹمی پروگرام کے تحفظ کے لئے یہ کڑوا گھونٹ پی لیں گے؟ اور پھر اس وقت ہمیں کیا کرنا ہوگا جب امریکہ، سلامتی کونسل کے کسی تازہ وارنٹ کے ساتھ ہمارے دروازے پر دستک دے گا اور کہے گا ''ایٹمی تنصیبات کی کنجیاں ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم سب کچھ بھسم کر ڈالیں گے۔'' کیا زندگی اور موت کے اس معرکہ میں ہمیں ''رومانویت'' کی ضرورت نہیں پڑے گی؟

مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہمارے نامہ اعمال کی تیرگی، مغرب کی زلف میں پہنچ کر حسن بن جاتی ہے۔ جن باتوں کی آڑ لے کر طالبان کو مطعون کہا جاتا ہے، وہ امریکہ میں قانون کی بالادستی اور

Marfat.com

انصاف کی عملداری کہلاتی ہیں۔کوئی خاتون یا مرد صحافی، ویزا یا کسی بھی دوسری قانونی دستاویز کے بغیر، افغانستان میں داخل ہو جائے اور انتظامیہ اسے گرفت میں لے کر پوچھ گچھ کرے تو ساری دنیا طوفان کھڑا کر دیتی ہے اور ہم بھی روشن خیال کے زعم میں شریک احتجاج ہو جاتے ہیں۔کوئی سورما بغیر ویزا امریکی سرحد کے اندر گھس کر دکھائے۔

سابق صدر کلنٹن نے خود انکشاف کیا ہے کہ اکتوبر 1999ء میں انہوں نے اسامہ کے قتل کے احکامات جاری کر دیئے تھے اور اس فرمان پر عمل ہونے ہی والا تھا کہ پاکستان میں حکومت بدل گئی۔تب ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی ایک سو دس منزلیں سلامت تھیں اور پینٹا گان شعلوں کی لپیٹ میں نہیں آیا تھا۔11 ستمبر کو مجرم کا کھرا نیو یارک اور واشنگٹن سے کابل اور قندھار تک نہیں آیا۔یہ کھرا کابل اور قندھار سے وہاں تک پہنچایا گیا ہے۔امریکہ بہانے کی تلاش میں تھا۔کہا جا سکتا ہے کہ طالبان اسامہ حوالے کر کے اس حربے کو ناکام بنا سکتے تھے۔لیکن کیا امریکہ اس کے بعد کوئی اور فرمائش نہ کرتا؟ کیا پھر ملا عمر کا مطالبہ نہ ہوتا؟ یقین جانئے یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا جب تک امریکہ کو اپنا اسلحہ آزمانے کا موقع نہ ملتا۔

امریکہ کو نہ اسامہ سے دلچسپی ہے نہ طالبان کو کابل سے بے دخل کرنے میں۔جب صدر بش اور امریکی پالیسی ساز سالوں اور عشروں تک جنگ جاری رکھنے کی بات کرتے ہیں تو ان کے حقیقی عزائم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔غارت گری کا موجودہ سلسلہ جاری رہا تو چند دنوں بعد افغانستان کسی ذی روح سے عاری ویران سیارہ بن جائے گا ... تو پھر سال اور عشرے کس لئے؟

طالبان نے بلاشبہ خسارے کا سودا کیا ہے لیکن یقین جانئے، فہم و فراست، عقل و دانش اور حکمت و تدبر کا وافر ذخیرہ رکھنے والوں کو بھی، کسی نہ کسی مرحلے، کسی نہ کسی موڑ پر خسارے کا سودا کرنا اور نیم جاں رومانویت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔اکیسویں صدی کے عفریت نے ابھی بہت سی شہ رگوں کا لہو پینا ہے۔افغانستان، عراق، شام، لبنان، انڈونیشیا، ملائشیا، پاکستان، ایران اور نہ جانے کون کون...

اور دانشور دوستوں سے صرف اتنی التماس ہے کہ خدارا، ذخیرہ وں دانش کے باوجود تھوڑا سا جنوں، تھوڑی سی دیوانگی، تھوڑی سی رومانویت باقی رہنے دیجئے کہ یہ خیمہ بھی لٹ جائے تو شام غریباں بڑی کٹھن ہو جاتی ہے۔

[25-10-2001]

Marfat.com

امریکہ کا نظریہ ضرورت

دن اور رات کی تمیز کے بغیر، امریکی میزائل اور بم افغانوں کے پرخچے اڑا رہے ہیں۔ بچے کھچے لوگ پناہ کی تلاش میں سرحدوں کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ بی بی سی کے مطابق جلال آباد اور قندھار جیسے شہروں کی ستر فیصد آبادی نامعلوم منزلوں کی طرف نکل گئی ہے اور امریکہ سائیں سائیں کرتی بستیوں میں وہاں کے ''عوام'' کی امنگوں کے مطابق ایک وسیع البنیاد حکومت تشکیل دینے میں مصروف ہے۔

دنیا کی واحد سپر پاور ہونے کی حیثیت سے امریکہ نے خود ہی یہ استحقاق حاصل کرلیا ہے کہ وہ دنیا کے ایک سو نوے کے لگ بھگ ممالک میں سے جہاں چاہے، اپنی مرضی ومنشا اور پسند کے مطابق حکومت تخلیق کرے۔ وہ جمہوریت کا علمبردار اور عوام کے بنیادی حقوق کا مبلغ ہے۔ اس نے اپنے ملک کے اندر، اپنے آئین کے مطابق ایک نظام وضع کر رکھا ہے جس کے باعث سارے امور مملکت طے شدہ طریقہ ہائے کار کے مطابق چلتے ہیں۔

ایک ''بالغ نظر اور روشن خیال'' عالمی طاقت کے طور پر وہ ہمیشہ اس امر کی تلقین کرتا ہے کہ مختلف ممالک میں جمہوری نظام کارفرما ہو۔ عوام خود اپنی آزادانہ رائے سے اپنے حکمرانوں کا انتخاب کریں لیکن نظریہ ضرورت کے تحت وہ کسی بھی نوع کی حکومت کو سند جواز عطا کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس کی محبوباؤں میں جمہوری، شخصی، فوجی، یک جماعتی، موروثی، شاہی، آمرانہ اور قاہرانہ سبھی قسم کی حکومتیں شامل ہیں۔ کسی بھی حکومت کے لئے امریکہ کے سیاسی حرم میں جگہ پانے کی واحد شرط یہ ہے کہ وہ امریکی عظمت کی قصیدہ خواں اور اس کے عزائم کی پاسباں ہو اور اپنے عوام کے جذبہ واحساس کے بجائے امریکی حکمرانوں کی افتادِ طبع کے مطابق عمل کرے۔

افغانستان پر حالیہ بمباری اور کوچہ وبازار کی تباہ کاری کا مقصد بھی وہاں ایک مستحکم اور ہمہ رنگ حکومت قائم کرنا ہے جسے ''وسیع البنیاد حکومت'' کا نام دیا گیا ہے۔ روس کا عمل دخل ہونے

Marfat.com

کے بعد سے امریکہ کئی بار اس نوع کی حکومت کے قیام کی کوششیں کرتے کرتے طالبان تک پہنچا تھا۔ اس عمل میں کئی سال صرف ہو گئے لیکن پھر معلوم ہوا کہ دینی مدارس کے یہ نوجوان، جو جہاد افغانستان کا اثاثہ تھے، خاصے خودسر واقع ہوئے ہیں لہٰذا انہیں افغانستان کے منظر سے ہٹانے کے مشورے ہونے لگے۔ اس مقدس مشن کا بنیادی محرک یہ بتایا گیا کہ اکثریت کی نمائندگی کرنے کے باوجود طالبان کو پورے افغانستان پر حکمرانی کا حق نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس کے شمال میں ازبک، تاجک اور ہزارے بھی بستے ہیں اور حکومت میں ان کا حصہ ضروری ہے۔ دنیا کی ہر لغت میں جمہوریت کا مطلب اکثریت کا حق حکمرانی ہے۔ خود جارج بش ایک موہوم سی ٹیکنیکل اکثریت کی بدولت صدر امریکہ بنے بیٹھے ہیں لیکن افغانستان کے لئے جمہوریت کا مفہوم، اکثریت کا حق حکمرانی نہیں، ہر نسل، ہر مسلک اور ہر طبقے کی شمولیت ہے۔

یہ معاملہ پچھلے تین سالوں سے گرم ہے۔ اس دوران جتنے بھی عالمی زعما پاکستان تشریف لائے، انہوں نے افغانستان میں وسیع البنیاد حکومت کے قیام کی بات ضرور کی۔ آکاش بیل جیسے بے بنیاد حکمرانوں نے بھی اسے تکیہ کلام بنالیا۔ اقوام متحدہ بھی سرگرم ہوگئی۔ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی تو پینٹا گان اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ملبے سے افغانستان میں ایک وسیع البنیاد حکومت کے خدوخال تراشنے کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ امریکہ اپنی بھرپور عسکری قوت کے ساتھ طالبان پر ٹوٹ پڑا۔ یہ سخت جان لوگ آتش وآہن کی بارش کے باوجود ڈٹے رہے اور اب عالم یہ ہے کہ امریکہ اور روس اپنی سیاہ ہتھیاروں اور طیاروں کے ہمراہ شمالی اتحاد کے شانہ بشانہ آکھڑے ہوئے ہیں۔ جنرل فہیم اور جنرل رشید دوستم کی راہنمائی امریکی اور بھارتی ماہرین کر رہے ہیں۔ ڈالر پانی کی طرح بہائے جارہے ہیں اور اسلحہ کی سپلائی لائن ٹوٹنے نہیں پا رہی۔ امریکی بمبار طیارے طالبان کے اگلے مورچوں پر بمباری کرتے ہوئے، اپنی محفوظ چھتری تلے شمالی اتحاد کو مزار شریف اور کابل کی طرف ہانک رہے ہیں لیکن وسیع البنیادی کی منزل کو جانے والا یہ قافلہ بڑا سست گام ثابت ہو رہا ہے۔ پاکستان نے طالبان کی حکومت کو تسلیم کر رکھا ہے لیکن وہ بھی اپنی تسلیم شدہ حکومت کی آخری ہچکی کے لئے لمحے گن رہا ہے۔ چاروں طرف سے گھرے ان دیوانہ خوبندگان خدا کا دائرہ حکمرانی نوے فیصد افغانستان پر محیط ہے لیکن امریکہ کا کہنا ہے کہ جب تک طالبان مکمل طور پر معدوم نہیں ہو جاتے اور دس فیصد افغانستان پر قابض بھان متی کا کنبہ کابل نہیں پہنچ جاتا، وسیع البنیاد حکومت

Marfat.com

قائم نہیں ہو سکتی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وسیع البنیاد کا مفہوم تاجک، ازبک، ہزارہ اور پختونوں پر مشتمل حکومت نہیں، بلکہ اس سے مراد ایسی سلیقہ شعار اور خوش جمال حکومت کا قیام ہے جس کی دلبرانہ ادائیں بیک وقت امریکہ، روس، بھارت، ایران اور کسی قدر پاکستان کو بھی لبھا سکیں۔ طالبان حکومت گزشتہ چالیس سالوں کے اندر افغانستان میں قائم ہونے والی سب سے مستحکم حکومت تھی جس نے افغانستان میں مرکزیت کا تصور پختہ کیا اور انتشار کا راستہ روکا لیکن وہ صرف پاکستان کی تسکین قلب کا سامان تھی۔ یہی اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی لہٰذا اب ایک ایسی ہر دلعزیز حکومت کی راہ ہموار ہو رہی ہے جس کی دلربائی تمام پڑوسیوں، تمام متعلقہ فریقوں اور سب سے بڑھ کر امریکہ کا دل لبھا سکے۔ یہی '' وسیع البنیادی '' کی اساس ہے۔

بی بی سی اور سی این این کے رپورٹرز محاذ پر بیٹھے شمالی اتحاد کی پیش قدمی کی نوید دے رہے ہیں لیکن طالبان کا سورج غروب ہونے میں نہیں آ رہا۔ چیلیں اور گدھ افغانستان کے جھلسے ہوئے درختوں کی سلگتی شاخوں پر بیٹھے لاش گرنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ پاکستان میں کسی نام نہاد '' اسمبلی برائے امن و جمہوریت '' کا ایک غول جمع ہے۔ روم میں ایک معذور اور مخبوط الحواس بوڑھا عروس اقتدار کی آرزو میں دولہا بنا بیٹھا ہے۔ جس پاکستان کو یقین دلایا گیا تھا کہ شمالی اتحاد کی پیٹھ نہیں ٹھونکی جائے گی، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شکست خواب کا منظر دیکھ رہا ہے۔

آج امریکہ کا نظریہ ضرورت ایک بار پھر حرکت میں ہے۔ افغان آبادیوں پر پانچ پانچ ہزار پونڈ وزنی بموں کی گھن گرج میں، افغان عوام کی آزادانہ مرضی و منشا کے مطابق، ایک وسیع البنیاد حکومت جنم لینے کو ہے۔ اس کے سفارتخانے دنیا بھر میں ہوں گے۔ اس کی آمد کے ساتھ ہی افغانستان میں چار سو رنگ و نور کا سیل اٹھے گا۔ لاکھوں سمارٹ بم اور ہزاروں بارودی سرنگیں پھولوں کی طرح کھل اٹھیں گی۔ کوہ ہندوکش کے سینے سے دودھ اور شہد کے جھرنے پھوٹیں گے۔

اور ہم ملا عبدالسلام ضعیف کو کسی مہاجر کیمپ کی طرف دھکیل کر مطمئن ہو جائیں گے لیکن سنا ہے کہ ضرورت کے تحت تبدیل ہو جانے والے نظریے، ضرورت کے تحت ٹھکانے بھی بدل لیتے ہیں۔

[26-10-2001]

Marfat.com

روح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علامہ اقبال نے ابلیس کی زبان سے پیروکاران ابلیس کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ”افغانیوں کی غیرت دینی کا علاج یہ ہے کہ ”ملا“ کو افغانستان کے کوہ ودمن سے نکال دیا جائے اور موت سے نہ ڈرنے والے ان فاقہ مستوں کے سینے، روح محمد ﷺ سے خالی کردیے جائیں۔“

امریکہ ساری دنیا کو جلو میں لئے ابلیس کے اس فرمان کو روبہ عمل لانے کی کوشش میں ہے لیکن منزل مراد کے آثار دکھائی نہیں دے رہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ابابیلیں بہت دور ”بلندی پر“ سات آسمانوں کے آس پاس اپنے ننھے پر پھڑ پھڑانے لگی ہیں۔ غرور سے تنی گردنیں آہستہ آہستہ جھک رہی ہیں، ”دہشت گردوں“ کو زمین کی اتھاہ گہرائیوں سے نگل لینے کا اعلان کرنے والوں کا لہجہ مرجھا رہا ہے اور ان کے دلوں میں بیٹھی پہاڑوں جیسی نخوت وکدورت روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگی ہے۔ بیس دن اور بیس راتیں گزرنے کو ہیں۔ اس صدی کی سب سے بڑی عسکری قوت یکہ وتنہا کھڑے بے مایہ افغانوں کو کلسٹر بموں سے مار رہی ہے۔ ان کی آبادیوں، ان کے ہسپتالوں، ان کی مسجدوں، ان کے ذخیروں، ان کی بسوں، ان کے خیموں اور ان کی مین کاہوں پر ہر نوع کے بموں کی ہلاکت کاری آزما رہی ہے۔ سورج سوا نیزے پر کھڑا آگ برسا رہا ہے اور قیامت کی اس گھڑی میں طالبان کا سایہ بھی ان کا ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ پاکستان سمیت تمام اسلامی ممالک، عالمی برادری کے کندھے سے کندھا ملائے کھڑے ہیں۔

ابابیلیں ابھی بہت دور ہیں۔ ان کے اترنے میں کچھ وقت لگے گا لیکن امریکی سپاہ کے نائب ڈائریکٹر آف آپریشنز ریئر ایڈمرل سٹفل بیم نے کہا ہے کہ ”میں حیرت زدہ رہ گیا ہوں کہ طالبان کس مضبوطی کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں۔ وہ یقیناً زبردست جنگجو ہیں۔ مجھے تو ملا عمر پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ وہ نوشتہ دیوار سامنے دیکھ کر بھی نتائج سے بے نیاز ہے۔“

Marfat.com

بیس دنوں تک اپنے منہ سے جھاگ اڑانے والے امریکی وزیر دفاع رمز فیلڈ کا کہنا ہے کہ ''اسامہ کو پکڑنا زیادہ مشکل ہے، دنیا بہت بڑی ہے۔ اس میں بے شمار ممالک ہیں۔ اسامہ کے پاس بے تحاشا دولت ہے۔ اس کی حمایت کرنے والے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ اسے قتل کر بھی دیا گیا تو دہشت گردوں کا نیٹ ورک کام کرتا رہے گا۔ طالبان بہت سخت جان ہیں۔ وہ شکست کھانے کے لئے تیار نہیں۔'' امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا ہے کہ ''رمضان کے تقدس کے باوجود حملے جاری رہیں گے۔''

حملے یقیناً جاری رہیں گے کیونکہ طاقت کے نشے میں بدمست لوگ، اپنی شرمناک ہزیمت کو بھی طاقت کے مزید اظہار کی گرد میں چھپا لینا چاہتے ہیں۔ افغانستان میں 90 تنصیبات اور 9 نام نہاد ٹریننگ کیمپوں میں غارتگری کے بعد بھی طالبان اپنے مورچوں میں موجود ہیں۔ امریکی وزیر دفاع نے مہذب دنیا کو یہ خوشخبری بھی سنائی ہے کہ موجودہ گرم جنگ، سرد جنگ کی طرح بہت طویل ہو سکتی ہے۔ امریکہ کو اندازہ نہیں کہ اسے اس طویل جنگ کی کتنی بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ افغانستان پر حملوں کی شکل میں وہ براہ راست تین سو ملین ڈالر روزانہ اس آگ میں جھونک رہا ہے۔ اب تک تیس ہزار سے زائد بم اور میزائل گرائے جا چکے ہیں جن میں سے ہر ایک کی قیمت لاکھوں ڈالرز میں ہے۔ اتنی بڑی جنگی مشینری کو حرکت میں لانے، اس خطے تک پہنچانے اور یہاں موجود رکھنے پر کروڑوں ڈالر خرچ آرہے ہیں۔ اسے پاکستان اور بعض دوسرے ممالک کو ''حق خدمت'' بھی ڈالروں کی شکل میں دینا پڑ رہا ہے۔ امریکی اکانومی پہلے ہی شدید دھچکا کھا چکی ہے اور فوری طور پر اس کے سنبھلنے کے آثار نہیں۔

افغانستان کی پوری معیشت کا حجم چار بلین ڈالر بتایا جاتا ہے جبکہ امریکہ حالیہ مہم کی پہلی قسط چالیس بلین ڈالر کی شکل میں ادا کر چکا ہے۔ صرف اسامہ کی روح قبض کرنے کے لئے ایک بلین ڈالر مختص کئے گئے ہیں۔ خلیج کی چند روزہ جنگ میں امریکہ نے جو ڈرامہ رچایا تھا اس میں نفع ہی نفع تھا۔ سیاسی اور سٹریٹجیکل مفادات کے علاوہ اس نے سعودی عرب سے کم و بیش ایک سو ساٹھ بلین ڈالر اور کویت سے 80 بلین ڈالر وصول کئے۔ کسی نہ کسی کھاتے کے نام پر وصولیوں کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

گولیوں کی بوچھاڑ سے محفوظ رہنے والے لباسوں میں لپٹے اور اندھیروں میں دور تک دیکھنے

Marfat.com

والی مشینی آنکھوں والے امریکی کمانڈوز افغانستان کی زمین پر قدم رکھنے کے تصور سے بھی ہراساں ہیں اور ادھر سرفروشوں کے کارواں تھمنے میں نہیں آ رہے۔ دیر اور بونیر سے ساڑھے سترہ سو مجاہدین کا قافلہ روانہ ہوا تو کھلے میدان میں ماؤں، بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں نے دعاؤں کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔ ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ اپنے سروں پر اپنے بستر اور کندھوں سے اپنی رائفلیں لٹکائے ان رومانوی کرداروں کی رخصتی کے وقت ڈیڑھ من سونا، پچاس لاکھ روپے، منوں چاندی اور سینکڑوں طلائی گھڑیاں ان پر نچھاور کی گئیں۔

یقیناً جذبے، ہتھیاروں کا متبادل نہیں۔ بلاشبہ کروز اور کلسٹر میزائل بے قابو اور بے مہار ہوتے ہیں لیکن بارہ فٹ لمبے کروز میزائلوں کو اپنی مسجدوں کے میناروں پر نصب کرنے اور ان سے بندھے لاؤڈ سپیکروں سے ''اللہ اکبر'' کی صدائیں بلند کرنے والے طالبان کو کون مٹائے گا؟ انہیں حکمرانی سے بے دخل کیا جا سکتا ہے۔ افغانستان کی سرزمین کو ان کی قتل گاہ بنایا جا سکتا ہے۔ کیمیائی ہتھیاروں کے ذریعے کوہ ہندوکش کے غاروں کو اسامہ اگلنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ ملا عمر کو قصہ پارینہ بنایا جا سکتا ہے لیکن اس ''روح محمد ﷺ'' کا کیا بنے گا جو چودہ سو سال سے جوں کی توں موجود ہے اور جو ہر کربلا کے بعد زندہ تر ہو جاتی ہے۔

ابابیلیں ابھی بہت دور، سات آسمانوں کے آس پاس پھڑ پھڑا رہی ہیں لیکن امریکہ کے لئے حیرتوں اور معجزوں کے باب کھل چکے ہیں۔ رمز فیلڈ کو پتہ چل گیا ہے کہ جس دنیا کو وہ اپنے بائیں ہاتھ کی مٹھی میں بند کئے بیٹھے تھے وہ بہت وسیع ہے اور جن طالبان کو وہ چوبیس گھنٹوں میں لقمہ بنانے کا دعویٰ کر رہے تھے وہ شاید عشروں پر محیط سرد جنگ سے بھی طویل تر گرم جنگ کے باوجود فنا نہ ہو سکیں۔

[27-10-2001]

Marfat.com

دوستی کا تازہ سفر

پاکستان میں متعین امریکی سفیر مادام وینڈی چیمبرلین نے اپنے ایک تازہ انٹرویو میں پاکستانی عوام کے لئے گرمجوشی اور تحسین کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ" پاکستان کے لوگ امریکیوں کی حمایت کرتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی اقلیت، چھوٹا سا گروہ ایسا ہے جسے سیاسی جماعتیں آئندہ سال ہونے والے انتخابات کی پیش بندی کے طور پر استعمال کر رہی ہیں۔" انہوں نے یہ بھی کہا کہ" امریکہ یہاں طویل مدت کے لئے آیا ہے اور اس مدت کے دوران ہم پاکستان سے جڑے رہیں گے۔"

امریکہ اور پاکستان کے نئے رومانس اور تازہ دوستی کے حوالے سے مادام نے بہت کچھ کہا ہے۔ ہمارے پاس مادام کے اس دعوے کو جھٹلانے کا کوئی واضح ثبوت نہیں کہ پاکستانی عوام کی کثریت امریکی پالیسیوں کی حامی ہے۔ مادام تو دنیا کی واحد سپر پاور کی نمائندگی کرتی ہیں اور ان کا فرمایا ہوا بہر حال مستند ٹھہرتا ہے۔ ہم تو کسی کا بھی یہ دعویٰ جھٹلانے کی پوزیشن میں نہیں کہ اکثریت اس کے ساتھ ہے۔ مادام کے علاوہ دیگر امریکی زعماء کے شیریں لبوں سے بھی مسلسل پھول جھڑ رہے ہیں لیکن عوام کے دلوں میں بداعتمادی مستقل طور پر بکل مارے بیٹھی ہے اور پاکستانی قیادت بھی یکسوئی کا اظہار نہیں کر رہی۔ پہلے وزیر خارجہ عبدالستار نے کہا کہ" امریکہ 1990ء والی بے رخی دوہرا سکتا ہے اور میں اس ضمن میں کوئی ضمانت نہیں دے سکتا" اب صدر مشرف نے بھی ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ" پاکستان کے عوام امریکہ پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

کچھ لوگ امریکہ کی بے وفائی اور بے مروتی کا شکوہ کرتے وقت ماضی کا سہارا لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ 1962ء میں چین بھارت جنگ کے دوران ہمارے لئے کشمیر کا قضیہ چکانے کا سنہری موقع پیدا ہو گیا تھا لیکن امریکہ نے کہا" صبر کرو۔ میں تمہیں کشمیر دلوا دوں گا" ہم صبر کر کے

Marfat.com

بیٹھ گئے اور اب تک بیٹھے ہوئے ہیں۔

1965ء میں ہمیں موت و حیات کا معرکہ درپیش ہوا تو امریکہ برسوں پر محیط دوستی کو ایک طرف رکھ کر حیلہ سازی اور بہانہ جوئی کرتا رہا۔ 1971ء میں اس کے بحری بیڑے دسمبر کی سرد راتوں میں کھلے سمندروں پر۔ کھلی چاندنی سے دل بہلاتے رہے اور پاکستان دولخت ہو گیا۔ 1990ء کی دہائی میں ہم نے اس کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر روسیوں کو شکست دی اور جب پیچھے پلٹ کر دیکھا تو امریکہ کہیں نظر نہ آیا۔ یہ اور اس طرح کے کئی دوسرے واقعات کا سہارا لے کر ''مایوس عناصر'' بدگمانیاں پھیلاتے اور امریکہ کی وفا شعاری پر بداعتمادی کا اظہار کرتے ہیں۔ تاہم اب امریکہ نے کہا ہے کہ ''ماضی'' پر مٹی ڈالو آگے دیکھو ہم کس طرح دوستی نباہتے اور وفا شعاری کی روایت کو نئی رفعتوں سے ہمکنار کرتے ہیں'' سو ہم نے ماضی پر مٹی ڈال کر دوستی کے نئے سفر کا آغاز کر دیا ہے۔ اس سفر کو اب ایک ماہ سترہ دن ہو گئے ہیں۔ ان 47 دنوں کی رفاقت میں ہی امریکہ نے ہمیں باور کرا دیا ہے کہ وہ واقعی ہم سے مخلص ہے اور پاکستان کو صدق دل کے ساتھ ترقی و خوشحالی کی معراج کمال تک پہنچانے کا آرزومند ہے۔

11 رستمبر کے فوراً بعد گرمجوش دوستی کا نیا سفر شروع ہوتے ہی پاکستان نے کہا کہ ''ہماری جاںنثاری اور خدمت شعاری شک وشبہ سے بالاتر ہے لیکن ظالم سماج کا منہ بند کرنے کے لئے ہمیں اسامہ کے خلاف کچھ ثبوت فراہم کر دو'' امریکہ نے فوراً یہ ثبوت فراہم کر دیئے جس پر صدر مشرف نے کہا کہ ہمیں قابل قدر ثبوت دکھا دیئے گئے ہیں۔ دفتر خارجہ کے ترجمان نے مزید کہا کہ'' ان ثبوتوں کی بنیاد پر کسی بھی عدالت میں اسامہ کے خلاف فرد جرم عائد کی جا سکتی ہے۔'' امریکہ اور برطانیہ نے اگلے ہی دن اعلان کیا کہ'' اسامہ کے خلاف دستیاب ثبوتوں کی بنا پر ہمارے مروجہ قانون کے تحت ہماری عدالتوں سے سزا نہیں دلوائی جا سکتی'' صدر مشرف نے قوم کو یقین دلایا کہ ''امریکہ نے افغانستان میں جنگی مہم مختصر رکھنے کا یقین دلایا ہے۔ جارج بش نے مخصوص فرعونی لہجے میں کہا'' مجھے نہیں معلوم پاکستانی جنرل کو یہ کس نے بتایا جنگ کئی سالوں تک جاری رہ سکتی ہے'' ہم نے اپنے عوام کے زخموں پر پھاہا رکھنے کی کوشش میں اعلان کیا'' امریکی حملے صرف مخصوص اہداف پر ہوں گے'' امریکہ نے جواباً ہسپتالوں، ریڈ کراس کے مرکز، خوراک کے گوداموں، عبادت گاہوں اور بستیوں کا بھرکس نکال دیا۔ ہم نے کہا'' شمالی اتحاد کی حوصلہ افزائی کسی قیمت پر

Marfat.com

برداشت نہیں کی جائے گی۔ امریکہ نے یہ یقین دلایا ہے کہ پاکستان کے تحفظات کا خیال رکھا جائے گا۔'' کولن پاول نے اعلان کیا کہ'' پاکستان کو افغانستان میں اپنی پسند کی حکومت کے لئے ڈکٹیشن دینے کا حق حاصل نہیں'' ہماری خواہش کے احترام میں امریکہ کے فوجی ماہرین شمالی اتحاد کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ امریکی فضائیہ ان کے سروں کا سائبان بن گئی اور آج'' امریکہ اور شمالی اتحاد'' یک جان و دو قالب ہیں۔ ہم نے کہا'' امریکہ نے یقین دلایا ہے کہ کشمیر میں ہمارے مفادات کو نقصان نہیں پہنچے گا اور وہاں جاری تحریک آزادی کو دہشت گردی کا نام نہیں دیا جائے گا۔'' امریکہ نے حرکت المجاہدین، جیش محمد، الرشید ٹرسٹ اور رابطہ ٹرسٹ پر پابندی لگا دی اور کولن پاول نے جسونت سنگھ کے ہمراہ اعلان کیا کہ'' ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور سری نگر کی دہشت گردی ایک جیسی ہے۔ افغانستان کے بعد دنیا بھر میں دہشت گردی کے خلاف کارروائی ہو گی۔'' صدر مشرف نے کہا'' ماڈریٹ طالبان کو برداشت کیا جا سکتا ہے'' امریکہ نے جواب دیا'' نئی افغان حکومت میں ماڈریٹ طالبان کی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔ طالبان لیڈر شپ میں کوئی ماڈریٹ نہیں۔'' ہم نے کہا یہ گارنٹی ہے کہ امریکہ واپس چلا جائے گا۔ امریکہ نے کہا کہ'' میں اپنے نئے دوست کے ہجر و فراق کا صدمہ نہیں سہہ سکتا اور'' مدتوں قیام کروں گا'' ہم نے عرضی گزاری رمضان میں بے گناہ مسلمانوں کا خون نہ بہایا جائے جواب ملا'' رمضان میں جنگ جاری رہے گی۔ مسلمان خود رمضان میں جنگیں لڑتے رہے ہیں۔'' ہم نے کہا'' کم از کم ہمارے قرضے تو معاف کر دو۔'' بتایا گیا'' ایسا ممکن نہیں۔'' مادام وینڈی چیمبرلین سے پوچھا گیا'' صدر پاکستان نے کہا ہے کہ اقتصادی بحران سے نکلنے کے لئے سو بلین ڈالر درکار ہوں گے'' مادام نے مسکراتے ہوئے کہا'' صرف پاکستان ہی اس صورت حال سے دوچار نہیں۔''

دوستی کے اس تازہ سفر نے ہمیں اور بھی بہت کچھ دیا ہے۔ سینتالیس دنوں میں پانچ بلین ڈالر رومانس کے اس مرحلہ تازہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ خزاں کے اس موسم میں ہمارے لئے تسکین کا واحد پہلو امریکہ کی گرمجوشی اور تحسین کے جذبات ہیں۔ یہ تصور ہی ہمارے پہلو کو گرمانے کے لئے کافی ہے کہ'' امریکہ ہم سے جزار ہے گا۔''

رہی چھوٹی سی اقلیت، تو وہ جشن بہاراں کا منظر دیکھتے ہی راہ راست پر آ جائے گی۔

[28-10-2001]

Marfat.com

کہوٹہ کا کھرا

بے یقینی کی گرد اڑتی ہے تو سچ اور جھوٹ کی پہچان کھو جاتی ہے۔ افواہیں مصدقہ خبروں کا روپ دھار لیتی اور ٹھوس حقائق، گلی کوچوں کی خانہ ساز افواہیں قرار دے کر نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔ ان دنوں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے جس کے سبب کنفیوژن کی دھند گہری ہو رہی ہے اور ہیجان بڑھتا جا رہا ہے۔

برطانوی ذرائع ابلاغ نے الزام لگایا ہے کہ اسامہ بن لادن کے پاس ایٹمی مواد موجود ہے جو پاکستان سے حاصل کیا گیا ہے۔ ''دی ٹائمز'' میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق کئی سال قبل اس بات کے شواہد مل گئے تھے کہ اسامہ بن لادن کے ساتھی نیوکلیئر سسٹم خریدنے، چوری کرنے یا سمگل کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ انٹیلی جنس ذرائع کو خدشہ ہے کہ یہ لوگ ریڈیو ایکٹو میٹریل حاصل کر چکے ہیں۔

اس نام نہاد رپورٹ سے ایک دن پہلے امریکی وزیر خارجہ کولن پاول اور برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیئر نے ایک ہی بات ایک ہی جیسے الفاظ میں کہی کہ ''ایٹمی اور کیمیائی ہتھیار دہشت گردوں کے ہاتھ لگ سکتے ہیں۔'' اسی دن یہ اطلاع بھی آئی کہ امریکی سینٹ کی امور خارجہ کمیٹی کے چیئرمین سینٹر جو بینڈن کے مطابق صدر بش ارکان کانگریس سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں صلاح مشورے کر رہے ہیں۔ اس مشاورت کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ جنرل مشرف کی حکومت ختم ہونے کی صورت میں پاکستان کی ایٹمی صلاحیت اور ایٹمی اثاثوں کو غیر موثر بنا دیا جائے۔

یہ سب کچھ عین ان دنوں ہوا جب پاکستان میں نیوکلیئر پروگرام کے کنٹرول اینڈ کمانڈ سسٹم کے حوالے سے صدر مشرف نے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس کی صدارت کی۔ اس اجلاس کے بعد حکومت

Marfat.com

نے سسٹم کے تحفظ اور دیگر پہلوؤں کے بارے میں کامل اطمینان کا اظہار کیا۔ وزارت خارجہ کے ترجمان ریاض محمد خان نے مغربی ذرائع ابلاغ کی تراشیدہ خبروں کو مضحکہ خیز اور بے بنیاد قرار دیا۔

پاکستان کا نیوکلیئر پروگرام چودہ کروڑ پاکستانیوں کا ایسا خواب ہے جس کی تعبیر کے لئے انہوں نے بڑے جتن کئے۔ اس ''رومانویت'' کے لئے انہوں نے ترقی و خوشحالی کی لاتعداد امنگوں اور معاشی آسودگی کی ان گنت آرزوؤں کی قربانی دی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی تصویر، ضیاء الحق کی تعبیر اور نواز شریف کے اعلان تکبیر تک قوم سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑی رہی۔ پاکستان کی مسلح افواج نے ایک ادارے کی حیثیت میں ایٹمی پروگرام کے تحفظ اور نشوونما کے لئے تاریخی کردار ادا کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں خزاں رسیدہ پتوں کی طرح جھڑتی حکومتوں کے باوجود فوج نے ایٹمی پروگرام کو تسلسل فراہم کیا، اس کی پاسبانی اور اس کے تقاضوں کو سیاسی بازیگری سے بالاتر رکھا۔ پاکستان کو بے بال و پر رکھنے کی خواہشمند طاقتوں نے دباؤ، ترغیب اور تحریص کا ہر حربہ آزمایا لیکن ایٹمی پروگرام قومی تفاخر کی سب سے توانا علامت کے طور پر سیاستدانوں، فوج اور عوام کے مشترکہ عزم کے سہارے آگے بڑھا اور پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

1998ء میں بھارتی دھماکوں کے بعد پاکستان شدید عالمی دباؤ کی زد میں آ گیا تھا۔ امریکہ کے صدر نے پانچ مرتبہ وزیراعظم نواز شریف سے بات کی۔ جب بھی اس گفتگو کا مصدقہ ریکارڈ منظر عام پر آئے گا تو عوام کو اندازہ ہوگا کہ مئی 98ء میں کلنٹن کا لب ولہجہ، گیارہ ستمبر والے جارج بش کے لب و لہجے سے مختلف نہیں تھا لیکن اس وقت بے مثال قومی اتفاق رائے نے حکمرانوں کی مشکل آسان کر دی تھی۔ حکومت، فوج اور عوام نے ایک دوسرے کی آواز میں آواز ملا کر ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا اور پاکستان کا نام پہلی اسلامی ایٹمی قوت کے طور پر نقش کر دیا۔

قوم آج بھی اس ضمن میں پوری طرح یکسو ہے۔ سیاستدان راندۂ درگاہ ہو جانے کے بعد بھی پاکستان کی کلاہ افتخار کی اس کلغی کا دفاع چاہتے ہیں اور فوج اب بھی ایک ادارے کے طور پر ایٹمی پروگرام کے تحفظ کا ناقابل شکست عزم رکھتی ہے۔ ہر پاکستانی کو یقین ہے کہ کوئی فرد، کوئی گروہ، کوئی جمہوری یا غیر جمہوری حکومت اور کوئی ادارہ قومی ناموس کا سودا نہیں کر سکتا لیکن تیز ہواؤں کے موسم میں جب پھول ایکا ایکی جھڑنے لگتے ہیں اور سبزہ زاروں کی ہریالی بے سبب پیلی پڑنے لگتی ہے تو دل خواہ مخواہ کسی نامہرباں رت کے خوف سے بھر جاتے ہیں۔ امریکہ اور اس کے

Marfat.com

اتحادیوں نے افغانستان کے پہاڑوں سے سر پھوڑنے کے بعد اچانک ایٹمی اور کیمیائی ہتھیاروں کا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے۔ ہمیں ہمیشہ ایک ڈھیلی ڈھالی، غیر منضبط، سطحی جذبوں کی حامل طفلانہ سی ریاست کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہ تاثر بار بار پھیلایا گیا کہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت محفوظ ہاتھوں میں نہیں...... وہ کسی بھی وقت، کسی بھی شخص کے ہاتھ لگ سکتی ہے اور وہ اس سے مسلح ہو کر کہیں بھی قیامت بپا کر سکتا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف حالیہ مہم کا سیلاب بلا جن منزلوں سے ہو کر گزرے گا ان میں پاکستان کی ایٹمی صلاحیت بھی شامل ہے۔ انہونیوں کی آندھی تیز تر ہوتی جارہی ہے۔ 11 ستمبر سے قبل وسوسوں کا مارا کوئی قنوطی شخص یا افق پار تک دیکھنے والا کوئی دوربین مدبر اس منظر کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان، امریکہ کا اہم ترین حلیف بن کر پڑوس کے ایک درماندہ اسلامی ملک کی غارت گری میں شریک ہو جائے گا۔ نیویارک اور واشنگٹن کے حادثے ہمیں اس کھائی میں گرا گئے اور بے شمار اندیشوں کے بیج بو گئے۔ نہ جانے کب کہونہ کا کھرا کسی اور ''11 ستمبر'' تک پہنچا دیا جائے اور ہم بھی طالبان کی طرح ایک دشت بے اماں میں کھڑے ہوں۔ ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ ''عالمی برادری'' دست قاتل پر بیعت کر چکی ہے اور امت مسلمہ ''طلسم وہم وگماں'' کے سوا کچھ نہیں۔

[29-10-2001]

Marfat.com

جوابدہی!

مسلم لیگ (ن) کے قائم مقام صدر، برادرِ عزیز جاوید ہاشمی نے پر جوش ''حرف ستائش'' کے بعد بڑی سلیقہ مندی سے میری توجہ 25/اکتوبر کو شائع ہونے والے کالم ''رومانویت اور طالبان 2'' کے ان الفاظ کی طرف مبذول کرائی ہے۔

''سابق صدر کلنٹن نے خود انکشاف کیا ہے کہ اکتوبر 1999ء میں انہوں نے اسامہ کے قتل کے احکامات جاری کر دیئے تھے اور اس فرمان پر عمل ہونے ہی والا تھا کہ پاکستان میں حکومت بدل گئی۔''

ہاشمی صاحب کے بقول اس جملے سے یہ غلط تاثر ملتا ہے کہ میاں نواز شریف کی حکومت کسی امریکی پلان کا حصہ تھی جو اس حکومت کے ختم ہو جانے کے بعد پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ انہوں نے اپنے نقطۂ نظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور توقع ظاہر کی کہ مناسب انداز میں اس کی وضاحت کر دی جائے گی۔ اگلے دن مسلم لیگ (ن) کے بازیاب سیکرٹری اطلاعات جناب صدیق الفاروق نے دوبارہ یاددہانی کے ساتھ مجھے سابق صدر کلنٹن کی گفتگو پر مشتمل ایک تراشہ فیکس کیا۔ یہ روزنامہ ''نیشن'' کے 24/ستمبر کے شمارے میں شائع ہونے والی اے ایف پی کی سٹوری کا عکس ہے جس کے متعلقہ حصے کے الفاظ یہ ہیں:

"I authorised the arrest and if necessary, the killing of Osama Bin Laden, and we actually made contact with a group inside Afghanistan to do it. They were unsuccessful, he added. Clinton said that his adminstration also began training commandos for a possible ground assault aimed at

Marfat.com

capturing or killing Osama, but the adequate intelligence and support from key international govermments was lacking."

''میں نے اسامہ بن لادن کو گرفتار کرنے اور اگر ضروری ہو تو ہلاک کرنے کا اختیار دے دیا تھا اور دراصل ہم نے اس کام کے لئے افغانستان کے اندر ایک گروپ سے رابطہ بھی قائم کر لیا تھا لیکن وہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے۔'' کلنٹن نے کہا کہ ان کی انتظامیہ نے ممکنہ زمینی حملے کے لئے کمانڈوز کو تربیت دینے کا کام بھی شروع کر دیا تھا جس کا مقصد اسامہ کو پکڑنا یا ہلاک کرنا تھا لیکن کلیدی اہمیت رکھنے والی بین الاقوامی حکومتوں سے کافی معلومات اور تعاون حاصل نہ ہو سکا۔''

اس اقتباس کے حوالے سے جناب جاوید ہاشمی نے ان نکات کو نمایاں کیا۔

(1) یہ کہ صدر کلنٹن نے کہیں بھی پاکستان یا میاں نواز شریف کا ذکر نہیں کیا۔

(2) جس گروپ کا حوالہ دیا گیا اسے افغانستان کے اندر بتایا گیا ہے۔

(3) صدر کلنٹن نے خود اعتراف کیا ہے کہ کلیدی اہمیت رکھنے والی حکومتوں نے نہ تو کافی معلومات فراہم کیں، نہ تعاون کیا۔

(4) ان حکومتوں میں یقیناً کلیدی اہمیت رکھنے والی پاکستانی حکومت بھی شامل تھی۔

میں معذرت خواہ ہوں کہ صدر کلنٹن کی گفتگو کا درست ریکارڈ پیش نظر نہ ہونے کے باعث ایک غلط تاثر پیدا ہوا۔

ہاشمی صاحب کا قرض تو ادا ہو گیا لیکن جناب کلنٹن نے جو کچھ کہا اس میں ہمارے لئے غور و فکر کا خاصا سامان موجود ہے۔ انہوں نے کس فخریہ انداز میں انکشاف فرمایا ہے کہ ''میں نے اسامہ کو گرفتار کرنے اور اگر ضروری ہو تو ہلاک کرنے کا اختیار دیا تھا۔'' اب تک اسامہ بن لادن پر کسی بھی واردات کے حوالے سے کسی بھی عدالت میں نہ کوئی مقدمہ چلا نہ سزا ہوئی لیکن امریکی صدر نے خفیہ طور پر ان کے قتل کا حکم جاری کر دیا اور اجرتی قاتلوں کی تربیت شروع کر دی۔

دو روز قبل برادرم اعجاز الحق نے اسلام آباد میں نوائے وقت، نیشن لیڈر شپ لیکچرز کے دوران ایک واقعہ بیان کیا جس کے وہ عینی شاہد بلکہ شریک تھے۔ اردن کے شاہ حسین کے جنازے میں شرکت کے لئے اس وقت کے وزیر اعظم میاں نواز شریف کی سربراہی میں جو وفد عمان گیا اس

Marfat.com

میں جناب اعجاز الحق اور جناب سرتاج عزیز بھی شامل تھے۔ وفد کی ملاقات برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیئر سے بھی ہوئی۔ رسمی جملوں کے بعد میاں نواز شریف نے ٹونی بلیئر سے کہا ''جناب وزیراعظم! میں ایک اہم مسئلے پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں اپنا ایک شہری مطلوب ہے جو آپ کے ملک میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے منظم دہشت گردی کی بے شمار وارداتیں کی ہیں اور باقاعدہ ایک نیٹ ورک قائم کر رکھا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اپنے ملکی قانون کے مطابق اس کا محاسبہ کر سکیں۔'' ٹونی بلیئر بے توجہی سے کبھی چھت کے نقش و نگار، کبھی دیواروں کی میناکاری کا جائزہ لیتے رہے۔ میاں صاحب کی بات ختم ہوئی تو وہ بولے ''میں نے تو اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔'' پھر انہوں نے سوالیہ نظروں سے پہلو میں بیٹھے اپنے مشیر کی طرف دیکھا۔ مشیر فلسفیانہ انداز میں میاں صاحب سے مخاطب ہوا ''جناب وزیراعظم! بات یہ ہے کہ اس طرح کے معاملات کا فیصلہ ہمارا ہوم ڈیپارٹمنٹ کرتا ہے اور شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ ہمارا ہوم ڈیپارٹمنٹ، 10۔ ڈاؤننگ سٹریٹ سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔''

یقیناً برطانیہ اور امریکہ کے سارے ڈیپارٹمنٹ اور سارے ادارے، اپنے ملک کے آئین، قانون اور ضابطوں کی وجہ سے بے حد مضبوط ہیں۔ امریکی صدر اور وزیراعظم آئینی و دستوری شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور وہ کسی ڈرائیور کا چالان بھی نہیں چھڑوا سکتے لیکن باہر کی دنیا کے لئے وائٹ ہاؤس اور 10۔ ڈاؤننگ سٹریٹ دہشت گرد مافیا کے ایسے اڈے ہیں جو کسی بھی ملک پر قہر بن کر ٹوٹ سکتے اور کسی بھی شخص کی گردن اڑا دینے کا حکم نامہ جاری کر سکتے ہیں۔ وہ دنیا کے آزاد اور خود مختار ملکوں کو مخاطب کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ''فیصلہ کر لو...... یا تم ہمارے ساتھ ہو یا پھر دہشت گردوں کے ساتھ'' انہیں کوئی نہیں بتا سکتا کہ ہمارے بھی کچھ قاعدے اور ضابطے ہیں۔ ہم بھی کوئی نظام اور دستور رکھتے ہیں۔ ہم بھی کسی کے سامنے جوابدہ ہیں۔ ہم بھی......

لیکن کیا ہم واقعی کوئی قاعدہ اور ضابطہ رکھتے ہیں؟ کیا ہمارا بھی کوئی نظام اور دستور ہے؟ کیا ہم بھی کسی کے سامنے جوابدہ ہیں؟ جب عالم یہ ہو کہ نیل کے ساحل سے کاشغر کی خاک تک رنگا رنگ شخصی حکومتوں کا مینا بازار سجا ہو، قاعدے اور ضابطے حکمرانوں کے اشارۂ ابرو سے بندھے ہوں، آئین اور دستور فولادی الماریوں میں مقفل ہوں تو ہم امریکہ کے سوا کس کے سامنے جوابدہ ہو سکتے ہیں؟

[31-10-2001]

Marfat.com

جناب معین حیدر سے التماس

لاہور میں ڈسٹرکٹ اسمبلی سے خطاب کے بعد ایک سوال کے جواب میں وفاقی وزیر داخلہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) معین حیدر نے کہا ہے کہ وہ افغانستان میں شہید ہونے والوں کے لئے ''ہلاک'' کا لفظ استعمال کرنے کے بارے میں پاکستان ٹیلی ویژن کے حکام سے بات کریں گے۔ نہ معلوم یہ خبر آتش بجاں افغانیوں تک پہنچی ہے کہ نہیں۔ وہاں تو فضاؤں میں تیرتی آہنی مشینیں پہاڑوں کو روئی کی طرح ''دھن'' رہی ہیں۔ طالبان کے اگلے مورچوں پر مسلسل گیارہ گیارہ گھنٹے بمباری ہو رہی ہے۔ اب تک دس لاکھ ٹن فولاد اور بارود برسایا جا چکا ہے لیکن پیوند لگے کپڑوں والے فاقہ مست ڈٹے ہوئے ہیں۔ القابات اور خطابات سے بے نیاز لوگ زندہ رہے تو پتھروں کی اوٹ، کچے گھروندوں کی آڑ اور کوہساروں کی پناہ گاہوں سے اپنی سرزمین کا تحفظ کرتے رہیں گے اور مر گئے تو حد سود و زیاں سے آگے نکل جائیں گے......

جو رُکے تو کوہِ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے

ان جری افغانوں کی داستانیں صدیوں سے کہی جا رہی ہیں اور دیر تک کہی جاتی رہیں گی۔ وہ 1980ء کی دہائی میں ایک سپر پاور کے سامنے دیوار بن گئے اور آج 2000ء کی دہائی میں واحد بچ جانے والی سپر پاور کے قہر و غضب کا مجاہدانہ پامردی سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ ان کا مطلوب و مقصود نہ مال غنیمت ہے نہ کشور کشائی۔ ''آزادی یا موت'' کے درمیان سے ایک راستہ شمالی اتحاد کے آسودہ حال خیموں کی طرف بھی نکلتا ہے جہاں زمانہ امن سے بھی زیادہ آسائشیں ہیں۔ موسم کی شدت سے محفوظ رہنے کے اسباب ہیں، ڈالروں کی ریل پیل ہے، سر پر امریکی طیاروں کا سائبان، جسموں پر نئی کمانڈو وردیاں اور پیٹھ پر بندھے تھیلوں میں ہائی انرجی بسکٹوں کے پیکٹ ہیں۔ طالبان چاہیں تو اسامہ بن لادن کا سر پلیٹ میں رکھ کر جارج بش کی خدمت عالیہ میں پیش

Marfat.com

کر سکتے ہیں اور کم از کم وقتی طور پر ڈھیروں مراعات حاصل کر سکتے ہیں لیکن جب زندگی کا تصور ''سالگرہوں'' سے وابستہ نہ ہو تو صاحب ایمان لوگوں کے لئے راستے بند ہو جاتے ہیں۔

یہ کئی برس پہلے کی بات ہے۔ تب لیفٹیننٹ جنرل (ر) عمران اللہ خان راولپنڈی کے کور کمانڈر تھے۔ سیاچین کے بارے میں میرا ایک مضمون پڑھ کر انہوں نے ملاقات کی دعوت دی اور میرے لئے خصوصی طور پر دورۂ سیاچین کا اہتمام کیا۔ شگفتہ بیاں صاحب قلم، کرنل اشفاق حسین اس وقت میجر تھے۔ ان کی رفاقت میں مجھے دنیا کے بلند ترین محاذ جنگ پر، بہ یک وقت فطرت اور دشمن سے معرکہ آراء مجاہدوں سے ملنے، ان سے باتیں کرنے، ان کے جذبۂ بے کراں اور شوق فراواں کی تپش کو بہت قریب سے محسوس کرنے کا موقع ملا۔ لاہور میونسپل کارپوریشن کے سابق ایڈمنسٹریٹر بریگیڈیئر (ر) یعسوب ڈوگر ان دنوں بریگیڈ کمانڈر کے طور پر فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ سیاچین کے پہلے اہم پڑاؤ کی ٹھٹھرتی رات کے اولین لمحوں میں، انہوں نے پاک فوج کے ایک نوجوان کپتان کی کہانی سنائی۔ جواں سال کپتان کسی بڑے شہر کی پر آسائش چھاؤنی میں تعینات تھا اور بڑی دور سے بریگیڈئر صاحب کے کسی گہرے دوست کا سفارشی رقعہ لایا تھا۔ سخت فوجی ڈسپلن کے قائل بریگیڈ کمانڈر کو کپتان کی یہ ادا پسند نہ آئی، جو نہ جانے کس طرح کی سفارش لے آیا تھا۔ اسے ملاقات کا موقع ملا۔ سفارشی رقعہ کمانڈر کو دے کر نوجوان فوجی انداز میں مستعد کھڑا ہو گیا۔ رقعہ پڑھ کر بریگیڈئر نے کپتان پر نگاہ ڈالی جس کی بڑی بڑی آنکھیں چھلک جانے کو تھیں۔ وہ یہ سفارش لے کر آیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس کی پوسٹنگ سیاچین کر دی جائے۔ وہ دشمن سے پنجہ لڑانا چاہتا ہے اور اس کے دل میں شہادت کی آرزو مچل رہی ہے۔ یہ کہانی سناتے وقت بریگیڈئر ڈوگر کی اپنی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔

واپسی کے سفر کے لئے جب ہمارا ہیلی کاپٹر سیاچین کی ایک برف پوش چوکی سے سکردو کے لئے اڑا تو اس میں دو شہیدوں کی میتیں بھی تھیں۔ پاکستان کے یہ دو جواں سال بیٹے بھارتی فوج کے ساتھ شدید معرکے میں جاں بحق ہو گئے تھے۔ دونوں کے سینے چاک تھے اور ان کے سروں پر جنت کی ملکوتی فضاؤں کا عکس، حد نظر تک پھیلے برف زاروں میں لہو رنگ شفق کی طرح کھل اٹھا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہیلی کاپٹر لطیف بادلوں کے ہلکے پھلکے ٹکڑے کی طرح تیر رہا ہے اور چاروں طرف جاودانی نغموں کی گونج رچ بس گئی ہے۔ سات سال بعد جب ہم ہرات سے

Marfat.com

قندھار جا رہے تھے تو اس طیارے میں بھی ایک ''شہید'' کی میت رکھی تھی۔ میں سوچنے لگا۔ یہ شہید یقیناً پروفیسر ربانی، حکمت یار، احمد شاہ مسعود یا سیاف کے کسی سپاہی کا نشانہ بنا ہوگا۔ نشانہ بننے اور نشانہ بنانے والے، دونوں برسوں اکٹھے روس کے خلاف لڑتے رہے ہوں گے۔ دونوں ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگا کر ایک دوسرے کے مدمقابل آئے ہوں گے۔ میں کس کو قاتل کہوں اور کس کے سینے پر شہادت کا تمغہ سجاؤں؟ شعوری کوشش کے باوجود نہ کہیں شفق کھلی، نہ جاودانی نغموں کی گونج سنائی دی۔

لیکن وہ سرفروش جو سات سمندر پار سے آئی ایک سفاک سپاہ کا لقمہ بن رہے ہیں، وہ جوانمرد جو بے سروسامانی کے باوجود ایک لافانی نظریئے اور اپنی ارض وطن کے تحفظ کے لئے قربان ہو رہے ہیں، وہ عفت شعار خواتین اور وہ معصوم بچے جو کچے گھروندوں میں بیٹھے ایک غارت گر کا نشانہ بن رہے ہیں...... انہیں کیا نام دیا جائے؟

مجھے بہت سے خطوط ملے ہیں جن میں پوچھا گیا ہے کہ ''پی ٹی وی طالبان کی تنصیبات اور مورچوں کو دہشت گردوں کے ٹھکانے کیوں کہتا ہے؟ امریکی بموں اور میزائلوں کا نشانہ بننے والوں کو شہید کہنے سے کیوں ڈرتا ہے؟ نیوز کاسٹرز امریکی طیاروں کی بمباری کا ذکر اس جوش و جذبہ کے ساتھ کیوں کرتے ہیں جس جوش و جذبہ کے ساتھ شکیل احمد ہلواڑہ اور پٹھان کوٹ پر حملوں کی خبریں پڑھتا تھا؟''

میرے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں۔ میں خط لکھنے والوں سے یہ بھی نہیں پوچھ سکتا کہ اگر ہم افغانوں کو شہید کہنا شروع کر دیں تو اپنے لئے کون سا لقب تجویز کریں گے؟ تاہم میں محترم معین حیدر صاحب سے، اپنے دیرینہ تعلق خاطر کا واسطہ دے کر، درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اس طرح کے کسی بکھیڑے میں نہ پڑیں۔ اپنی توجہ قاضی حسین احمد کے ساتھ مناظرے پر مرکوز رکھیں۔ آہنی عزم و یقیں، ناقابل شکست قوت ایمانی اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں جیسی جوانمردی کے ساتھ اکیسویں صدی کی تاریخ کا روشن دیباچہ رقم کرنے والے شہیدوں کی معصوم روحوں کو خبرناموں کے بے روح الفاظ کی آلودگی سے پاک رہنے دیں۔ ''کشتگان خنجر تسلیم'' اخباروں کی سرخیوں اور خبرناموں کے خطابات سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

[01-11-2001]

Marfat.com

ہم بھی کیا لوگ ہیں؟

نہ جانے کیوں، غریب کی خوبرو بیٹی کی طرح ہماری ایٹمی صلاحیت چوپالوں کا موضوع اور اوباشوں کی حریص نگاہوں کا سامان بنتی جا رہی ہے۔ بھارت میں انتہا پسند ہندوؤں کی حکومت ہے اور ریاستی دہشت گردی ان کی سرشت میں شامل ہے لیکن کوئی بھارتی ایٹم بم کا نام بھی نہیں لیتا۔ وہ دنیا کی نظروں میں ایک ذمہ دار اور بالغ نظر جمہوری ریاست کے طور پر جانا جاتا ہے اور ہم جذبات کی بے ہنگم لہروں کے ساتھ بہنے والی ایسی قوم سمجھے جا رہے ہیں جو کسی بھی وقت ایٹمی کھلونے سے چھیڑ چھاڑ شروع کر سکتی ہے۔ گزشتہ چند دنوں سے امریکی ذرائع ابلاغ نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ ہماری ایٹمی صلاحیت نام نہاد دہشت گردوں کے ہاتھ لگ جانے کا خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے اور یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ حکومت میں کسی تبدیلی کے سبب ساری دنیا ایٹمی حملوں کے خطرے سے دوچار ہو جائے گی۔

حکومتی سطح سے واضح بیانات کے باوجود، اب ایک بار پھر وزیر خارجہ جناب عبدالستار کو ایٹمی صلاحیت کی ''عفت و پاکبازی'' کا یقین دلانے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ انہوں نے بجا طور پر دنیا کو یقین دلایا ہے کہ ''ایٹمی پروگرام کے بارے میں کیے گئے انتظامات لیک پروف ہیں۔ یہ خدشہ کہ ایٹمی ہتھیار انتہا پسندوں کے ہاتھ لگ جائیں گے، بے بنیاد ہے۔ سیکورٹی، کمانڈ اینڈ کنٹرول کا پورا نظام ایک ڈسپلن میں بندھا ہے۔'' پاکستانی وزیر خارجہ نے یہ انکشاف بھی فرمایا کہ امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے دورۂ پاکستان کے دوران ایٹمی تنصیبات کے تحفظ کے حوالے سے پیشکش کی تھی کہ ہمارے ماہرین امریکہ جا کر ایٹمی تحفظ کے انتظامات کا جائزہ لیں۔ اب کولن پاول صاحب نے پھر کہا ہے کہ ''پاکستان کو، ضروری سمجھے تو، نیوکلیئر حفاظتی انتظامات بہتر بنانے کے لئے فنی تعاون فراہم کیا جا سکتا ہے۔''

Marfat.com

یہ سب کچھ ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب ہم اپنی قومی تاریخ اور روایات کو بوسیدہ کپڑوں کی الماری میں پھینک کر، امریکہ کے شانہ بشانہ ایک مسلمان ملک کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ امریکہ اندازہ ہی نہیں کر پا رہا کہ صدر مشرف نے کتنا مشکل اور کس قدر نازک فیصلہ کیا ہے۔ پاکستان کو امریکی قہر و غضب سے محفوظ رکھنے کے لئے ہم نے جو اپنے گھر کے سارے دروازے کھول دیئے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پاکستانی عوام کے جذبات پر اوس پڑ گئی ہے یا امریکہ کی کسی توبہ شکن ادا نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ وقتی طور پر اپنی سلامتی، بقا اور تحفظ کے لئے کیا جانے والا یہ فیصلہ ناگزیر تھا تو ناگوار بھی تھا۔ اس مجبوری ہی کے باعث ہم سمندر، ہوا اور زمین سے وہ تعاون فراہم کر رہے ہیں جو کبھی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ جب کابل، ہرات، قندھار، جلال آباد اور مزار شریف پر بم گرتے ہیں تو ہر پاکستانی کے دل پر بھی ایک کروز میزائل گرتا ہے۔ جب کسی افغان بچے کے سرخ و سفید گالوں پر خون کی دھاریاں پھوٹتی ہیں تو ہماری راتیں بھی بے خواب ہو جاتی ہیں جب ہم کئی کئی گھنٹے، ساون بھادوں کی جھڑی کی طرح ''کارپٹ بمنگ'' کی خبریں سنتے اور حدِ نظر تک قطار در قطار، پہلو بہ پہلو آگ اور دھوئیں کے سیاہ بادل دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھیں بھی سلگنے لگتی ہیں۔ امریکہ کے کسی تھنک ٹینک نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ پاکستان کس قیامت سے گزر رہا ہے اور امریکی کولیشن کا حصہ بننے کے بعد ہماری دنیا بھی کتنی بدل گئی ہے۔ امریکہ کا یہ خیال درست نہیں کہ کچھ قرضوں کی ری شیڈولنگ، چند ڈالروں کی خیرات، تھوڑی سی شاباش، صدر مشرف کے لئے ایک عدد خصوصی عشائیہ اور ان کی حکومت کی مضبوطی کا مژدہ، ہماری خدمت شعاری کا بھاری معاوضہ ہے۔ ایسا کیوں ہے کہ سب کچھ امریکہ کی جھولی میں ڈال کر بھی ہمیں عملاً یہی کچھ مل رہا ہے کہ کبھی بغاوت کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے، کبھی ایٹمی پروگرام کے بخیے ادھیڑے جاتے ہیں، کبھی کشمیر کی تحریکِ حریت کو دہشت گردی کا لیبل لگتا ہے اور کبھی ہماری ایجنسیاں بے اعتبار قرار پاتی ہیں۔ اگر غیر مشروط وفاداری کے موسم میں بھی یہی سوغات ہمارے حصے میں آ رہی ہے تو طوفان تھم جانے کے بعد کا منظر کیا ہوگا؟

لیکن ایک طبقے کی امیدوں کی کھیتی اب بھی ہری ہے اور اس کے خوابوں کے چمن میں رنگا رنگ پھول کھل رہے ہیں۔ خوش گمانی سی خوش گمانی ہے کہ جس ستمگر کی نظریں ہماری شہ رگ پر جمی ہیں ہم اسی کو مسیحا سمجھے بیٹھے ہیں۔

Marfat.com

اب تو شاعری قصہ ماضی ہو چکی لیکن برسوں پہلے کی ایک نظم، شاید ہمارے حسب حال ہو۔

ہم بھی کیا لوگ ہیں؟
جو سلگتی ہواؤں سے خوشبو
گھٹاؤں سے
مہکی ہوئی چاندنی مانگتے ہیں
سر دشت بیٹھے
ازل سے، دہکتی ہوئی ریت سے
شبنمی ساعتوں کی نمو چاہتے ہیں
خلاؤں کی بے نام سی وسعتوں میں بھٹکتے
ہر اک سانس کی ضرب سے
ریزہ ریزہ بکھرتے
فصیل انا سے
اتھاہ پستیوں میں لڑھکتے چلے جا رہے ہیں
مگر پھر بھی خوش ہیں کہ ہم کو
لہکتے گلابوں
مہکتی ہوئی نرگسوں کی تمنا یہاں لائی ہے
ہم بھی کیا لوگ ہیں
جو فریب نظر کو بھی
آسودہ چشمی سے تعبیر کرتے
سرابوں سے
صدیوں کی تشنہ لبی کو بجھانے پہ ایمان رکھتے ہیں

[03-11-2001]

Marfat.com

حاجی بلور اور 'مولوی'

عوامی نیشنل پارٹی نے بھی "ملک وقوم کے وسیع تر مفاد" میں ایک واضح موقف اختیار کر لیا ہے۔ جناب ولی خان نے عملی سیاست سے کنارہ کش ہونے کے باوجود ایک بھرپور پریس کانفرنس میں اس موقف کا اظہار فرمایا اور اب اے این پی کے ایک اور مرکزی رہنما حاجی غلام احمد بلور نے پی ٹی وی کے ایک پروگرام "نیوز نائٹ" میں گلوں شکووں کی بیاض کھول کر، افغان قوم کے درد سے کپکپاتی آواز میں پاکستان، آئی ایس آئی، علمائے کرام اور طالبان کی شان میں قصیدے پڑھے ہیں۔ انہیں شکایت ہے کہ افغانستان پر ٹوٹنے والی قیامت، آئی ایس آئی اور مولویوں نے مسلط کی ہے۔ ان کے بقول اس کا سلسلہ ظاہر شاہ کی حکومت کا تختہ الٹنے سے شروع ہوا اور روس کی رخصتی کے بعد مولویوں کے برسر اقتدار آجانے سے معاملات بگڑ گئے کیونکہ مولوی حکومت کا اہل ہی نہیں۔

کہنے کو اتنا کچھ ہے کہ داستان ختم ہونے میں نہ آئے لیکن حاجی صاحب کی توجہ فرمائی کے لئے محض چند اشارے کافی ہونے چاہئیں۔ پاکستان کی تاریخ میں کسی دینی مدرسے سے باضابطہ طور پر فارغ التحصیل اور مسلمہ عالم دین کو اقتدار کی مسند پر بٹھانے کا اعزاز حاجی صاحب ہی کی جماعت کو حاصل ہے۔ 1970ء کے انتخابات کے نتیجے میں جب آج کی اے این پی اور اس وقت کی نیپ کا خان عبدالقیوم خان کی متوقع وزارت اعلیٰ کے ہولناک خواب سے سامنا ہوا تو اس نے بعض آزاد ارکان کو ساتھ ملا کر چار نشستوں والی جمیعت العلمائے اسلام کے سربراہ مولانا مفتی محمود کو وزارت اعلیٰ کی مسند پر بٹھا دیا اور خود بھی وزارتوں سے لطف اندوز ہونے لگی۔ نیشنل عوامی پارٹی اس یونائیٹڈ ڈیموکریٹک فرنٹ (یو ڈی ایف) کی اہم رکن تھی جس نے ذوالفقار علی بھٹو کے مقابلے میں ایک اور عالم دین مولانا شاہ احمد نورانی کو وزارت عظمیٰ کا امیدوار نامزد کیا تھا۔ اس پی این اے کے سربراہ بھی مولانا مفتی محمود تھے جس نے حیدرآباد جیل کا پھاٹک کھولنے اور جناب ولی

Marfat.com

خان کو آزاد فضاؤں میں سانس لینے کا موقع فراہم کیا تھا۔ اسامہ کو غیر افغانی قرار دینے والے حاجی صاحب سے پوچھا جا سکتا ہے کہ خلافت عثمانیہ کا جنوبی ایشیا کے مسلمانوں سے کیا رشتہ تھا اور باچا خان جیسے بزرگ کیوں تحریک خلافت کے ہمنوا بن گئے تھے؟ مولانا عبیداللہ سندھی کا افغانوں سے کیا رشتہ تھا؟ وہ اسی افغانستان میں بیٹھ کر جہاں آج اسامہ بیٹھا ہے ''ریشمی رومال'' تحریک کی قیادت کرتے رہے اور آتش بجاں افغانی اس تحریک کو اپنے عشق و جنوں سے سینچتے رہے۔ بلور صاحب کی پارٹی کا ریکارڈ تو ایک طرفہ تماشا ہے۔ ان کے ممدوح ظاہر شاہ کا تختہ کسی مولوی نے نہیں، اس کے اپنے عزیز داؤد خان نے الٹا تھا۔ آج ظاہر شاہ کے ہجر میں بے کل اے این پی نے اس وقت داؤد ولی، بھائی بھائی کا نعرہ لگایا تھا۔

اپریل 1987ء میں نور محمد ترہ کئی نے داؤد کو قتل کر کے اقتدار خود سنبھال لیا۔ سردار داؤد کی بیٹیوں اور اہل خانہ نے ہاتھوں میں قرآن اٹھا کر جان بخشی کی التجائیں کیں لیکن ترہ کئی نے ان کے سینے چھلنی کر دیے۔ روسی استعمار کا یہ ایجنٹ تخت نشین ہوا تو چارسدہ سے ولی ترہ کئی، بھائی بھائی کا نعرہ گونجا۔ اس کے بعد حفیظ اللہ امین، ببرک کارمل اور نجیب اللہ تک ایک خونیں ڈرامے کی قسطیں چلتی رہیں۔ بلور صاحب کی جماعت کی ہمدردیاں اس وقت تک ہر صاحب اقتدار قاتل کے ساتھ رہیں جب تک وہ مقتول ہو کر محروم اقتدار نہیں ہو گیا۔ ''مولوی'' اقتدار اور خون کے اس کھیل سے الگ تھلگ دس سال تک روسیوں کے خلاف لڑتا رہا۔

باچا خان کو جلال آباد میں دفن کرنے کی وجہ آزاد ''افغانیوں کی خاک پاک'' قرار دیا گیا۔ آزاد افغانستان کی خاک پاک میں پندرہ لاکھ شہیدوں کا لہو جذب ہے۔ جب روس کی ریڈ آرمی افغانستان پر آگ اور فولاد کی بارش برسا رہی تھی اور مولوی کا غیر متزلزل ایمان، روسی استعمار کے راستے کا بھاری پتھر بن گیا تھا تو ولی خان نے کابل سے واپسی پر کہا تھا'' میں نے تو وہاں کسی روسی کو نہیں دیکھا۔'' افغان عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کے لٹے پٹے قافلے پاکستان آ رہے تھے تو بلور صاحب کی پارٹی کے سرجوش پشاور کی سڑکوں پر نعرے لگا رہے تھے'' بھگوڑوں کو واپس بھیجو'' آئی ایس آئی کو گالی دینے والوں کی زبان پر'' را''، '' خاد'' اور '' کے جی بی'' کا نام کیوں نہیں آتا؟ پاکستان کے خلاف پہلی مرتبہ منظم دہشت گردی کرنے والی تنظیموں پختون زلمے اور الذوالفقار کے ہیڈ کوارٹر طالبان کے افغانستان میں نہیں، اس افغانستان میں تھے جس پر حاجی

Marfat.com

صاحب کے منہ بولے بھائیوں اور سرپرستوں کی حکمرانی تھی۔ نجیب اللہ کے دور میں صرف کابل کے آس پاس، پاکستان کے خلاف دہشت گردوں کو ٹریننگ دینے والے 25 کیمپ قائم تھے۔

آج حاجی صاحب کو یہ دکھ ہے کہ اسامہ کی وجہ سے افغان بچے مر رہے ہیں۔ جب روس کی وجہ سے افغان بچوں کے پرخچے اڑ رہے تھے تو آپ طورخم پر پھولوں کے ہار لئے کس کا انتظار کر رہے تھے؟ اگر آپ کے سینے میں دل اور دل میں افغان بچوں کا درد ہے تو مجھے بتائیے کہ آپ کی جماعت ان کے لئے کیا کر رہی ہے؟ ایک ایک ڈالر جمع کرنے کا اعلان تو خنجر بہ دست جارج بش نے بھی کر دیا ہے۔ ولی باغ سے بھی ایسا کوئی فرمان جاری ہوا ہے؟

حاجی صاحب اگر اپنی کتاب سیاست میں کسی عقیدے، کسی نظریئے اور کسی اصول کا کوئی باب نہیں رکھتے اور صرف ''قومیت'' کے کھونٹے سے بندھے ہیں تو بھی ان پر لازم آتا ہے کہ قیامت کی اس گھڑی میں افغانوں کے زخموں پر مرہم رکھیں، کم از کم نمک پاشی تو نہ کریں۔ رہے اہل پاکستان تو وہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ پختونوں کی غمگساری کا دم بھرنے والے، امریکی سامراج کے پرچم بردار بن چکے ہیں اور دنیا بھر میں تنہا رہ جانے والا ''مولوی'' آج بھی 21ویں صدی کے فرعون کے خلاف سینہ سپر ہے۔

[04-11-2001]

Marfat.com

اندوہِ وفا

''اندوہِ وفا'' بھی ایک عذاب مسلسل سے کم نہیں ہوتا۔ آدمی سانس روکے تنی رسی پر چلتا رہتا ہے کہ کہیں اس کی ذراسی جنبش بے جا اس کے لئے ہلاکت کا سبب نہ بن جائے اور وہ محبوب کی نظروں سے گر کر راندۂ درگاہ نہ ہو جائے۔ عشق کے اس کھیل میں سب سے المناک لمحہ وہ ہوتا ہے جب وفا کی صلیب پر لٹکا ہوا شخص ہر نوع کی قربانی وایثار کے باوجود محبوب کی نظروں میں مشکوک ٹھہرتا ہے اور اس کی مخلصانہ وفا شعاری کو بھی منافقت یا چالبازی کا نام دیا جاتا ہے۔

ہم بھی کچھ ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہیں۔ گیارہ ستمبر کے بعد سے امریکہ کی خوشنودی خاطر ہماری پہلی ترجیح بن چکی ہے۔ اس کے لئے ہم نے قومی انا اور چودہ کروڑ عوام کی طرحداری کو پوٹلی میں باندھ کر ایک طرف رکھ دیا ہے اور ''دہشت گردی'' کا خاتمہ کرنے والے کاروان شوق میں کچھ اس انداز سے شریک ہیں کہ:

ہوش اڑتے جا رہے ہیں گرمی رفتار سے

عالم یہ ہے کہ اب ہم امریکہ کے دل کی دھڑکنوں کو بھی محسوس کرنے لگے ہیں۔ اس کے ہونٹوں کی جنبش سے بھی پہلے اس کی مرضی ومنشا کو اپنے الفاظ کی میناکاری سے سجا کر پیش کر دیتے ہیں۔ وہ طالبان کا ناتا دہشت گردی سے ملانے کے لئے کسی بہانے کی تلاش میں ہوتا ہے تو ہم بھاری بھرکم دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں۔ امریکہ ایک بات کہتا ہے تو ہم اس کے معنی ومفہوم کو چار چاند لگانے والے بیانات کی برکھا برسا دیتے ہیں۔ وہ ڈرتے ڈرتے اسامہ کے خلاف ثبوتوں کے قابل اعتبار ہونے کا اشارہ دیتا ہے تو ہم کوہِ ہمالیہ پر کھڑے ہو کر ان ثبوتوں کے مستند اور ایف آئی آر کٹوانے کے لئے نہایت معتبر ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی کبھار ہمارے منہ سے دبی دبی سسکیاں بھی نکل جاتی ہیں ''جنگ مختصر ہونی چاہئے...... رمضان میں بمباری معطل رہنی چاہئے...... ہماری ایٹمی صلاحیت کو کچھ نہ کہنا...... کشمیر میں ہمارے رقیب کی

Marfat.com

دلجوئی نہیں ہونی چاہئے.....شمالی اتحاد ہمارا مخالف ہے، اسے کابل سے دور رکھنا..... ہماری مالی حالت بہت پتلی ہے، تھوڑی سی توجہ چاہئے۔" جب ہماری یہ سسکیاں بھی جبین یار پر شکنوں کا جال بُن دیتی ہیں تو ہم فوراً "وفاداری بہ شرطِ استواری" کی راہ پر واپس آ جاتے ہیں۔

ستم یہ ہے کہ امریکہ ابھی تک ہمارے "جذبہ بے اختیار شوق" پر یقین نہیں کر رہا۔ کبھی اس کا میڈیا یہ دور کی کوڑی لاتا ہے کہ "پاکستان کا ایٹمی پروگرام محفوظ نہیں اور وہ دہشت گردوں کے ہاتھ لگ سکتا ہے۔" کبھی ہماری ایٹمی صلاحیت کی گردن دبوچنے کے لئے فوجی مشقوں کی خبر آتی ہے۔ تقریباً ایک ماہ کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی جب دنیا کی سب سے بڑی جنگی مشینری رکھنے والی سپر پاور کو ڈیڑھ ہزار افغانی بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی لاشوں کے سوا کچھ نہ ملا تو ایسی خبریں دی جانے لگیں کہ پاکستان نے درست معلومات فراہم نہیں کیں۔ آئی ایس آئی پر انگلیاں اٹھائی جانے لگیں کہ اس میں طالبان سے ہمدردی رکھنے والے عناصر موجود ہیں جو درست اطلاعات کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ امریکی عزائم کے لئے مصروف کار کمانڈر عبدالحق کی موت کا تعلق بھی پاکستانی ایجنسیوں کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے۔ تازہ خبر یہ آئی ہے کہ "پاکستان خفیہ طریقے سے طالبان کو اسلحہ اور دوسرا ساز وسامان فراہم کر رہا ہے۔" جوں جوں امریکہ ایک لاحاصل جنگ میں الجھتا جا رہا ہے، توں توں ہماری خدمات گزاری اور وفا شعاری مشکوک قرار پا رہی ہے۔

ہم نے امریکی اہداف کے ساتھ، اپنی تسلی کے لئے جن پاکستانی مفادات کا ضمیمہ نتھی کر رکھا ہے، ان میں ایٹمی اثاثوں کے علاوہ کشمیر کاز اور قومی معیشت بھی شامل ہے۔ ایٹمی پروگرام تو جنس بازار بن ہی چکا ہے، کشمیر کے بارے میں تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ حرکت المجاہدین اور جیش محمد باضابطہ طور پر دہشت گرد تنظیمیں قرار پائی ہیں۔ واجپائی نے اس پر مسرت کا اظہار کیا ہے اور بھارت نے سرکاری طور پر اعلان کیا ہے کہ اب "ہم کو بھی آزاد کشمیر میں دہشت گردی کے کیمپوں کے خلاف کارروائی کا اختیار مل گیا ہے۔" معیشت کے بارے میں قومی اخبار میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق صدر مشرف نے وزارت خزانہ اور پلاننگ کمیشن کو ہدایات جاری کی ہیں کہ وہ شدید معاشی دباؤ کی وجہ سے نئی حکمت عملی مرتب کریں۔ نیشنل ڈرینج پروگرام، فلڈ کنٹرول پراجیکٹس اور پشاور اسلام آباد موٹروے کے لئے مختص رقم میں سے بارہ ارب روپے نکالے جا رہے ہیں۔ یہ رقم پاکستانی برآمدات میں ہونے والی تیس فیصد کمی کا خسارہ پورا کرنے کے لئے استعمال ہوگی۔ جناب

Marfat.com

شوکت عزیز ٹوکیو سے یقین دہانیوں کی جاپانی گڑیا لے کر واپس آ رہے ہیں اور قرضوں کی معافی کا باب بند کر دیا گیا ہے۔ پاکستان میں کاروباری اور صنعتی سرگرمیاں بری طرح متاثر ہو رہی ہیں۔ صرف سول ایوی ایشن اتھارٹی کو ماہانہ تیس لاکھ ڈالر کا نقصان ہو رہا ہے۔

اٹھائیس بین الاقوامی فضائی کمپنیوں میں سے گیارہ کے طیارے 11 ستمبر کے بعد لوٹ کے نہیں آئے، صرف 17 محدود آپریشن جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس نفسیاتی صدمے، فکری ہیجان اور جذباتی کرب کو ماپنے کا کوئی پیمانہ نہیں جس سے پوری قوم دوچار ہے۔

وفاداری کے ان مظاہر اور قومی سطح پر انتہائی بھاری قیمت ادا کرنے کے باوجود ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ایٹمی اثاثے سوالیہ نشان بنے ہوئے ہیں۔ کشمیر کا زمٹھی میں بندریت کے ذروں کی طرح پھسلتا جا رہا ہے اور معیشت ابھی تک آکسیجن ٹینٹ میں دھری ہے۔ اگر اس سب کچھ کے باوجود امریکہ کا دل صاف ہو جاتا اور وہ ہمیں وفا شعار عاشق زار نہ سہی، قابل اعتبار دوست ہی سمجھ لیتا تو ہمیں کم از کم خوشنودیٔ یار کی آسودگی تو مل جاتی۔

نصف صدی تک ہم امریکہ کی قربت کے لئے وفا کے اندوہ وغم سے گزرتے رہے۔ اب کی بار ہم نے سب کچھ لٹا دیا۔ نقد ایماں بھی اور اثاثۂ جاں بھی۔ ہمارا خیال تھا کہ اب ہم اپنی غیر متزلزل وفاداری کا یقین دلانے کے کرب سے چھوٹ جائیں گے لیکن مزاج یار کی برہمی کا عالم وہی ہے۔

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

[05-11-2001]

Marfat.com

اسلامی بھائی

چھ سال قبل جب قندھار کے ایک گرم دن کے پہلے پہر، ملا محمد عمر اخوند ہم سے ملنے ریسٹ ہاؤس کے ایک کشادہ ہال میں داخل ہوئے تو میرے تصوراتی خاکوں کی ساری لکیریں معدوم ہو گئیں۔ افغانستان کے فرمانروا، شورائے عالی کے سربراہ، افواج کے سالارِ اعظم اور امیر المومنین، جن کی ہر جنبش لب دستور و آئین کا درجہ رکھتی ہے۔ میں اختیار و اقتدار کے اتنے بلند مقام پر فائز شخصیت کے جلال و جمال کی صورت گری کر رہا تھا جب کسی ہنگامے، کسی شور شرابے، کسی سیکورٹی چیک اور کسی سائرن کے بغیر ایک جوان رعنا ہال میں داخل ہوا۔ ساڑھے چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، چست اور مستعد بدن، روشن چہرہ، گھنی سیاہ داڑھی، ملیشیا رنگ کا لمبا کرتا، ٹخنوں کو چھوتی گھیرے دار شلوار، سر پر سیاہ پگڑی، گہرے سبز رنگ کی واسکٹ، کندھے پر سیاہ رنگ کی بڑی سی چادر، پاؤں میں سیاہ رنگ کی چپل، چال میں استقامت، انداز میں استغنا۔ 36 سالہ امیر المومنین کسی ہلچل کے بغیر اپنے گھر سے یوں ریسٹ ہاؤس آگئے جیسے گلی کوچوں میں رہنے والا ایک عام سا آدمی کسی مہمان عزیز سے ملنے مسافر خانے پہنچ جاتا ہے۔

ملا عمر نے جو کچھ کہا، اس کا ایک ایک لفظ میری ڈائری میں درج ہے۔

"میرے اسلامی بھائیو! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ اتنا لمبا سفر کر کے یہاں آئے ہیں۔ آپ تو جہاد کے پہلے دن سے ہمارے ساتھ رہے ہیں۔ جہاد میں پاکستانی بھائیوں بالخصوص علماء کے تعاون کو ہم کیسے بھلا سکتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ آپ کے طفیل حاصل کیا۔ آپ ہی کی سرپرستی میں باطل روس کو شکست دی۔ آپ نے ہمیں پناہ دی، ہمیں ہتھیار دیئے، ہمارے کندھے سے کندھا ملا کر لڑے۔ آپ کا یہ سلوک ہماری نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔ آج آپ ہم سے ملنے ہمارے گھر آئے ہیں۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں آپ کی میزبانی بھی نہیں کر سکتے۔ بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ جہاد ابھی اپنی منزل کو نہیں پہنچا۔ ہم نے جن علاقوں کا کنٹرول سنبھالا

Marfat.com

ہے وہاں اسلامی نظام نافذ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دنیا کے کافر، بے دین سیاستدان اور باطل قوتیں ہمارے خلاف پراپیگنڈے میں مصروف ہیں۔ ایک زبردست مہم شروع کر دی گئی ہے۔ باطل نے پکا ارادہ کر رکھا ہے کہ جہاں کہیں بھی اسلام نافذ کرنے کی بات ہو اس کی قوت سے مزاحمت کی جائے۔ روس کچھ کہہ رہا ہے، امریکہ کچھ کر رہا ہے۔ ہم ایک کا جواب دیں گے تو دوسرا اٹھ کھڑا ہوگا۔ ہم حسب توفیق جواب ضرور دیں گے لیکن ہمیں کسی کی پرواہ نہیں۔ باطل قوتوں کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں شریعت محمدی نافذ نہ ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ مشکل راستہ ہے۔ ہم دنیا کی سیاست میں الجھ کر اسے اور مشکل نہیں بنانا چاہتے۔ ہمارا جواب ہمارا عمل ہے۔ اس مشن میں ہمیں آپ کا وہی تعاون اور وہی سرپرستی چاہئے جو جہاد افغانستان کے دوران ہمیں حاصل رہی۔ نفاذ شریعت کے لئے جدوجہد ہر مسلمان کا فرض ہے۔ آپ کل بھی ہمارے درد کو سمجھتے تھے اور آج بھی ہمارے درد کو سمجھتے ہیں۔ ہماری مدد کیجئے، ہمارا ساتھ دیجئے، اللہ آپ کو اور تمام مسلمانوں کو جزائے خیر دے۔''

اسی شام قندھار کے مغرب میں دریائے ارغنداب کے کنارے انگوروں کے باغات کی سیر کرتے اندھیرا گہرا ہو گیا۔ اچانک ایک طرف سے گرد کا غبار سا اٹھا اور ذرا دیر بعد تین گاڑیاں ہمارے قریب رکیں۔ درمیان والی گاڑی کا دروازہ کھلا اور ڈرائیونگ سیٹ سے ایک سیاہ پوش نوجوان اترا۔ یہ امیر المومنین ملا محمد عمر تھے۔ اتر کر مولانا سمیع الحق سے ملے۔ ہم سب سے معانقہ کیا، کندھے سے سیاہ چادر اتار کر زمین پر ڈالی اور بیٹھ گئے۔ کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ پھر ہاتھ اٹھائے پاکستان اور اہل پاکستان کو ڈھیروں دعائیں دیں کہ انہوں نے افغانستان کی آزادی کے لئے افغان بھائیوں کے ساتھ اپنا خون بہایا تھا۔ ارغنداب کی وادی میں رات کے اولین لمحوں کی دعا، میں کبھی نہ بھول پاؤں گا۔ جس شیریں لہجے میں ملا عمر نے ہمیں ''اسلامی بھائیو'' کہا تھا، اس کی شیرینی آج بھی کانوں میں رس گھول رہی ہے۔ اس بات کو چھ سال ہو چلے ہیں۔ آج اپنی یادداشتوں پر نظر ڈالتے، میری نظریں ان سطور پر جم کر رہ گئیں...... ''آپ کل بھی ہمارے درد کو سمجھتے تھے اور آج بھی ہمارے درد کو سمجھتے ہیں، ہماری مدد کیجئے، ہمارا ساتھ دیجئے۔ اللہ آپ کو اور تمام امت مسلمہ کو جزائے خیر دے!!''

مسلسل ان سطور پر جمی آنکھیں سلگنے لگی ہیں۔ ملا عمر تک یہ پیغام پہنچانے کا کوئی وسیلہ بھی نہیں

Marfat.com

کہ اب ہم ان کے درد کو محسوس کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں اور اب ہمارے سمیت پوری امت مسلمہ ''جزائے خیر'' کے لئے کسی اور سمت دیکھ رہی ہے۔

قیامت جیسے بھاری یہ شب و روز گزر ہی جائیں گے۔ انشاءاللہ افغان بھی باقی رہیں گے اور ان کے کوہسار بھی لیکن برسوں بعد تباہ حال افغانستان کے کسی ریسٹ ہاؤس یا دریائے ارغنداب کے آس پاس میرا اسامنا ملا عمر یا ان کے کسی جانشین سے ہو گیا تو کیا بنے گا؟ کیا وہ اب بھی مجھے ''اسلامی بھائی'' کہہ کر پکاریں گے؟ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو کبھی نہ بھلانے والی افغان نسلیں نہ جانے مجھے کس حوالے سے یاد رکھیں گی؟

[06-11-2001]

Marfat.com

سلامی

آگ، فولاد اور بارود کی برسات کو ایک مہینہ مکمل ہو گیا ہے۔ انصاف کو افغانستان کی دہلیز تک پہنچانے کے لئے امریکہ اور اس کے حواریوں کی مہم دوسرے مہینے میں داخل ہو گئی ہے۔ ترقی و خوشحالی کے بام عروج پر بیٹھی، 28 کروڑ تعلیم یافتہ افراد کی قوم، سر پر سپر پاور کی کلغی سجائے، دو کروڑ کے لگ بھگ مفلوک الحال، قحط زدہ اور بے سروسامان لوگوں کو مار رہی ہے۔ ساری دنیا اس کے ساتھ ہے۔ مراکش سے انڈونیشیا تک پھیلی ''امت مسلمہ'' بھی اس کے کندھے سے کندھا ملائے کھڑی ہے۔ اب تک برسائے گئے ہزاروں کروز میزائلوں میں سے ہر ایک کی قیمت دس لاکھ ڈالر ہے۔ پچھلے تین سالوں میں افغانستان کی سوکھی دھرتی پر بارش کے اتنے قطرے نہیں گرے، جتنے بم اور میزائل گزشتہ تیس دنوں میں برسائے جا چکے ہیں۔ بھاری عماموں اور پیوند لگے جاموں میں ملبوس پراسرار بندے اب تک ڈٹے ہوئے ہیں۔ نہ جذبوں کی آنچ مدہم ہوئی ہے، نہ لہجے کی طرحداری میں فرق آیا ہے، نہ ان کی گردن جھکی ہے نہ غرور عشق کے بانکپن میں کمی آئی ہے۔ ایک نسل کا خون روسی شکست کی داستان رقم کرنے میں صرف ہو گیا۔ دوسری نسل امریکی رعونت کے سامنے سینہ تانے کھڑی ہے اور تیسری نسل آگ اور خون کے اس کھیل میں کھو جانے والی ننھی منی خوشیوں کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔ وہ یہ نہیں جان پا رہی کہ امریکہ بم کیوں گرا رہا ہے؟ طالبان مطمئن ہیں کہ اب انہیں اپنے بچوں کو فرعونی طاقتوں کے خلاف سینہ سپر ہونے کا درس دینے کی ضرورت نہیں رہی۔ ایک تازہ دم سپاہ امریکہ کی آغوش تربیت میں پروان چڑھ رہی ہے۔

اس سپاہ کا ایک لشکری، گیارہ سالہ سعد محمد کوئٹہ کے ایک سرکاری ہسپتال کے بیڈ نمبر پانچ پر پڑا چھت کو مسلسل گھور رہا ہے۔ اس کے معصوم چہرے پر تازہ گلابوں کی طرح کھلی دو بڑی بڑی آنکھوں میں کتنے ہی سوال رقم ہیں۔ اس کی ایک ٹانگ کٹ چکی ہے اور دوسری کی ہڈیاں بھی چور چور ہیں۔

Marfat.com

کچھ دن پہلے وہ قندھار کے نواح میں اپنے گھر سے باہر، سات سالہ بہن پر مینا اور بارہ دوسرے بچوں کے ہمراہ کھیل رہا تھا کہ امریکہ کے انصاف بردار طیارے اس کے سر پر آن پہنچے۔ ایک بم ان کے قریب گرا۔ پر مینا کئی فٹ فضا میں بلند ہوئی، سعد محمد کی دونوں ٹانگوں سے خون کے فوارے پھوٹے اور وہ بے سدھ ہو کر گر پڑا۔ اب وہ بیڈ نمبر پانچ پر پڑا ہر آنے جانے والے سے ایک ہی سوال پوچھتا ہے ''امریکی ہمیں کیوں مار رہے ہیں؟'' اس کے ساتھ والے بیڈ پر اس کی بہن پر مینا زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اسے ہوش آتا ہے تو وہ اپنی ہم جولیوں کے بارے میں پوچھتی ہے جو اس کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ دونوں کے سرہانے بیٹھا ان کا باپ تاج محمد زخموں پر بندھی میلی پٹیوں پر منڈلاتی مکھیاں اڑا رہا ہے۔

جنگ مسلسل جاری ہے۔ جس وقت امریکی وزیر دفاع ڈونلڈ رمز فیلڈ کا طیارہ پاکستانی فضائی حدود میں داخل ہو رہا تھا اور ہمارے جیٹ فائٹرز نے اسے اپنی حفاظتی تحویل میں لے لیا تھا اور اسلام آباد کی شاہراہ دستور ہر ذی روح سے خالی کرائی جا چکی تھی، اس وقت امریکہ کے بی۔ 52 طیارے حالیہ جنگی مہم کی شدید ترین بمباری میں مصروف تھے۔ بی بی سی کا کہنا ہے کہ 45 منٹ میں ان طیاروں نے ایک سو سے زائد بم گرائے۔ صدر پرویز مشرف نے ایک دفعہ پھر رمز فیلڈ سے درخواست کی کہ ''رمضان المبارک میں بمباری بند کر دی جائے۔'' لیکن تنی گردن والے وزیر دفاع نے جواب دیا ''اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ بمباری کا سلسلہ اہداف حاصل ہونے تک جاری رہے گا۔'' پہلو میں کھڑے پاکستانی وزیر خارجہ نے تحسین بھرے لہجے میں کہا'' تاریخ میں کبھی شہریوں کی ہلاکتوں کو کم سے کم رکھنے کے لئے اتنی احتیاط سے کام نہیں لیا گیا جتنی احتیاط سے امریکہ کام لے رہا ہے۔'' ادھر دس ملکی تنظیم ''آسیان'' نے برونائی میں منعقدہ اجلاس میں افغانستان پر مسلسل بمباری اور عام شہریوں کی بڑھتی ہوئی ہلاکتوں پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ انہیں جناب رمز فیلڈ کی شہادت اور جناب عبدالستار کی توثیقی گواہی کے بعد ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ عین ممکن ہے کہ ہزاروں میزائل اور بم پہاڑوں پر اُگی گھاس پر منہ مار رہے ہوں، یا پتھروں سے آنکھ مچولی کھیل رہے ہوں یا کوہ پامیر کی گھاٹیوں میں میٹھے چشموں کا پانی پی کر وہیں سو گئے ہوں۔

امریکی یلغار کا ایک ماہ مکمل ہونے پر شمالی اتحاد نے ایک شاندار پریڈ کا اہتمام کیا۔ پریڈ میں

Marfat.com

دو ہزار سور ماؤں، سترہ ٹینکوں اور بیس بکتر بند گاڑیوں نے حصہ لیا۔ ٹینکوں نے اسامہ بن لادن کے ایک فرضی موچے پر گولہ باری کی اور ''صدر افغانستان'' پروفیسر برہان الدین ربانی نے سلامی لی۔ جب سلامی لیتے ہوئے پروفیسر ربانی کا ہاتھ ماتھے پر تھا تو ان کی نگاہیں آسمان کی بلندیوں پر مرکوز تھیں جہاں بی۔52 امریکی طیارے ''ہزاروں بم اٹھائے'' پرے باندھے چلے آ رہے تھے۔ نہ معلوم پروفیسر ربانی سلامی لے رہے تھے، یا سلامی دے رہے تھے۔

[07-11-2001]

Marfat.com

خوف کا آسیب

امریکہ نے چند گھنٹوں کے اندر اندر افغانستان کی فوجی تنصیبات کی مکمل تباہی، طالبان کی اعصابی شکست، ان کی حکومت کے خاتمے اور شمالی اتحاد کی فرمانروائی کا جو خواب دیکھا تھا، وہ تعبیر سے دور تر ہوتا جا رہا ہے۔ زور آور لوگوں کی طرح امریکہ ہر ناکامی اور ہزیمت کے بعد زیادہ مہلک ہتھیاروں کے ساتھ حملہ آور ہوتا اور اپنی خفت افغانستان سے اٹھنے والے آتشیں دھوئیں کی سیاہ چادر میں چھپا دینا چاہتا ہے۔ نوع بہ نوع میزائلوں اور بموں کے بعد اب پندرہ ہزار ٹن وزنی بموں کی بارش شروع ہو چکی ہے۔ اس میں سب سے زیادہ وزنی بم کو ''منی ایٹم بم'' بھی کہا جاتا ہے۔ صرف تین مسافر بردار طیاروں نے امریکہ میں قیامت بپا کر دی تھی۔ اگر اتنا گولہ بارود دنیا کی اس سب سے بڑی عسکری قوت پر گرایا جاتا تو زیادہ سے زیادہ 32 گھنٹوں میں اس کا کچومر نکل جاتا۔ 32 دنوں میں افغانستان پر 15 لاکھ بم گرائے جا چکے ہیں لیکن افغانیوں کی تنصیبات ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہیں۔ جب امریکی طیارے، شمالی اتحاد کے ''مجاہدوں'' کی تالیوں کی گونج میں بم گراتے اور سرخ پوش دھوئیں کی لمبی لکیر چھوڑ جاتے ہیں تو گمان گزرتا ہے کہ طالبان کی رگ جان کٹ گئی ہے لیکن ذرا دیر بعد وہ اپنے کپڑے جھاڑتے اور پگڑیاں سنبھالتے پھر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ امریکہ ابھی تک اس بے مقصد اور لا حاصل جنگ کے اثرات و نتائج کا درست گوشوارہ نہیں بنا سکا۔ اسے یہ بھی اندازہ نہیں کہ گزرنے والے ہر دن کے ساتھ اس کے چہرے کی سیاہی گہری ہو رہی ہے اور اس کی بربریت، عالمی رائے عامہ تیزی سے تبدیل کر رہی ہے۔

پاکستان میں ارباب اختیار کے مطابق حکومتی پالیسی کے مخالفین کی تعداد اب 15 فیصد سے بھی کم ہو گئی ہے۔ خاص طور پر قومی سلامتی، سٹریٹجک اثاثوں، کشمیر کاز اور قومی معیشت کی بحالی کے اہداف حاصل ہو جانے کے بعد طالبان کی حمایت اور امریکی کولیشن کی مخالفت میں زبردست کمی آئی ہے۔ تاہم دنیا کے بیشتر عوام کی ہمدردیوں کا رخ مظلوم افغانیوں کی طرف مڑ رہا ہے۔ ان میں

Marfat.com

وہ ممالک نمایاں ہیں جو'' دہشت گردی'' کے خلاف حالیہ مہم میں امریکہ کے قریبی حلیف ہیں۔ فرانس میں امریکی حمایت 66 فیصد سے گر کر 51 فیصد پر آ گئی ہے۔ جرمنی میں 65 فیصد عوام نے فی الفور بمباری بند کرنے کے حق میں رائے دی ہے۔ سپین کے 69 فیصد عوام نے امریکی بمباری کی مخالفت کی ہے۔ برطانیہ میں امریکی حمایت 74 فیصد سے کم ہو کر 62 فیصد پر آ گئی ہے۔ 46 فیصد روسیوں کا خیال ہے کہ امریکہ اپنے مقاصد میں ناکام رہیگا۔

اس ساری صورتحال کا ایک پہلو یہ ہے کہ 15 لاکھ بموں کے باوجود طالبان کی صفوں میں خوف و ہراس کی کوئی لہر نہیں اٹھی۔ واضح مقصد کے لئے نا قابل شکست عزم آج بھی ان کا ایسا ہتھیار ہے جس نے ہر امریکی یلغار کا منہ موڑ دیا ہے۔ ملا محمد عمر کا لہجہ کمزور پڑا ہے نہ اسامہ بن لادن کی آنکھوں کی چمک ماند پڑی ہے۔ اسامہ کے نوعمر بیٹے غزنی میں کسی مبینہ امریکی اڈے کے آثار تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ سب سے کم عمر بیٹا 10 سالہ حمزہ گیت گا رہا ہے...... '' کابل! تو کڑے امتحانوں میں ہمیشہ سربلند رہا ہے'' امریکہ کو '' ہالی وڈ کی سپر پاور'' کا طعنہ دینے والے ان شاہین بچوں کے چہروں پر خوف کا ہلکا سا سایہ بھی نہیں اور ادھر خوف کی بھٹی میں سلگتے 28 کروڑ عوام کی ہڈیاں چٹخنے لگی ہیں۔ ان کی آنکھیں بے خواب ہو چکی ہیں۔ جب بھی نیند کا ہلکورا آتا ہے، اسامہ کا تصور، ناگہانی موت کا خوف بن کر انہیں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ خوف کا یہ آسیب سرحدوں سے باہر تک پھیل گیا ہے۔ دو دن قبل اٹلی کی پولیس نے سوئٹزرلینڈ جانے والے ایک ٹرک ڈرائیور کو مسلسل دس گھنٹے تک زیر حراست رکھا۔ اس کے ٹرک کے کاغذات یا پروانہ راہداری میں کہیں '' لادن'' LADEN کا لفظ لکھا تھا۔ اس لفظ نے خوف و دہشت کی ایک لہر دوڑا دی۔ ڈرائیور کو حراست میں لے کر ٹرک کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ قریبی ائر پورٹ سے دھماکہ خیز مواد کے ماہرین طلب کر لئے گئے۔ کچھ دیر بعد بو سونگھنے والے کتوں کا ایک غول بھی آ گیا۔ سپیشل اینٹی مافیا اور اینٹی ٹیررازم فورس کے دستے بھی آ گئے۔ ٹرک سیل کر دیا گیا۔ انگریزی زبان سے نابلد ڈرائیور چیختا رہا لیکن اس کی کسی نے نہ سنی۔ دس گھنٹے بعد انکشاف ہوا کہ جرمن زبان میں LADEN کا مطلب وزن یا بوجھ (LOAD) ہے۔ ڈرائیور اور ٹرک کی گلو خلاصی تو ہو گئی لیکن شاہراہ کے پاسبان دیر تک حواس باختہ رہے۔

اے ایف پی کے مطابق رومانیہ کے حکام نے ایک خاتون کے ہاں جنم لینے والے بچے کا نام

Marfat.com

رجسٹر کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مسلسل کئی دنوں سے ٹیلی ویژن دیکھنے اور اخبارات پڑھنے والی خاتون ''بن لادن'' کے عزم جواں سے متاثر ہو کر اپنے بچے کا نام ''بن لادن'' رکھنا چاہتی ہے۔ رومانیہ کے حکام کو اس نام سے خوف آتا ہے اور وہ مسلسل اس ضدی خاتون کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

رائٹر نے بھارت سے خبر دی ہے کہ اڑیسہ کے قصبے ''دسپلہ'' سے ایک 45 سالہ شخص کو نقل مکانی کر جانے کا حکم صادر ہوا ہے۔ اس شخص کا قصور یہ ہے کہ وہ اسامہ سے غیر معمولی مشابہت رکھتا ہے۔ وہی لمبی داڑھی، وہی دبلا پتلا جسم، وہی قد و قامت۔ وہ جدھر جاتا ہے عوام کے ہجوم اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ مقامی انتظامیہ نے اندیشہ نقص امن کے تحت اسے ضلع بدر کر دیا ہے۔

''خوف کی غلامی'' کسی کام کا نہیں چھوڑتی۔ امریکہ آزاد ہے، جمہوری اقدار کا پاسبان ہے لیکن اس کے آسودہ اور خوشحال عوام، اندیشہ ہائے دور دراز اور ناگہانی افتاد کے محکوم ہو کر رہ گئے ہیں۔ آزاد سپر پاور ہوتے ہوئے بھی ''خوف کی محکومی'' اس کا مقدر بن چکی ہے۔ افغانی آج بھی آزاد ہیں اور اس وقت بھی آزاد ہوں گے جب امریکہ کا سارا اسلحہ خانہ ختم ہو جائے گا۔

آج علامہ اقبال کا دن ہے اور وہ آزادی و محکومی کا فلسفہ یوں بیان کرتے ہیں:

آزاد کی ہر آن ہے محکوم کا اک سال
کس درجہ گراں سیر ہیں محکوم کے اوقات
آزاد کا ہر لحظہ پیام ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگ مفاجات

[09-11-2001]

Marfat.com

تمنائیں اور التجائیں

صدر پرویز مشرف کی فرانس، برطانیہ اور امریکہ کے سربراہان حکومت کے ساتھ ملاقاتوں کی تمام تر جزئیات تو شاید کبھی سامنے نہ آسکیں لیکن عوام الناس کے علم کے لئے ضروری خبریں ایک آدھ دن میں سامنے آجائیں گی۔ اب تک کی پیش رفت سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ جس عمارت کی پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھ دی گئی ہو، کسی ہنرمند کاریگر کے مشاق ہاتھ بھی اسے سیدھا نہیں کر سکتے۔ وہ جتنی اونچی جائے گی اس کی ناپائیداری عیاں اور کجی نمایاں ہوتی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکی کولیشن کا حصہ بننے کی "ناگزیر برائی" قبول کر لینے کے باوجود ہمارے سامنے کئی راستے کھلے تھے۔ ہم نے ایک ایک کر کے وہ سارے راستے بند کر دیئے اور اب ایسے گنبد میں قید ہیں جہاں اپنی ہی صدا پلٹ پلٹ کر آتی ہے اور اس "حمام بادگرد" کا طلسم توڑنے والا حاتم دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ تمنائیں اور التجائیں جگ ہنسائی اور رسوائی کا سامان بنتی جا رہی ہیں۔

وہ گھڑی یقیناً قیامت کی تھی جب صدر مشرف کو قومی تاریخ کا ایک انتہائی نازک اور اہم فیصلہ کرنا پڑا۔ ان کے پاس ایسی کوئی تاویل یا دلیل نہ تھی جسے کوئی جلسہ ساز سیاستدان اپنے نامطلوب لمحے کو ٹالنے کے لئے بہانہ بنا سکتا تھا۔ اختیار کلی کا مالک ایک ہمہ مقتدر حکمران ہونے کے ناتے انہیں ایک فیصلہ کرنا تھا اور بلاتاخیر کرنا تھا۔ انہوں نے اپنی دانست میں وسیع تر ملکی مفاد کے پیش نظر ایک فیصلہ کر لیا۔ آج بھی ایک بڑا حلقہ اس بات کا قائل ہے کہ گیارہ ستمبر کے دن جب امریکہ اشتعال کے غلبے سے حواس باختہ ہو چکا تھا اور پاکستان کے بارے میں اس کی "خوئے بد" کسی بہانے کی تلاش میں تھی، تو مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ ہم پہلو بچا جائیں اور اپنا سینہ بپھرے ہوئے جنگلی بھینسے کے نوکیلے سینگوں کے سامنے نہ رکھ دیں۔

عوامی سطح پر تلخی اس احساس کی وجہ سے بڑھی کہ ہم نے بھینسے کو بھینس سمجھ کر دودھ کے لالچ میں اس کی ناز برداری شروع کر دی۔ ایک ٹیڑھی اینٹ کو ٹیڑھا سمجھ کر جوں کا توں چھوڑ دینے اور

Marfat.com

سازگار موسموں کا انتظار کرنے کے بجائے ہم نے اونچی دیواریں اٹھانے اور چوبارے بنانے کی ٹھان لی۔ اس آرزو اور کوشش میں ہم مسلسل لڑھکتے چلے گئے۔ ہمارے مطالبات رد ہوئے۔ ہمارے خدشات بلاجواز ٹھہرے۔ ہماری توقعات بنتی، ٹوٹتی رہیں۔ عنایات اور نوازشات کی گھٹائیں گرجتی رہیں لیکن برسنے نہ پائیں۔ ہم نے اپنی وفاداری کے ثبوت کے طور پر دلربائی کی جتنی ادائیں دکھائیں، انہیں ہماری مجبوری و بے چارگی سے تعبیر کیا گیا۔ ہم نے جو کچھ کہا، اس کا مثبت ردعمل سامنے نہ آیا بلکہ بیشتر اوقات ہمارے نقطہ نظر کے متصادم بیانات جاری ہوئے اور آج کیفیت یہ ہے کہ اس مہم کی فرنٹ لائن سٹیٹ ہونے، وارزون کی پرکار کا مرکزی نقطہ بننے اور امریکہ کی رضا کارانہ وکالت کے باوجود ہماری آواز گنبد کی گونج بن چکی ہے۔

11 ستمبر سے پہلے امریکہ، برطانیہ، یورپی یونین اور دولت مشترکہ ہمارے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے وہ کوئی بہت پرانی بات نہیں۔ آج ہماری عزت افزائی کے جو سامان ہو رہے ہیں اس کا سبب بھی واضح ہے۔ یہ بھی کوئی پہیلی نہیں کہ ہمارے ہاں پانی کا ایک گھونٹ تک نہ پینے والے ہمیں پُرتکلف عشائیے کیوں دے رہے ہیں۔ کھونے اور پانے کا کھاتہ تیار ہونے میں تو وقت لگے گا البتہ شمالی اتحاد کی صورت میں ایک فوری ''انعام'' ہماری دہلیز پر کھڑا دستک دے رہا ہے۔ ہم نے بڑی دردمندی کے ساتھ یہ مطالبہ امریکہ کے سامنے رکھا تھا کہ ''وسیع البنیاد'' حکومت کے لئے جو چاہے کر لو لیکن شمالی اتحاد کو ہماری سرحدوں سے دور رکھو۔ بھان متی کے اس کنبے کا خمیر ہی پاکستانی دشمن سے اٹھا ہے۔ ہماری عرضداشت پر کچھ دیر ہمدردی کا اظہار کیا گیا، پھر شمالی اتحاد کو ''اپوزیشن فورسز'' کا نام دے کر گوارا بنایا گیا اور اب ''من تو شدم تو من شدی'' کی کیفیت ہے۔ شمالی افغانستان میں موجود سی این این کے نمائندے کا کہنا ہے کہ ناردرن الائنس کے گھوڑوں کے لئے چارہ بھی امریکی جہازوں کے ذریعے گرایا جا رہا ہے۔ بھارتی فوج کے حاضر سروس جرنیل ان کی سائیسی کے لئے اس کے ساتھ ہیں۔ نام نہاد الائنس کا وزیر خارجہ ٹی وی پر امریکیوں سے کہتا ہے:

"ROUND THE CLOCK BOMBING IS NEEDED. INTENSE BOMBING, CARPET BOMBING"

''چوبیس گھنٹے مسلسل بمباری چاہئے، شدید بمباری، قالین بچھا دینے والی بمباری''

Marfat.com

ستم ظریفی دیکھئے کہ ساری دنیا ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر افغانوں کو مار رہی ہے۔ لاکھوں ٹن بارود برسایا جا رہا ہے۔ ہزاروں بے گناہوں کا خون بہہ رہا ہے۔ ایک جمی جمائی حکومت کے سربراہ کو قتل کرنے کے لئے کمانڈو فورس اتاری جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ "ہم بیرونی مداخلت کے بغیر افغانی عوام کو اپنے حکمران چننے کا موقع دینا چاہتے ہیں۔" لطف کی بات یہ ہے کہ ہم بھی اس محفل موسیقی میں طبلہ بجا رہے ہیں۔ یہ طے پا چکا ہے کہ جن لوگوں کو تخت اقتدار پر بٹھایا جائے گا ان میں "طالبان" نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ یہ وہی عناصر ہوں گے جنہوں نے ربانی کے عہد صدارت میں افغانستان کو بدترین قسم کی لاقانونیت، ہنگامہ و فساد، بدامنی اور انارکی میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نے خود چمن سے قندھار تک تقریباً ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے میں انچاس ایسی چوکیاں دیکھی تھیں جو طالبان سے قبل "وار لارڈز" کے قبضے میں تھیں اور جہاں سے گزرنے والے قافلے اپنے نوخیز بچوں کو بھی بوریوں میں بند کر کے گزرتے تھے۔ قندھار میں پاکستان کے قونصل جنرل جناب عزیز الرحمٰن گل نے مجھے ان چوکیوں کے بارے میں ایسی لرزہ خیز داستانیں سنائی تھیں جو قلم کی زبان پر نہیں لائی جا سکتیں۔ گزشتہ ہفتے اپنی بہو، بیٹیوں کے ہمراہ کابل سے پشاور پہنچنے والے ایک بوڑھے نے اخبار نویسوں کو بتایا تھا کہ "طالبان کے ہوتے ہوئے ہماری عزتوں کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ پنج شیر والے آ گئے تو ہمارا سب کچھ لٹ جائے گا۔"

امریکی آشیر باد کے باوجود "پنج شیر" والوں کو کابل تک آنے میں کچھ وقت لگے گا لیکن ہم کب تک ایک ٹیڑھی اینٹ پر ردے لگاتے رہیں گے؟ بمباری کو فوجی اہداف تک محدود رکھنے کا مطالبہ طیاروں کی گونج میں کھو گیا۔ جنگی مہم کو مختصر رکھنے کی ہماری درخواست بھی منظور نہ ہو سکی۔ شمالی اتحاد کے بارے میں ہمارے تحفظات بھی قصہ ماضی بن چکے ہیں۔ جہاد اور دہشت گردی میں تفریق کا نعرہ بھی دم توڑ چکا ہے۔ چند روز بعد رمضان میں بمباری روکنے کا مطالبہ بھی "عید الفطر" کے دن معافی دینے کی عرضداشت تک محدود ہو جائے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم بھینسے کو بھینسا ہی رہنے دیں اور "دودھ" کی تمناؤں یا التجاؤں کے بجائے ساری توجہ اپنے آپ کو اس کے خونخوار سینگوں سے محفوظ رکھنے پر مرکوز کر دیں؟

[10-11-2001]

Marfat.com

اسرائیل کی وکالت

امریکہ کو شاید اپنے ناموس کے بارے میں اتنی تشویش نہیں جتنی فکر اسرائیل کے دامن کو اجلا اور شفاف رکھنے کی ہے۔

چند دن قبل اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے نے باضابطہ طور پر مسلم لیگی رہنما برادرم محمد اعجاز الحق کے بعض بیانات پر برہمی کا اظہار کیا ہے جن میں انہوں نے امریکہ سے کہا تھا کہ وہ آنکھیں بند کر کے اسامہ بن لادن اور طالبان کو مجرم قرار دینے کے بجائے اسرائیل اور دیگر دہشت گرد تنظیموں کے بارے میں بھی تحقیق کر لیں۔ اعجاز الحق نے پہلے نوائے وقت، نیشن کے لیڈر شپ لیکچر اور بعد میں پی ٹی وی کے ایک پروگرام میں کہا تھا کہ دہشت گردی کی کارروائیاں کرنے اور الزام دوسروں کے سر دھرنے کے بارے میں اسرائیل ''شاندار'' ریکارڈ رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنی بات کے حق میں ان واقعات کا حوالہ بھی دیا تھا:

☆...... 1940ء کی دہائی میں سات لاکھ فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے مار بھگایا گیا۔ اس دوران ظلم وستم کی انتہا کر دی گئی۔ ماؤں کے پیٹ چاک کر کے بچوں کے ٹکڑے اڑا دیئے گئے۔

☆...... موجودہ اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون نے خود صابرہ اور شتیلہ کے کیمپوں کے قتل عام میں حصہ لیا تھا۔

☆...... 1954ء میں اسرائیل نے قاہرہ اور سکندریہ میں امریکی تنصیبات پر حملوں کا منصوبہ بنایا جس کا نام اسرائیلی وزیر دفاع کے نام پر LAVON AFFAIR رکھا گیا۔ یہ منصوبہ کسی وجہ سے ناکام ہو گیا اور 1955ء میں LAVON کو مستعفی ہونا پڑا۔ منصوبے کا مقصد ان وارداتوں کے ذریعے امریکہ کو مصر سے لڑانا تھا۔

☆...... 1967ء میں اسرائیل نے ایسے جہازوں کے ذریعے جن پر کوئی شناختی نشان نہ تھا، امریکی بحری جہاز ''لبرٹی'' پر حملہ کیا۔ اس حملے میں 31 امریکی مارے گئے اور 170 زخمی

Marfat.com

ہوئے۔ اسرائیل نے امریکی جہاز کو غرق کرنے اور تمام امریکیوں کو ہلاک کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس واردات کا مقصد امریکہ کو عربوں کے خلاف مشتعل کرنا تھا۔

☆ ...... 1986ء میں اسرائیل ایجنسی 'موساد' نے لیبیا کے دارالحکومت طرابلس میں ایک جعلی ٹرانسمیٹر نصب کیا جہاں سے عربی زبان کے مخصوص کوڈ میں جعلی پیغام نشر کر کے لیبیا کا تعلق جرمنی میں ہلاک ہونے والے دو امریکیوں سے جوڑ دیا گیا۔ اسرائیلی منصوبے کے عین مطابق امریکہ لیبیا پر چڑھ دوڑا۔

☆ ...... 11 ستمبر کے واقعات کے فوراً بعد مسلمان نشانہ بن گئے ہیں اور عالمی ''دہشت گردی'' کے خلاف مہم کی آڑ میں صرف اسلامی شخصیات اور تنظیموں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے لہٰذا قیاس کہتا ہے کہ یہ کارروائی بھی مسلم دشمن اسرائیل نے کی ہوگی۔

پاکستان میں اسرائیل کا سفارتخانہ موجود نہیں لیکن جس شام اعجاز الحق کا انٹرویو چلا، اس سے اگلے دن انہیں ایک بھاری بھرکم سیل بند لفافہ موصول ہوا جس پر امریکی سفارتخانے کی مہر لگی تھی۔ لفافے میں طبع شدہ میٹریل کے علاوہ سفارت خانے کے قونصلر تعلقات عامہ مسٹر جان کن کینن (JOHN KINCANNON) کا تحریر کردہ ایک خط بھی شامل تھا۔ دو صفحوں پر مشتمل اس خط میں بہت کچھ کہا گیا تھا لیکن نفس مضمون صرف اس قدر تھا کہ ''اسرائیل پر الزام کیوں لگایا؟'' خط کا آغاز اس طرح ہوتا ہے......

''گزشتہ شام ٹی وی پر آپ کے ریمارکس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے خیال میں اسرائیل بھی امریکہ میں 11 ستمبر کے حملوں میں ملوث ہو سکتا ہے۔ میں آپ کو ایسا مواد بھیج رہا ہوں جس سے ہمارے خیال میں، بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ان واقعات میں القاعدہ ملوث ہے۔'' اپنی تفتیشی کارروائیوں پر روشنی ڈالنے کے بعد امریکی آفیسر تعلقات عامہ مزید لکھتے ہیں۔

''آپ کے بیانات، جن میں اسرائیل کو 11 ستمبر کے واقعات میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی ہے، قطعی طور پر غلط ہیں۔ افواہوں اور ڈس انفارمیشن کے سوا ایک بھی ایسا ثبوت منظر عام پر نہیں آیا جس سے اندازہ ہو کہ پینٹا گان اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملوں کی ذمہ داری اسامہ بن لادن اور القاعدہ کے علاوہ کسی اور پر ڈالی جا سکے۔''

برادرم اعجاز الحق آج کل ایک ایسی تنی رسی پر چل رہے ہیں جہاں سانس بھی آہستہ لینے کی

Marfat.com

ضرورت ہے کہ کہیں توازن نہ بگڑ جائے لیکن انہوں نے ''ہم دلی'' کو ''ہم خیالی'' پر ترجیح دیتے ہوئے کھری کھری سنا ڈالی ہیں۔ امریکی سفارت خانے کے نام اپنے جوابی مکتوب میں انہوں نے لکھا:۔

☆...... ''ہم امریکہ پر دہشت گردوں کے حملوں کی مذمت کرتے ہیں۔ ہم کشمیر اور فلسطین کے معصوم عوام پر ڈھائی جانے والی ریاستی دہشت گردی سمیت، دنیا بھر میں موجود ہر نوع کی دہشت گردی کا خاتمہ چاہتے ہیں۔

☆...... ہر انسان کی زندگی یکساں طور پر قیمتی ہے چاہے وہ افغانستان میں رہتا ہو یا فلسطین میں، کشمیر میں یا امریکہ میں۔

☆...... میں نے 50 اور 60 کی دہائیوں میں اسرائیلی کارروائیوں کا تذکرہ اس لئے کیا تھا کہ امریکی اداروں کو تفتیش کرتے وقت اس امکان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے تھا۔ علاوہ ازیں دنیا میں موجود دوسری دہشت گرد تنظیموں کے بارے میں بھی مکمل تفتیش ہونی چاہئے تھی۔

☆...... امریکہ کی جلد بازی ناقابل فہم ہے۔ امریکی صدر نے خود کہا تھا کہ ''ہم مناسب وقت کا انتخاب کریں گے۔'' اگر تمام دہشت گرد تنظیموں کی مکمل چھان بین اور حتمی نتیجے تک پہنچنے میں چھ یا آٹھ ماہ بھی لگ جاتے تو کیا ہرج تھا۔

☆...... میں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ خیالات بے شمار دوسرے لوگوں کے بھی ہیں۔ ان میں یورپین امریکن یونٹی اینڈ رائٹس کمشن کے صدر ڈیوڈ ڈیوک (DAVID DUKE) بھی شامل ہیں۔ میں ان کا ایک مضمون آپ کو بھیج رہا ہوں۔

☆...... میں نے ٹی وی پروگرام میں بھی کہا تھا اور اب پھر کہتا ہوں کہ پائیدار اور مستحکم حل صرف اور صرف پرامن مذاکرات ہی کے ذریعے نکل سکتا ہے۔''

امریکہ اور اعجاز الحق کی یہ مراسلت ابھی تک پریس کی زینت نہیں بنی ورنہ یہ سوال اٹھایا جا چکا ہوتا کہ امریکہ، اسرائیل کے بارے میں اتنا حساس کیوں ہے؟ ملاعبدالسلام ضعیف تو خ [illegible] میں نہائے افغانوں کا نوحہ بھی نہیں پڑھ سکتا اور امریکی سفارتخانہ ایک ایسے ملک کی وکالت میں مصروف ہے جسے پاکستان نے تسلیم ہی نہیں کیا اور جو پاکستان دشمنی میں بھارت کا دست و بازو بنا ہوا ہے۔

[12-11-2001]

Marfat.com

تماشا ختم ہوگا

افغانستان، طالبان کے ہاتھوں سے نکلتا جارہا ہے۔امریکہ کی سالاری میں بہادری کے جوہر دکھانے والا شمالی اتحاد پے در پے فتوحات کے جھنڈے گاڑتا طوفانی پیش قدمی کررہا ہے۔ کابل سے ہرات تک اس کا پرچم لہرانے لگا ہے۔چالیس دنوں سے محاصرے میں آئے ہوئے طالبان جنوب میں سمٹتے جارہے ہیں۔مزارشریف میں جشن فتح کی کہانیاں عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعے منظر عام پر آرہی ہیں۔داڑھیاں نوچی جارہی ہیں۔فاتح سیاہ خواتین کے برقعوں سے کھیل رہی ہے،نوعمر بچے اور عورتیں گھروں کے اندر چھپی بیٹھی ہیں۔قتل وغارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔امریکی کولیشن،کامرانی کے نشے میں سرشار ہے اور گہرے دکھ کی اس گھڑی میں کچھ پاکستانی دانشوروں کے قلم کی زہرناکی اہل پاکستان کے دلوں پر نشتر چلارہی ہے۔ان کا کہنا ہے''ہم نہ کہتے تھے کہ مادی قوت کے سامنے جذبات کی دیواریں کھڑی نہیں کی جاسکتیں اور ہوا کے رخ کے مخالف چلنے والے سفینوں کو ڈوبنا ہی ہوتا ہے۔''افغانوں اوران کے کوہساروں پر ٹوٹنے والی قیامت سے اپنے افکار کو حرارت بخشنے اور امریکی بربریت کی شکار قوم کے زخموں سے دلائل کا عرق کشید کرنے والے پاکستانی دانشور، طالبان اوران کے ہمنواؤں کی بے حکمتی اور کم دانشی کا ماتم کررہے ہیں۔چالیس دنوں سے اداس رہنے والی ان کی شامیں یکا یک رنگین ہوگئی ہیں۔

کسے معلوم نہیں کہ جذبے،میزائلوں اور بموں کی ہلاکت آفرینی نہیں روک سکتے......؟کون نہیں جانتا کہ دعاؤں سے توپوں میں کیڑے نہیں پڑا کرتے؟کس کو خبر نہیں کہ محض حق پر ہونا، تیز دھار تلواروں کو کند نہیں کرسکتا؟اگر ایسا ہوتا تو تاریخ کی آستین پر کسی کربلا کا لہو نہ ہوتا اور سلسلہ روز وشب کی آغوش میں کوئی شام غریباں نہ ہوتی۔

سامنے کی بات ہے کہ اپنے لامحدود مفادات کے ایجنڈے پر عمل پیرا امریکہ، دھونس،

Marfat.com

دھاندلی اور ترغیب کے ہتھیاروں کے ساتھ، ساری دنیا کو ہمراہ لئے ایک ایسی قوم پر چڑھ دوڑا جس نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ جب طالبان وجود میں آئے تو اسامہ، مجاہد تھا۔ اس وقت تک اس کے دامن پر کسی دہشت گردی کا کوئی داغ نہ تھا۔ وہ کسی ''سب سے بڑے مشتبہ'' کے میزبان بھی نہ تھے۔ تب بھی امریکہ سمیت دنیا کے ایک سونوے سے زائد ملکوں نے ان کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ شمالی اتحاد دس فیصد افغانستان میں سکڑا سمٹا بیٹھا تھا تب بھی عزیز جاں تھا اور آج بھی اس کی ہر ادا مغرب کے لئے توبہ شکن ہے۔ اخلاق کی ادنیٰ ترین صفات سے عاری جس گروہ نے افغانستان کو مکروہ اور گھناؤنے جرائم کی آماجگاہ بنا دیا تھا اور جس کی فرمانروائی میں ہر دس قدم پر عزتوں اور عصمتوں کی قتل گاہیں قائم تھیں، آج وہ انسانی حقوق کے امریکی بیڑے میں بیٹھ کر کابل کے ساحل پر اترا ہے اور دانشور کو سنے دے رہے ہیں کہ ''ہم نہ کہتے تھے۔''

امریکہ افغانستان میں کئی لکیریں ڈال کر اپنے طویل المیعاد مقاصد کی راہ ہموار کر رہا ہے۔ شمال مشرقی افغانستان سے طالبان کی بے دخلی، نیو ورلڈ آرڈر کے ایک اہم مرحلے کی تکمیل ہے۔ کولن پاول کا بیان آ گیا ہے کہ امریکہ وہاں ایک ایسا اڈہ تعمیر کرے گا جو فوجی اور دیگر مقاصد کے لئے استعمال ہوگا۔ امریکہ کی خوشی قابل فہم ہے کہ خلیج کے بعد اب وسط ایشیا کے معدنی وسائل بھی اس کی مٹھی میں آ گئے ہیں۔ ترکی خوش ہے کہ ازبک رشید دوستم کی بن آئی ہے۔ ایران خوش ہے کہ اسماعیل خان اور کریم خلیلی ہرات اور وسط افغانستان پر قابض ہو گئے ہیں۔ تاجکستان مطمئن ہے کہ احمد شاہ مسعود کے جانشین قاسم فہیم کے قدم کابل تک آ پہنچے ہیں۔ بھارت خوش ہے کہ اس کا پروردہ قبیلہ پاکستان کے سر پر سوار ہو گیا ہے۔ روس آسودہ ہے کہ اس نے مجاہدین افغانستان سے انتقام لے لیا ہے اور اس جنگ میں اپنا سب کچھ جھونک دینے والا پاکستان لٹی بستیوں اور جلتے خیموں کو دیکھ کر یہ فیصلہ بھی نہیں کر پا رہا کہ یہ کسی کی خانماں بربادی کا منظر ہے اور کون سا لشکر طبل بجاتا، علم لہراتا فصیل شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ فاتح گروہ وکٹری کا نشان بنائے اپنے اپنے دوستوں کی طرف دیکھ رہے ہیں اور طالبان حیران ہیں کہ ان کے چاہنے والے، دشمن کی کمین گاہ میں بیٹھے تیر برسا رہے ہیں۔

طالبان کو ایک کونے میں دھکیل دینے کا مطلب افغانستان کی مرکزیت اور یکجہتی پر ضرب لگانا ہے۔ اب شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک کوئی شخصیت باقی نہیں رہی جس کا سکہ ہر کہیں

Marfat.com

چلتا ہو۔ ٹکڑیوں میں بٹا ہوا افغانستان مختلف جنگی سورماؤں کی چراگاہ بن گیا ہے۔ اپنا اپنا جنگل اپنی اپنی بادشاہت۔

طالبان کی جنگ لڑنے والے کسی طبقے یا گروہ یا قبیلے کی نہیں، ایک فلسفہ حیات کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وقت کی منہ زور قوتوں کی ناانصافی کے مقابلے میں حق وصداقت کی جنگ۔ اس جنگ میں شہر اور قصبے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ازل سے ابد تک جاری اس جنگ میں ''شرار بولہبی'' کے بھڑک اٹھنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ چراغ مصطفوی کی لو کا تحفظ کرنے والے ہار گئے ہیں۔ اس جنگ کا جاری رہنا ہی اس کی فتح ہے۔ اس کے زمانے اور مقام بدلتے رہتے ہیں لیکن کشمکش ختم نہیں ہوتی۔ دانشور نہ بھولیں کہ یہ ڈرامے کا آخری سین نہیں۔ اس کے مصنف، ہدایت کار اور کرداروں کو کچھ معلوم نہیں کہ آگے کا منظر کیا ہوگا۔ دیوانگی اور رومانویت کا شکار قبیلہ جانتا ہے کہ ابھی بہت سے مرحلہ ہائے شوق باقی ہیں۔ ابھی کئی نامہربان موسم آنے ہیں۔ اگر عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پرنور سینے کسی خنجر کا منہ نہیں موڑ سکتے تو اسامہ بن لادن اور ملا عمر کس باغ کی مولی ہیں؟ لیکن اس دیوانہ خو قبیلے کو یقین ہے کہ نہ کوہسار فنا ہوں گے نہ افغان اور نہ وہ روح کائنات جو مرمر کے زندہ ہوتی چلی آئی ہے۔ البتہ حکمت و دانش کا درس دینے والے قلم کار، صورتحال کا صحیح ادراک حاصل کرنے کے لئے تماشا ختم ہونے کا انتظار کریں۔

کہانی آپ الجھی ہے کہ الجھائی گئی ہے..........
یہ عقدہ تب کھلے گا جب تماشا ختم ہوگا..........
یہ سب کٹھ پتلیاں رقصاں رہیں گی رات کی رات
سحر سے پہلے پہلے سب تماشا ختم ہوگا۔..........

[14-11-2001]

Marfat.com

میں کون ہوں؟

بیٹھے بٹھائے یکا یک میں اپنی پہچان کھو بیٹھا ہوں اور مسلسل سوچ رہا ہوں کہ میں کون ہوں؟ انسان کے لئے سب سے بڑا آشوب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی شناخت بھول جائے۔ آئینے کے سامنے کھڑا اپنے چہرے پر نظریں گاڑے اس الجھن میں ہو کہ یہ جانا پہچانا سا شخص کون ہے؟ لوگ اس کا نام لے کر پکاریں اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا ہو کہ یہ کسے بلا رہے ہیں؟ اپنے قدموں پر پورے قد کے ساتھ کھڑا کھڑا بھیڑ میں گم ہو جائے، اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھا اس سوچ میں کھو جائے کہ مجھے کہاں جانا ہے؟ میرے دوست کون ہیں؟ میرے دشمن کون ہیں؟ میں خود کون ہوں؟ جو لوگ سامنے کی تلخ حقیقتوں کو دیکھتے ہوئے جذبات کی رو میں بہہ رہے تھے اور امریکہ کی بے پایاں عسکری قوت کا پورا پورا احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے طالبان کی آشفتہ سری کا ساتھ دے رہے تھے، انہیں آنے والے موسموں کی چاپ پہلے سے سنائی دے رہی تھی۔ امریکہ کے ماضی پر نظر رکھنے اور اس کے عزائم کا حدود اربعہ جاننے والوں کو یہی ڈر تھا کہ منزل ملی تو ہم قافلے کی دھول بن کر رہ جائیں گے۔ وسوسوں اور واہموں میں مبتلا لوگوں کو یہی خوف کھائے جا رہا تھا کہ ہم بڑی محنت کے ساتھ افغانستان کے کوہساروں اور وادیوں میں جو جنت تعمیر کر رہے ہیں وہ کسی "شداد" کے حصے میں آئے گی اور ہمیں معمار بننے کا معاوضہ بھی نہیں ملے گا۔

ہم نے عالمی کولیشن کے رتھ میں بٹھا کر رشید دوستم کو مزار شریف تک پہنچایا۔ اس نے اور اس کے سپاہ نے پاکستان اور پاکستانی قیادت کے خلاف غلیظ زبان استعمال کرتے ہوئے ظلم و بربریت کا ایسا بازار گرم کیا جس سے انسانیت پناہ مانگتی ہے۔ جنرل حمید گل کا کہنا ہے کہ "دوستم زانی، شرابی اور لٹیرا ہے۔ اس کی بدکرداری کے لئے کوئی بھی لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔" امریکی رسالے "ٹائم" نے اسے "پیٹھ میں چھرا گھونپنے والا شخص" کہا ہے۔ دوستم کی سپاہ عصمت شعار خواتین اور خوبرو لڑکوں کے تعاقب میں ہے۔ اس نے چھ سو سے زائد پاکستانیوں اور عربوں کی لاشوں کے

Marfat.com

سرہانے جشن طرب منایا ہے۔رقص ابلیس مسلسل جاری ہے۔

جنرل قاسم فہیم کی فاتح سپاہ کابل میں داخل ہو چکی ہے۔ہم اس امریکی مہم کا ہراول دستہ تھے جس نے طالبان کو بے دست و پا کیا اور لاکھوں ٹن بارود برسا کر جنرل فہیم کی فتح کا راستہ ہموار کیا۔ وہ کابل میں گھسا ہے تو اس کے فوجی احمد شاہ مسعود کی تصویریں اٹھائے ''پاکستان مردہ باد'' کے نعرے لگا رہے ہیں۔اس کے وزیر خارجہ عبداللہ کا کہنا ہے کہ ''پاکستان کابل میں ہمارے داخلے پر معترض کیوں ہے؟ وہ تو اس کولیشن کا حصہ ہے جس نے ہماری مدد کی اور طالبان کا تختہ الٹا۔'' پروفیسر برہان الدین ربانی نے عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے اپنی سپاہ کو حکم دیا ہے ''کسی کو کچھ نہ کہو لیکن کسی پاکستانی اور عرب کو معاف نہ کرنا'' فاتح لشکری بھوکے بھیڑیوں کی طرح کابل کی گلیوں میں گھوم رہے ہیں۔کوئی مشکوک فرد نظر آئے تو ''پاکستانی'' یا'' طالبان'' کا نعرہ لگا کر اس کا سینہ چھلنی کر دیتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے ذرائع نے بتایا ہے کہ ایک سکول میں پناہ لینے والے ایک سو پاکستانیوں کو بھون ڈالا گیا۔ نیویارک ٹائمز کی خبر ہے کہ ایک 65 سالہ پاکستانی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس پر گولیوں کی مشق کی گئی اور پھر اس کے منہ میں مارٹر کا ایک گولہ ٹھوس کر سڑک کے کنارے پھینک دیا گیا۔ چھ پاکستانیوں کو ذبح کر کے ان کی نعشیں درختوں سے لٹکا دی گئیں۔ ہزاروں لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنی بہو بیٹیوں کا ناموس بچانے کے لئے فرار ہو رہے ہیں۔ایسی تصاویر چھپی ہیں کہ ناردرن الائنس کے سپاہی پاکستانیوں کی نعشوں کو ٹھڈے مار رہے ہیں، کئی ایک لاشیں ٹینکوں کے ساتھ باندھ کر گھسیٹی جا رہی ہیں۔شاہراہ شہزادہ منی ایکسچینج کے صدر امین جان خوست نے بتایا ہے کہ فاتحین کی پہلی دستک کے ساتھ ہی لوٹ مار کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ایکسچینج کے 80 دفاتر میں سے لاکھوں ڈالر، کروڑوں پاکستانی روپے اور اربوں افغانی لوٹ لئے گئے۔دفتروں کے قالین، کمپیوٹر اور دیگر ساز و سامان بھی لوٹ لیا گیا۔ پاکستانی سفارتخانہ خصوصی نشانہ بنا۔ بے لگام گروہ، پنکھے، ایئر کنڈیشنز، کمبل اور فرنیچر گاڑیوں میں بھر کے لے گئے۔کابل کی سڑکوں پر بکھری لاشوں کے گرد بدمست فوجی رقص کر رہے ہیں۔شراب پانی کی طرح بہہ رہی ہے، مسجدوں کے لاؤڈ سپیکر بھی بھارتی فحش گانوں کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔ڈاڑھیاں تیز دھار استروں کی زد میں ہیں اور کابل کے بے رنگ در و دیوار اچانک بھارتی اداکاراؤں کی تصویروں سے سج گئے ہیں۔

Marfat.com

11 ستمبر سے ہم امریکی کولیشن کا حصہ ہیں اور 11 ستمبر کے بعد سے ہم مسلسل اپنے ٹوٹتے خوابوں کی کرچیاں چن رہے ہیں۔ ہماری کوئی بھی آرزو بر نہیں آئی۔ 37 ارب قرضوں کا پہاڑ جوں کا توں ہے۔ معیشت بدستور جاں بہ لب ہے۔ ایٹمی پروگرام مغربی محفلوں کی تفریح طبع کا سامان بن چکا ہے۔ کشمیر کاز امریکی خوشنودی کے کچے دھاگے سے بندھا ہے۔ رہی قومی سلامتی، تو بی بی سی کا یہ تبصرہ کافی ہے کہ "اب پاکستان مغرب کی طرف پیٹھ کر کے بھارت کا سامنا نہیں کر سکے گا۔"

مبصروں، حکمت کاروں اور دانشوروں کی باتوں سے مجھے کچھ واسطہ نہیں، میرا مسئلہ تو صرف اپنی شناخت ہے جو نہ جانے کہاں کھوگئی ہے۔ میں مسلسل اپنے آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ سر بازار کھڑا ہر آنے جانے والے سے پوچھ رہا ہوں کہ "میں کون ہوں؟"

میں نے "سب سے پہلے پاکستان" کا نعرہ لگا کر جس کولیشن کا ساتھ دیا تھا اس کے پہلے فتح مند دستے نے کابل میں داخل ہوتے ہی "پاکستان مردہ باد" کا مکروہ نعرہ کیوں لگایا ہے؟

اگر میں بھی اس فاتح سپاہ کا ایک لشکری ہوں تو میرا سینہ چھلنی کیوں ہے اور میرے منہ میں مارٹر کا گولہ کیوں ٹھنسا ہوا ہے؟

اگر میرا نام امریکی قیادت میں لڑی جانے والی جنگ کی "فرنٹ لائن سٹیٹ" ہے تو میری گردن کٹی لاش درخت سے کیوں جھول رہی ہے؟

اگر میں فاتح بھی نہیں، مفتوح بھی نہیں تو پھر میں کون ہوں؟

[15-11-2001]

Marfat.com

انقلابِ نو......1

الجھی ہوئی سوچ کا المیہ یہ ہے کہ وہ معاملات کو خلط ملط کر دیتی اور اپنی اپنی جگہ موجود حقیقتوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر فکری انتشار پیدا کر دیتی ہے۔ انسان کو مخلوقات کا سردار بنانے اور خلافت کی قبا پہنانے کا مقصد اگر صرف ''علم اشیا کی جہانگیری'' اور مادی ترقی کی معراج کمال تک پہنچانا ہوتا تو سیرت و کردار کو مخصوص سانچوں میں ڈھالنے اور نفیس جذبوں کو پروان چڑھانے والی الہامی تعلیمات کی ضرورت نہ ہوتی۔ انسان کی تہذیب نفس کے لئے پیغمبروں کے بجائے سائنسدان نازل ہوتے اور انسان کو کمال انسانیت کا درس دینے والی کتابوں کے بجائے فزکس اور کیمسٹری کے فارمولے صحیفوں کی شکل میں اتارے جاتے۔ یہ بحث ہی بیکار ہے کہ جذبوں کی آنچ زندہ رکھنا چاہئے یا خالص مادی علوم سے استفادہ کر کے ترقی وخوشحالی سے لو لگانی چاہئے۔ ہمارے مسلک کے مطابق عشق وجنون اور علم وحکمت میں کوئی تصادم نہیں۔ کسی ایک کی جستجو میں دوسرے سے دستبردار ہونے کا تصور ہی بے معنی ہے۔ نبی آخرالزمان ﷺ کا کوئی امتی علم کا منکر نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ہر مرد اور ہر عورت پر نماز، روزے کی طرح لازم قرار دیا جانے والا فریضہ ہے۔ جہالت اسلام کی ضد ہے۔ حکمت کے سوتے خشک ہو جائیں اور تحقیق وجستجو کی لگن مر جائے تو قوموں کا سفر کٹھن ہو جاتا ہے۔ کوئی ذی ہوش پاکستانی اس حقیقت سے منکر نہیں کہ ہماری درس گاہیں آباد اور ہمارے دانش کدے شاداب رہنے چاہئیں۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں بھولنا چاہتا کہ ۔

علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے، لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ

مسئلہ یہ ہے کہ محض مادی علم، آسودگی اور ایسی خوشحالی تو ضرور عطا کر دیتا ہے جو زندگی کو پر آسائش بنا دیتی اور بہت سی پریشانیوں سے نجات دلا دیتی ہے لیکن اس مادیت کی کوکھ سے ایک ایسی بے مہار تہذیب اور بے لگام معاشرت جنم لیتی ہے جو براہ راست انسانیت کی ان قدروں

Marfat.com

سے ٹکراتی ہے جن کا درس نہ صرف اسلام بلکہ تمام الہامی مذاہب دیتے ہیں ۔ یہی وہ نازک مقام ہے جہاں علم وحکمت کے ساتھ ساتھ روحانی دانش اور اخلاقی تربیت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو آدمی کو ایک مشین کے بجائے انسان بناتی ہے ۔ یہی انسان بیک وقت دنیا کے علوم اور دولت ایمان ویقین سے آراستہ ہوتے ہیں ۔ ایمان کی حرارت کسی کمپیوٹر کی ''ویب سائٹ'' سے نہیں، اپنی تاریخ، اپنی تہذیب، اپنے نظریے اور اپنے عقیدے کی پختگی سے ملتی ہے اور یہ سارے اجزا ان ماؤں کی آغوش سے حاصل ہوتے ہیں جو صدیوں کی میراث آنے والی نسلوں کو منتقل کرتی رہتی ہیں ۔ عصر حاضر کے علوم پر دسترس حاصل کرنے والے شاعر مشرق نے اپنے روحانی مرشد پیر رومی سے پوچھا تھا ۔

پڑھ لئے میں نے علوم شرق و غرب
روح میں باقی ہے اب تک درد و کرب

تو پیر رومی نے جواب دیا تھا ۔

دست ہر نااہل بیمارت کند
سوئے مادر آکہ تیمارت کند

(ہر نااہل کا ہاتھ تجھے صرف بیمار ہی کرے گا ۔ اپنی ماں کی آغوش کی طرف واپس آ کہ وہی تیری تیمارداری کر سکتی ہے ۔)

ایک مخصوص لمحہ، ہر فرد اور قوم کی ترجیحات کا تعین کرتا ہے ۔ جب ایک مفلس گھرانہ فاقہ کشی کے ہاتھوں موت کی دہلیز پر کھڑا ہوتا ہے تو وہ ''چائلڈ لیبر'' کے ضابطوں کو خاطر میں لائے بغیر اپنے نوخیز بچوں کو مزدوری کے لئے بھیج دیتا ہے ۔ اسے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کی کیا اہمیت ہے اور پڑھ لکھ کر بابو بننے کی کیا برکتیں ہیں ۔ جب کوئی قوم دنیا کی سپر پاور کے قہر وغضب کا شکار ہو اور حیات وموت کی فیصلہ کن جنگ لڑی جا رہی ہو تو مدرسوں کے صحن میں ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے ......'' نہیں گایا جا سکتا ۔ شب تاریک گہری ہو جائے تو سورج تراشنے کے لئے قربانیوں کی تاریخ رقم کرنا ہوتی ہے ۔ ابھی کل کی بات ہے ۔ ماؤزے تنگ کے لانگ مارچ کی آغوش سے ایک زندہ، بیدار اور متحرک چین نے جنم لیا ۔ اس حیات نو کے پورے ایک عشرے میں درس گاہوں کو تالے لگانا پڑے ۔ جب ہوچی منہ ویت نام میں امریکی عفریت کے ساتھ آزادی کا معرکہ لڑ رہا

Marfat.com

تھا تو کتابیں الماریوں میں بند کر دی گئی تھیں۔ قائداعظم کی قیادت میں لڑی جانے والی جنگ آزادی کا ہراول دستہ وہ نوجوان تھے جو علم کی گٹھڑیاں گھروں میں چھوڑ کر میدان میں نکل آئے تھے۔ ایران میں امام خمینی عہد نو کی للکار بن کر نمودار ہو رہے تھے تو عصر حاضر کے علوم سے آراستہ ایران، سرخ قالین کی طرح ان کے قدموں میں بچھا جا رہا تھا۔

ہمارے کچھ اور مسئلے بھی ہیں۔ علم کا تمنائی ہونے کے باوجود ہماری تہذیب کنواری ماؤں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی۔ سائنس کا شیدائی ہونے کے باوجود ہم نامعلوم باپوں والے بچوں کی یلغار کا متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہم برہنگی اور جنسی بے راہروی کو اپنی منزل نہیں بنا سکتے۔ ہم زمانے بھر کے علوم پر دسترس حاصل کرنے کے باوجود اپنے جذبوں، اپنے احساسات، اپنے ضمیر، اپنے یقین، اپنے ایمان، اپنے نظریئے اور اپنی تاریخ سے دستکش نہیں ہو سکتے۔ ہم محمد عربی ﷺ کے اس فرمان کو پس پشت نہیں ڈال سکتے کہ ”جنت تلواروں کی چھاؤں تلے ہے“ سائنس اور ٹیکنالوجی کے باوجود ہم بدر و حنین کو پس پشت نہیں ڈال سکتے۔

طالبان، کابل کے چوراہوں میں سنگسار ہو رہے ہیں۔ اوباشوں کے غلیظ ہاتھ سنت رسول نوچ رہے ہیں۔ ظلم کی اندھی آندھی چلی آ رہی ہے اور کچھ لوگ سکولوں کی گھنٹیاں بجا رہے ہیں۔ الٹتے نقابوں، خون آلود عماموں، کترتی ڈاڑھیوں، موسیقی کی تانوں اور ٹانگوں سے لپٹی جینز کو انقلاب نو کا دیباچہ سمجھ رہے ہیں۔

انہیں کیا خبر کہ تاریخ کس طرح بنتی اور زمانے کی لوح پر نقش ہو جانے والے انسان کس بھٹی میں تیار ہوتے ہیں۔

[16-11-2001]

Marfat.com

انقلابِ نو......(2)

مسئلہ نہ طالبان اور امریکہ کا ہے، نہ متشددانہ قانون لاگو کرنے والے "آسیب" اور انسانی حقوق کی علمبردار سپر پاور کا۔ مسئلہ تو صرف اس قدر ہے کہ اپنے ڈھب سے جینے کی خواہش رکھنے والی ایک قوم کو ایک ایسی سپر پاور نے دبوچ لیا ہے جو شرق و غرب کو اپنی جاگیر سمجھتی ہے۔ وجہ یہ نہیں کہ علم سے محرومی کے باعث طالبان کسی سفاک کا تر نوالہ بن گئے ہیں۔ دنیا کے کئی دوسرے خطوں میں جابرانہ ضابطے بھی ہیں اور بنیادی انسانی حقوق کی شرمناک پامالی بھی۔ وجہ یہ بھی نہیں کہ طالبان نے کسی معقول شہادت اور ثبوت کے بغیر ایک مہمان عزیز کو گھر سے نکال کر ایک فرعونی قوت کے قدموں میں نہیں ڈالا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ کمیونزم کی شکست کے بعد اسلام کو سب سے بڑا خطرہ قرار دینے اور تہذیبوں کے فیصلہ کن تصادم کی تھیوری پیش کرنے والوں نے تازہ کرم دیدہ آغاز ایک ایسی قوم سے کیا ہے جو فاقہ کش ہونے کے باوجود موت سے نہیں ڈرتی اور جس نے ہزار کوتاہیوں کے باوجود "روحِ محمدؐ" کو سینوں میں بسا رکھا ہے۔ ابلیس نے اپنے پیروکاروں سے کہا تھا ؂

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
مُلا کو اس کے کوہ و دمن سے نکال دو

آج مغرب، ابلیس کی اس تلقین کو عملی جامہ پہنا رہا ہے جس کی نشاندہی علامہ اقبال نے پون صدی پہلے کی تھی۔

سوال یہ بھی ہے کہ کیا علم کی ساری منزلیں سر کر لینے کے باوجود کوئی قوم ایسا فولادی قلعہ تعمیر کر سکتی ہے جو اسے ہر خطرے سے محفوظ کر دے اور جس کے باعث اس کی ہوائیں سارے نا سازگار

Marfat.com

مومنوں کا راستہ روک لیں؟

پاکستان نے انتہائی کٹھن حالات میں ایک دفاعی قلعہ تعمیر کیا اور اپنا ایٹمی پروگرام پروان چڑھایا۔ آج اس کا شمار دنیا کے دو سو کے لگ بھگ ملکوں میں سے ان سات ملکوں میں ہوتا ہے جو ایٹمی قوت بن چکے ہیں لیکن سائنس اور ٹیکنالوجی کی اس معراج کو پا لینے کے باوجود اس کی خانہ ویرانی کا عالم سب کے سامنے ہے۔ کولن پاول کی ایک دھمکی علم سے محروم خاک نشینوں کے حوصلے تو پست نہ کر سکی لیکن ایک ایٹمی قوت کے اعصاب مفلوج کر گئی۔ اگر آسودگی، سکون، اطمینان، احساس تحفظ اور عزت وعظمت کا سورج ''علم'' کے افق سے طلوع ہوتا ہے تو پھر وقت کا ''جید ترین عالم'' اور ٹیکنالوجی کا ''شہنشاہ معظم'' ان ساری نعمتوں سے کیوں محروم ہے؟ اس کے عوام خوف کی صلیب پر کیوں لٹکے ہوئے ہیں؟ امریکہ کتنا ہی معتبر کیوں نہ بنے، دنیا بھر کے لوگوں سے پوچھا جائے تو سب سے زیادہ نفرتیں اُسی کے حصے میں آئیں گی۔ ہواؤں کو مٹھی میں لینے اور فضاؤں میں تیرتے میزائلوں کا گلا گھونٹ دینے کی صلاحیت حاصل کر لینے کے باوجود وہ اپنے دفاعی اور عسکری مراکز تین مسافر بردار طیاروں کی ضرب سے کیوں نہیں بچا سکا؟ کیا یہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی نہیں کہ ''مجروح جذبے'' ٹیکنالوجی سے کہیں زیادہ قوی ہوتے اور ایسی قوتوں کی کلغی بھی جھکا دیتے ہیں جن کے گودام ایٹمی اسلحوں سے لبالب بھرے ہوں۔ علم کی فراوانی تو کوفہ و بغداد جیسے علمی مراکز کو بھی اجڈ تاتاریوں کی دستبرد سے نہیں بچا سکی تھی۔ افغانستان کی جنگ بھی علم اور جہالت کی کشمکش نہیں۔ ایسا سوچنا بہت بڑا فکری مغالطہ ہے۔ یہ اپنی غیرت کے تحفظ کی جنگ ہے۔ جب ایک مسلح ڈاکو کسی گھر میں گھس آئے، گھر کے مالک کے پاس بندوق تو موجود ہو لیکن وہ کم علمی، کے باعث بندوق چلانا نہ جانتا ہو، ڈاکو اس کے مال واسباب کے بعد اس کی جواں سال بیٹی کی طرف بھی ہاتھ بڑھائے تو گھر کا مالک یہ سوچ کر نہیں بیٹھ جائے گا کہ اگلے سال وہ بندوق چلانے کی تربیت حاصل کر کے ڈاکو سے نبٹ لے گا۔ وہ کند چھری یا پھر اپنے ناخنوں کے ساتھ ڈاکو پر جھپٹے گا چاہے اس کا سینہ چھلنی ہو جائے۔ ایسی گھڑی میں اس کا مر جانا ہی اس کی زندگی ہے۔ جس طرح دنیا کا بڑا حصہ امریکی پالیسیوں کا نقاد ہے اسی طرح طالبان کے فہم اسلام اور ان کے حکمت عملی سے اختلاف رکھنے والوں کی بھی کمی نہیں لیکن اس کا کیا جواز ہے کہ ایک سامراجی قوت سات سمندر پار سے آ کر افغانستان کو راکھ کا ڈھیر بنا دے۔ یہ کسی بھی محب وطن قوم کی غیرت کا سوال

Marfat.com

ہے اور غیرت ڈپلوموں اور ڈگریوں سے بے نیاز ہوتی ہے۔ جب ظلم اور جبر کی قوتوں کا ہاتھ گریبان تک آ پہنچے تو پھر صرف ایک ہی سند کام آتی ہے ''عزت کی موت۔''

اگر ''وقتِ قیام'' سجدوں میں گر جانے کی تلقین کرنے والوں کی منطق مان لی جائے تو ساری تاریخ نئے سرے سے لکھنا پڑے گی۔ ٹیپو سلطان کی جرأتِ رندانہ کو حماقت کا نام دینا پڑے گا۔ تاجِ برطانیہ سے پنجہ آزمائی کرنے والے ان مجاہدین آزادی کے ماتھوں پر سیاہی پھیرنا ہوگی جو 1857ء میں درس گاہوں میں سبق پڑھنے یا درس دینے کے بجائے پھانسیوں پر جھول گئے۔ بالا کوٹ کے شہیدوں کی کم حکمتی کا ماتم کرنا ہوگا اور ان تمام افراد کے سینوں پر سجے تمغے واپس لینا ہوں گے جو برطانوی سامراج کے جاہ وجلال کی پرواہ کیے بغیر اس سے ٹکرا گئے۔ بظاہر یہ ساری قربانیاں بے ثمر گئیں لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ 14 اگست 1947ء کو طلوع ہونے والی سحر کے چہرے میں ان لاکھوں ستاروں کا خون بھی دمک رہا تھا جو ایک سورج کی جستجو میں اندھیروں کا رزق بن گئے۔ افغان جہاد ''بے ثمر'' ہونے کے باوجود وسط ایشیا اور مشرقی یورپ کی زنجیریں کاٹ گیا اور سامراج کے خلاف سینہ سپر تحریکوں کو ولولہ تازہ دے گیا۔

سائنس اور ٹیکنالوجی انسان کی قوت تسخیر کا محض ایک پہلو ہے۔ اس کی حقیقی عظمت وسربلندی اس کی غیرت وحمیت، اس کے عزم راسخ، اس کے نظریئے، اس کے ایمان اور اس کے یقین میں ہے۔ اگر اس کا سینہ بے سوز ہے اور وہ محض زندہ رہنے کی خاطر اپنی غیرت کا سودا کر لیتا ہے تو باقی ساری عمر اپنی لاش اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرنا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

طالبان کو سفاک، دہشت گرد، آسیب یا کسی بھی نام سے پکار لیں، کوئی سی من پسند گالی دے لیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ قافلہ حجاز کی تاریخ کا تسلسل ہیں۔ ان کے خون کی لکیر کا سرا صدیوں پیچھے تک چلا جاتا ہے۔ ایسے مقتل سجتے رہتے ہیں۔ سجتے رہنے چاہئیں کہ ان کے بغیر کائنات درندوں کی شکارگاہ بن جاتی ہے۔ شکارگاہ تو وہ دوسری صورت میں بھی بن جاتی ہے لیکن سرفروشوں کا لہو، درندگی کو معتبر اور محترم نہیں ہونے دیتا۔ اندلس سے سرنگا پٹم اور کربلا سے قندھار تک پھیلی قتل گاہوں کی ریت اور سلگتے خیموں کی راکھ ہی تاریخ کی مانگ کا سیندور اور انقلاب نو کی پیشانی کا نور بنتی ہے۔

انقلاب، حیا باختہ آنکھوں، تیز دھار استروں اور جینز چڑھی ٹانگوں سے نہیں پھوٹا کرتے۔

[17-11-2001]

Marfat.com

ملا عمر کا 'آسیب'

اگر یہ تہذیبوں کا تصادم نہیں تو چھ ہفتوں سے جاری بموں کی برسات کے بعد ''نئی صبح'' طلوع ہوتے ہی سارے کیمرے، سارے ٹی وی لینز، سارے مغربی رپورٹر اور سارے مبصر بے نقاب عورتوں اور بے ریش مردوں کی تلاش میں کیوں نکل کھڑے ہوئے ہیں؟ امریکہ نے تو کبھی نہیں کہا کہ اس کی قیادت میں قائم ہونے والی کولیشن کا مقصد افغان عورتوں کو بے حجاب اور مردوں کو بے ریش کرنا ہے۔ تو پھر سارا عالمی میڈیا موسیقی کی دکانوں اور باربر شاپس کے باہر کیوں جمع ہو گیا ہے؟ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ اصل معرکہ دو تہذیبوں ہی کا ہے؟ عریاں، حیا سے عاری جنس زدہ اور بے مہار تہذیب کی اصل فتح کابل، مزار شریف، ہرات اور قندھار کے شہر نہیں، گنتی کے چند نقاب اور تھوڑی سی ڈاڑھیاں ہیں۔ مٹھی بھر خوفزدہ لوگوں یا خود شمالی اتحاد کے سورماؤں نے ڈاڑھیاں منڈوا ڈالیں اور لاکھوں کی آبادی میں سے درجن بھر عورتیں برقعوں کے بوجھ سے آزاد ہو گئیں تو ایک طوفان اٹھا دیا گیا کہ افغانستان کے عوام کو آزادی مل گئی۔ جو کھلنڈرے بچے ٹیلی ویژن کیمروں اور بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کا تماشا دیکھنے جمع ہو گئے، ان کے منچلے پن اور اچھل کود کو، اظہار مسرت کرتے استقبالی ہجوموں کا نام دے دیا گیا۔ ادھر ہمارے دانشوروں نے مغرب کی لے میں اپنی آواز شامل کرتے ہوئے کہا کہ ''افغانستان کو بربریت کے آسیب سے نجات مل گئی ہے''۔

افغانستان میں کام کرنے والی ایک این جی او کی رکن خواتین کو بھی ''بربریت کے آسیب'' سے نجات مل گئی ہے۔ امریکہ نے اسے اپنے کمانڈوز کی ڈرامائی کارروائی قرار دیا ہے لیکن واقفان حال جانتے ہیں کہ سارا معاملہ صدر معمر قذافی کے بیٹے سیف القذافی نے طے کرایا۔ طالبان نے ایک معاہدے کے تحت زیر حراست ورکرز کو محفوظ ہاتھوں میں منتقل کیا۔ شلٹر ناؤ نامی تنظیم کی رکن خاتون ایتر مرسر نے دوسری ساتھی خاتون (جس کا تعلق امریکہ سے ہے) ڈیانا کورے کے ہمراہ

Marfat.com

اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس کے دوران صحافیوں کو بتایا کہ ''طالبان نے ہمارے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ وہ ہمیں بہنیں کہہ کر بلاتے تھے اور ان کا رویہ بھی بالکل بھائیوں جیسا تھا۔ پورے عرصے میں ہمارے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی نہیں کی گئی۔ ہمیں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کی مکمل آزادی تھی۔ ہمیں بہت زیادہ عزت دی گئی اور ہمارا احترام کیا گیا۔ ہمیں ٹھیک وقت پر کھانا ملتا تھا۔ ہمارے کپڑے دھونے اور ہمارے لئے کھانا تیار کرنے کے لئے ہمیں ملازم فراہم کئے گئے تھے۔ ہم چاہیں تو خود بھی کھانا بنالیتے تھے۔''

یہ ہے اس 'آسیب' کا طرز عمل جس نے پچھلے چھ سالوں سے افغانستان کو امن کا مثالی گہوارہ بنا رکھا تھا۔ جرائم کی بیخ کنی کر دی تھی اور بڑی محنت کے ساتھ افغانستان کو وحدت و مرکزیت سے آشنا کیا تھا۔ طالبان کے بارے میں کئی کہانیاں تراشی گئیں۔ اور آج بھی پراپیگنڈے کا ایک طوفان برپا ہے لیکن طالبان کے نظم و نسق کو قریب سے دیکھنے والے جانتے ہیں کہ ان کے افغانستان میں ناانصافی کا تصور بھی محال تھا۔ کوئی شخص کسی بھی نوع کا اثر و رسوخ استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ کسی کو جرأت نہ تھی کہ وہ دن یا رات کے کسی لمحے میں راہ چلتی خاتون کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ آج ان طالبان کا نام ''آسیب'' ہے۔ وہ دنیا بھر کے روشن خیالوں کی ملامت کا نشانہ ہیں اور ان کی جگہ اقتدار کی مسند پر بٹھائے جانے والے اوباش ٹولے کے بارے میں عالمی میڈیا خاموش ہے۔

مزار شریف پر قبضے کے بعد جنرل رشید دوستم کی ضیافت طبع کے لئے سینکڑوں افراد کو ٹینکوں تلے روندا گیا۔ وہ چٹختی ہڈیوں اور انسانی چیخوں کی موسیقی سے لطف اندوز ہوتا اور فلک شگاف قہقہے لگاتا رہا۔ سڑکوں پر انسانی قیمہ اور در و دیوار سے چپکے لوتھڑے دیکھنا اس کا دل پسند مشغلہ ہے۔ شہرہ آفاق کتاب ''طالبان'' کے مصنف احمد رشید کا کہنا ہے کہ ''وہ بلا کا ظالم اور جفا جو ہے۔ اسے اکیسویں صدی کا ''روہیلہ'' بھی کہا جا سکتا ہے''۔ بے پناہ دولت کی ہوس، شراب کے جام لنڈھانا ،عریاں رقص اور جنسی درندگی اس کی شخصیت کے نمایاں پہلو ہیں۔ ایک کالم نگار دوست نے معروف اخبار نویس ریرٹ ایڈس کا حوالہ دیا ہے جو دوستم کا قریبی دوست رہا۔ ریرٹ ایڈس برطانوی اخبار ''ڈیلی ٹیلی گراف'' میں لکھتا ہے کہ ''میں 1997ء میں پہلی مرتبہ رشید دوستم سے اس وقت ملا جب باقی افغانستان پر طالبان قابض ہو چکے تھے لیکن دوستم نے مزار شریف کو اپنی مرضی کی

Marfat.com

جنت بنا رکھا تھا۔ اس کی خوبصورت رہائش گاہ فرانس سے درآمد کئے گئے کھانے کے برتنوں اور سکاٹ لینڈ سے منگوائی گئی بڑھیا شراب سے بجی تھی۔ اس کے خوبصورت باغوں میں مور ناچتے تھے اور اس کی راتیں خوبصورت رقاصاؤں سے آباد ہوتی تھیں۔ اس کے زیر انتظام علاقے میں روس کی بی واڈ کا شراب بکثرت اور ہمہ وقت دستیاب رہتی تھی''۔

اور جب ہم لوگ ملا عمر سے ملنے قندھار گئے تھے تو گورنر رحمانی نے، عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد، خود اپنے ہاتھوں موٹے چاولوں کا تھال ہمارے سامنے رکھتے ہوئے بڑی عاجزی سے کہا تھا۔'' آپ لوگ اتنی دور سے آئے ہیں۔ ہم اپنا سب کچھ آپ کے سامنے ڈھیر کر دینا چاہتے ہیں لیکن کیسی بے سروسامانی ہے کہ آپ کی خدمت میں ڈھنگ کا کھانا بھی پیش نہیں کر سکتے''۔ میں نے پلٹ کر ملا رحمانی کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے۔

آج طالبان کا افغانستان، شمالی اتحاد کا افغانستان بن چکا ہے۔ کچھ لوگ خوش ہیں کہ افغانی آزاد ہو گئے۔ اب برقعے اٹھیں گے۔ ڈاڑھیاں نابود ہوں گی۔ کابل اور ہرات کے بازاروں میں میکدے آباد ہوں گے۔ کھلے گھیر والی بھاری شلواروں کی جگہ جینز کی چست پتلونوں کا چلن عام ہوگا۔ ایک تہذیب مر جائے گی۔ دوسری تہذیب کا جادو سر چڑھ کر بولے گا۔ فاقہ مست ملا عمر کا دور رخصت ہو گیا اور بدمست دوستم کا'' عہد نو بہار'' شروع ہو چکا ہے۔

اپنی عارضی کامیابی پر پھولے نہ سمانے والوں کو خبر نہیں کہ جب کسی شہنشاہ عالی مقام کا'' ایران'' تہذیب نو کی شرمناک تماشا گاہ بن جائے تو تہران کے افق پر ایک خمینی نمودار ہوا کرتا ہے جو آن واحد میں منہ زور دھاروں کا رخ مغرب سے مشرق کی طرف پھیر دیتا ہے۔

سخت جاں آسیب مرا نہیں کرتے، بھیس اور ٹھکانے بدل لیتے ہیں۔

[18-11-2001]

Marfat.com

مفلس کی قبا

افغانستان کے عوام کو ''بیرونی مداخلت کے بغیر آزادانہ مرضی سے'' اپنی حکومت قائم کرنے کا موقع فراہم کرنے کیلئے پوری دنیا سرگرم عمل ہے۔ اس عظیم مقصد کیلئے ایک طویل عرصے سے جدوجہد کی جارہی تھی۔ بیرونی مداخلت سے آزادی یقینی بنانے کے لئے 7 اکتوبر سے شروع ہونے والی شدید ترین بمباری کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ اس مقصد جلیلہ کیلئے ایک سو برطانوی فوجی اس طرح بگرام کے ہوائی اڈے پر قابض ہوگئے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔ امریکی ٹروپس بھی افغانستان میں موجود ہیں تاکہ کسی جمہوریت کش گروہ کو بیرونی مداخلت سے آزادی کے مشن پہ ضرب لگانے کی جرات نہ ہو۔ اقوام متحدہ بھی پوری طرح فعال ہے اور اس کا نمائندہ فرانسس وینڈرل بیرونی مداخلت کا راستہ روکنے کابل پہنچ چکا ہے۔ امریکی صدر جارج بش اور روسی صدر پیوٹن شطرنج کی بساط بچھائے مسلسل اس سوچ میں غرق ہیں کہ آزاد افغانوں کی آزادانہ مرضی پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ ایران اور روس میں بھی اس مقدس مقصد کے لئے مسلسل رابطہ قائم ہے۔ بھارت بھی اس امر کو یقینی بنانے کے لئے سرگرم عمل ہے کہ افغانیوں کے آزادانہ حق خودارادیت پہ کوئی ہلکی سی خراش بھی نہ آنے پائے۔ پشاور میں بھی اس کار خیر کے لئے پیہم مشورے جاری ہیں اور جن کیلئے مہذب دنیا یہ سارے پاپڑ بیل رہی ہے وہ آگ اور بارود کے سیل بے پناہ کی زد میں ہیں۔ ان کے کٹے پھٹے اعضا چیل کوے نوچ رہے ہیں۔ بے گوروکفن لاشیں ہر طرف بکھری ہیں۔ معصوم بچے تک امریکی بموں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ بستیاں پیوند زمین ہورہی ہیں۔ لاکھوں افراد اپنا گھر بار چھوڑ کر پناہ گاہوں کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں تاہم انہیں بیرونی مداخلت سے آزاد کرنے کی کوششوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔

ایک طبقہ مطمئن ہے کہ انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہلاکت آفرینی اور افغانستان میں غیر ملکی فوجوں کی موجودگی نے اب ہر قسم کی بیرونی مداخلت کا راستہ روک دیا ہے اور آزادانہ مرضی

Marfat.com

ے جمہوری منظر دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ طالبان کے دور میں 90 فیصد سے زائد افغانستان پر ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم تھی لیکن آزادانہ مرضی کی کارفرمائی کے ساتھ ہی مرکزیت کے تختے ادھڑنا شروع ہو گئے اور دیکھتے دیکھتے افغانستان ٹکڑوں میں تقسیم ہونے لگا۔ دوستم مزار شریف کا مختار کل، کریم خلیلی بامیان اور ہزارہ جات کا فرمانروا، حاجی عبدالقدیر ننگر ہار کا تاجدار، اسماعیل ہرات کا بادشاہ اور فہیم کابل کا شہنشاہ، گل آغا اور حامد کرزئی قندھار پر نظریں لگائے بیٹھے ہیں۔ ان سلطنتوں کے اندر بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو رہی ہیں۔ ہر سطح کے کمانڈر اپنی حیثیت اور توفیق کے مطابق اپنا حصہ مانگ یا چھین رہے ہیں اور برہان الدین ربانی اپنے سر پر صدارت کی دستار سجائے کابل میں براجمان ہیں۔

امریکی کولیشن کا لے پالک فرزند 'شمالی اتحاد' پر پرزے نکال رہا ہے۔ قرائن بتاتے ہیں کہ کابل میں داخل ہوتے ہوئے اسے امریکہ اور روس کی بھرپور سرپرستی حاصل تھی۔ امریکی اخبار ورلڈ نیٹ ڈیلی نے لکھا ہے کہ'' امریکی صدر کو شمالی اتحاد کی ہر حرکت کا پہلے سے علم تھا اور وہ جارج بش کی اجازت سے کابل میں داخل ہوا۔ امریکی منصوبہ سازوں کے پلان کے مطابق شمالی اتحاد کو اکتوبر 2002ء میں کابل کا قبضہ ملنا تھا لیکن 7 نومبر کو صدر پیوٹن نے فون پر صدر بش سے بات کی اور انہیں بتایا کہ شمالی اتحاد اس وقت مزار شریف پر قبضے کی پوزیشن میں ہے۔ مزار شریف پر قبضے کے بعد کابل دو دنوں کی مار ہوگا۔ صدر بش نے فوری منظوری دے دی۔ امریکی اخبار کی اس رپورٹ کے یہ معنی ہیں کہ جس وقت جارج بش صدر مشرف کو یقین دہانی کرا رہے تھے کہ شمالی اتحاد کو کابل میں داخل نہیں دیا جائے گا اس وقت سب کچھ طے پا چکا تھا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ 1996ء میں کابل سے بے دخل ہونے والی احمد شاہ مسعود کی سپاہ، ایک بار پھر کابل پر قبضہ جما لینے کے بعد کسی دوسرے دھڑے کو معقول حصہ دینے پر آمادہ نہیں۔ جنرل فہیم کی خودسری کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اس کی رگوں میں کے جی بی کی زہرناکی اور خاد کا فساد بھرا ہے۔ مسعود کی زندگی میں بھی وہ اہم ترین کمانڈر تھا اور آج وہ جائز وارث کے طور پر جمعیت اسلامی کا بازوئے شمشیر زن ہے۔ دوستم اور فہیم کے درمیان فاصلے صرف ازبک اور تاجک ہونے کے ناطے نہیں، یہ دو متحارب کمانڈروں اور متضاد مفادات رکھنے والی شخصیات کا تصادم ہے۔ دوستم جمعیت کی حکومت کو ماننے پر آمادہ نہیں۔ کریم خلیلی کی حزب وحدت نے طالبان کے

Marfat.com

خلاف موثر جدو جہد کی۔ وہ صرف بامیان اور ہزارہ جات پر قناعت کرنے پر تیار نہیں۔ اس کی فوج کابل کی دہلیز تک آن پہنچی ہے۔ کریم خلیلی کا کہنا ہے کہ میں اپنی سپاہ باہر چھوڑ کر پیدل کابل کے اندر جاؤں گا اور ربانی سے دوٹوک بات کروں گا کہ ہمارا جائز حصہ ہمیں ملنا چاہیئے۔ ادھر بگرام کے ہوائی اڈے پر برطانوی قبضہ کسی کو پسند نہیں آ رہا۔ شمالی اتحاد نے وارننگ دی ہے کہ پندرہ کے سوا سب برطانوی فوجی فوراً واپس چلے جائیں۔ عبداللہ کا کہنا ہے کہ ''کابل آزاد ہو چکا'' وہاں ایک انتظامیہ موجود ہے۔ کسی بیرونی فوج کی موجودگی بہت بڑی غلطی ہوگی۔ اقوام متحدہ اور جمعیت اسلامی ایک دوسرے پر تاخیری ہتھکنڈوں کا الزام لگا رہے ہیں۔ فتح مندلوگوں کو ڈور کا کوئی سرا نہیں مل رہا۔ طالبان کا سینہ چھلنی کرنے والی توپوں کے دہانوں سے نکلنے والا دھواں ابھی ختم نہیں ہوا کہ ان کے رخ ایک دوسرے کی طرف پھر گئے ہیں۔

جان لیجئے کہ کسی نمائندہ مرکزی حکومت کے تحت متحد، مضبوط، مستحکم اور پرامن افغانستان اتنا ہی دور چلا گیا ہے جتنا دس سال قبل روسی فوجوں کی رخصتی کے وقت تھا۔ اس وقت امریکہ نے جنرل ضیاء الحق کے عزائم کی پیٹھ میں جنیوا معاہدے کا خنجر گھونپ دیا تھا اور آج جنرل مشرف کی توقعات کو سبوتاژ کرنے کے لیے اس دوشنبے، پلان پر عمل ہو رہا ہے۔ جو بیرونی مداخلت کاروں نے تیار کر رکھا ہے۔

افغانستان ''بیرونی مداخلت کے خاتمے'' کی آڑ میں آنے والے کئی سالوں تک ہمہ جہت اور ہمہ رنگ بیرونی مداخلت کا اکھاڑہ بنا رہے گا۔ مفلس کی قبا میں درد کے پیوند لگتے رہیں گے اور ہم بے چارگی کے زخم چاٹتے، رنگارنگ تاویلوں کے ذریعے اپنے آپ کو فریب دیتے رہیں گے۔

[19-11-2001]

Marfat.com

عروج

وزیر خارجہ عبدالستار نے بتایا ہے کہ افغانستان پر طالبان کی حکومت ختم ہوچکی ہے۔ طالبان کی حکومت کے خاتمے کی خبر اٹلی کے وزیر خارجہ نے بھی دی ہے جنہوں نے دنیا کو بتایا ہے کہ پاکستان سے کابل کے لئے روانہ ہونے والے چار صحافی جلال آباد سے کوئی ستر کلومیٹر دور، سروبی کے نواح میں قتل کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں اٹلی، فرانس اور آسٹریلیا کے تین صحافیوں کے علاوہ ایک پشتون فوٹو گرافر عزیز اللہ حیدری بھی شامل ہیں۔ یہ صحافی دو گاڑیوں میں جلال آباد سے کابل کے لیے روانہ ہوئے۔ جب ان کا مختصر سا قافلہ سروبی کے قریب پہنچا تو اچانک مسلح افراد کا ایک غول برآمد ہوا۔ اس نے چاروں صحافیوں کا سامان لوٹا۔ ان کی جیبیں خالی کیں اور پھر ہاتھ پاؤں باندھ کر کسی خفیہ مقام پر لے گئے جہاں ہر ایک کو باری باری گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔

اس خبر سے دنیا کو یقین ہو جانا چاہئے کہ اب واقعی طالبان کی حکومت ختم ہو چکی ہے اور انصاف مجرموں کی دہلیز تک پہنچانے کی جس امریکی مہم کا آغاز ہوا تھا، اس کے مظاہرے افغانستان میں ہر طرف دکھائی دینے لگے ہیں۔ اقوام متحدہ نے بتایا ہے کہ کابل اور مزار شریف بد ترین غنڈہ گردی کی زد میں ہیں۔ دکانیں، بنک، خوراک کے ذخائر، گیسٹ ہاؤس، دفاتر، گاڑیاں اور لوگوں کی ذاتی املاک لوٹی جا رہی ہیں۔ جنگی قیدیوں کے کان، ناک، زبانیں اور دیگر اعضا کاٹے جا رہے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری جا رہی ہیں۔ ان کے منہ میں کلاشنکوفوں کی نالیاں رکھ کر برسٹ مارے جا رہے ہیں۔ چاروں طرف قیامت کا سماں ہے۔ بی بی سی کے برادرم ادریس بختیار نے جلال آباد سے واپس آکر بتایا ہے کہ ''اب سڑکوں اور گلی محلوں میں مسلح افراد کی حکمرانی ہے۔'' جگہ جگہ چوکیاں بن گئی ہیں اور زنجیریں ڈال دی گئی ہیں۔ لوٹ مار کرنے والے اوباش لوگوں کے مسلح گروہ دندناتے پھر رہے ہیں۔ خوست کے علاقے میں بدامنی کا یہ عالم ہے کہ ہزاروں لوگ اپنی جانیں اور عزتیں بچانے کے لئے نقل مکانی کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ

Marfat.com

اس حقیقت کوتسلیم کرنے کے لئے کافی ہے کہ طالبان کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔

1995ء میں پانچ صوبوں غزنی، زابل، قندھار اور زرگان اور ہلمند کے والی، سابق گورنر شورائے عالی کے رکن اور سپیکر ملا محمد حسن نے مجھ سے باتیں کرتے ہوئے جب امن و امان کی صورتحال کا تذکرہ کیا تو ان کی روشن آنکھوں میں کتنے ہی دیئے جل اٹھے تھے۔ انہوں نے احساس تشکر سے لبریز لہجے میں کہا تھا۔ ''تم یہاں جب تک چاہو رہو۔ خوب گھوم پھر کر دیکھو۔ عام لوگوں سے ملو۔ تمہیں پتہ چلے گا کہ طالبان نے کس طرح اپنی ماتحت ولائتوں کو امن کا گہوارہ بنا دیا ہے۔ اب تک (اگست 95ء) پندرہ ولایتیں ہمارے کنٹرول میں ہیں۔ ایک سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود ان پندرہ صوبوں میں پندرہ افراد بھی قتل نہیں ہوئے۔ ڈکیتی، چوری، اغوا اور لوٹ مار کی وارداتیں ختم ہو چکی ہیں۔ کوئی شخص رات کے کسی لمحے سونا اچھالتا ہوا میلوں چلا جائے، کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ کچھ دن قبل میرا گزر ضلع ارغندہ میں واقع ''تیز جانگیر'' کے جنگلات سے ہوا۔ ان میں کئی چھوٹی بڑی بستیاں ہیں۔ یہ عشاء کے بعد کا وقت تھا۔ میں نے دیکھا کہ پانچ خواتین کسی مرد کے بغیر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جا رہی ہیں۔ میں نے وہیں سجدہ کیا اور اللہ کے حضور شکرانے کے نوافل پڑھے۔ میں ایسے مقام کا ذکر کر رہا ہوں جہاں، طالبان سے قبل، لوگ دن کے وقت بھی پچاس ساٹھ کا قافلہ بنا کر چلتے تھے۔ یہ سب اللہ کے قانون کی برکت ہے۔ آج ہماری مائیں، بیٹیاں اور بہنیں ہمیں دعاؤں کی سوغات بھیجتی ہیں کہ تم نے ہماری نیندیں لوٹا دی ہیں۔ ہم نے انسان کی بستیوں کو بھیڑیوں اور درندوں سے نجات دلا دی ہے۔ کوئی شخص اسلحہ نہیں رکھ سکتا۔ شادی بیاہ ہو، کسی کا استقبال ہو یا کوئی اور تقریب، بندوق کی ایک گولی بھی فائر نہیں کی جا سکتی۔ تم لوگ آئے ہو تو ضرور ان بستیوں کو دیکھو۔ لوگوں سے ملو۔ وہ جو کچھ کہیں اپنے وطن جا کر بتاؤ''

جب تک طالبان کی حکومت رہی، ارغندہ میں ''تیز جانگیر'' کے جنگل بھی محفوظ تھے اور اب جلال آباد سے کابل جانے والی مصروف ترین شاہراہ بھی لٹیروں، اچکوں اور قاتلوں کی دسترد میں ہے۔ ''شیلٹر ناؤ'' کے آٹھ ورکرز کی کہانی سامنے آ چکی ہے۔ جو امریکہ شب و روز افغانستان پر تباہ کن میزائل اور ''ڈیزی کٹر'' بم گرا رہا تھا، اس امریکہ کی اسیر خواتین کو طالبان بہنیں اور بیٹیاں کہہ کر بلاتے اور اس وقت تک بھوکے رہتے تھے جب تک انہیں کھانا نہ مل جائے۔ اور آج اپنے پیشہ

Marfat.com

ورانہ فرائض کی بجا آوری کے لئے کابل جانے والے صحافیوں کی چھلنی لاشیں امریکی کولیشن سے پوچھ رہی ہیں کہ کیا دہشت گردی کے خاتمے کا مطلب بھیڑیوں اور درندوں کی حکمرانی ہے؟

طالبان کی حکومت کے خاتمے کی تصدیق اس خبر سے بھی ہوتی ہے کہ کابل کا سب سے بڑا سینما گھر کھل گیا ہے۔ ساڑھے آٹھ سو افراد نے پہلی فلم ''عروج'' دیکھی ہے۔ ایک فلم سینما گھر کے باہر بھی بن رہی ہے۔ امریکی سکرپٹ شمالی اتحاد کی ہدایت کاری اور رنگا رنگ وار لارڈز کی اداکاری کا شاہکار اس فلم کا مرکزی موضوع ہے ''انصاف کی بالادستی، انسانیت کی سرفرازی اور انسانی حقوق کی سربلندی''۔ بتایا جاتا ہے کہ کابل کے سینما گھر میں دکھائی جانے والی فلم، افغانستان میں بننے والی آخری فلم تھی۔ سینما گھر کے باہر مزار شریف، کابل، قندوز، جلال آباد اور قندھار تک ہر شہر، ہر قصبے، ہر کوچہ و بازار، ہر در و دیوار اور ہر وادی و کہسار میں فلمائی جانے والی اس فلم کا نام بھی ''عروج'' ہے یہ اس صدی کی پہلی پیشکش ہے۔ اس کی عکس بندی کا آغاز افغانستان سے ہوا ہے۔ اگلے مناظر پاکستان، ایران، عراق، شام اور لیبیا وغیرہ میں فلمائے جائیں گے۔ کئی مرحلوں میں عکس بند کی جانے والی یہ فلم کئی قسطوں میں دکھائی جائے گی اور اس وقت تک دکھائی جاتی رہے گی جب تک ساری دنیا کو معلوم نہیں ہو جاتا کہ ''عروج'' کسے کہتے ہیں؟

[21-11-2001]

Marfat.com

''عالمی لوئی جرگہ''

بے یقینی کے موسم میں حساس اور علم سے عاری لوگوں کی نیندیں بے سبب اڑ جاتی اور دلوں میں وسوسوں کا ایسا گھنا جنگل اگ آتا ہے کہ کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ زمینی حقیقتوں پر گہری نظر رکھنے والے عالم فاضل لوگوں کی فہرست اور سوا نیزے پر کھڑے سورج سے شبنم کشید کرنے والے دانشوروں کی حکمت بھی امید و یقین کی جوت نہیں جگا سکتی۔ آج کل جہاں جائیں، جس محفل میں بیٹھیں، جس موضوع پر گفتگو کریں، بات گھوم پھر کر افغانستان اور پھر ڈیورنڈ لائن کی کڑی نگرانی کے باوجود پاکستان میں داخل ہو جاتی ہے۔ سوچنے والے ذہنوں میں عجب طرح کی بے کلی ہے۔ ایک دوسرے سے جڑے کئی سوال ہیں۔ کیا گھنی داڑھیوں اور بھاری عماموں والی مخلوق نابود ہو گئی تو ہندوکش سے دودھ اور شہد کے جھرنے پھوٹنے لگیں گے؟ کیا دودھ اور شہد کے جھرنوں سے اپنے مشکیزے بھرتی ندیاں ہماری سوکھی دھرتی کا رخ بھی کریں گی؟ کیا امریکی کولیشن کا ہراول دستہ بننے کے ثمرات ہماری جھولی میں بھی پڑیں گے؟ کیا کشمیر کا دیرینہ مسئلہ کشمیری عوام کی خواہشات اور ہماری توقعات کے مطابق حل ہو جائے گا؟

دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم کی حمایت کے جواز کے لئے جو چار عناصر ترتیب دیے گئے ان میں کشمیر کاز کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ اب تک کی پیش رفت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمیں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔ امریکہ نہ صرف دوٹوک موقف اختیار کرنے سے گریزاں ہے بلکہ بھارتی خوشنودی کے خیال سے پاکستان کے موافق کوئی موثر کردار ادا کرنے پر بھی آمادہ نہیں۔ 11 ستمبر کے بعد سے پاکستان شعوری طور پر جہادی تحریکوں سے فاصلہ بڑھانے لگا ہے۔ جیش محمد، الرشید ٹرسٹ، لشکر طیبہ اور رابطہ ٹرسٹ کے اکاؤنٹس منجمد کرنے میں ضرورت سے زیادہ عجلت کا مظاہرہ کیا گیا۔ امریکہ کے مطالبے کے باوجود لبنان، شام اور ایران سمیت متعدد اسلامی ممالک نے ''حزب اللہ'' کے کھاتے منجمد کرنے یا اس کے خلاف کسی بھی طرح کی کارروائی سے

Marfat.com

انکار کر دیا ہے۔ ہم ایسا اس لئے نہیں کر سکے کہ دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم کا ایک مخلص اور سرگرم رکن کہلوانے کے لئے ہر حکم کی رضا کارانہ تعمیل ضروری ہے۔ یہ بات توجہ طلب ہے کہ موجودہ حالات کے تناظر میں کل جماعتی حریت کانفرنس بھی تھکی تھکی سی نظر آنے لگی ہے۔ طالبان کے خلاف ہماری پر جوش کارکردگی نے بھی مجاہدین کشمیر پر نفسیاتی اثرات ڈالے ہیں۔ بھارت اپنے آپ کو زیادہ مطمئن اور آسودہ خیال کرنے لگا ہے۔ وزیر اعظم واجپائی نے خود کہا ہے کہ ''سرحد پار سے مداخلت میں کمی آئی ہے۔'' گذشتہ دنوں بھارتی وزیر خارجہ جسونت سنگھ نے بھی ایک اخباری انٹرویو میں اپنے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے:۔

☆ ''دو ہفتوں سے کنٹرول لائن پر پاکستانی فوج کی سرگرمی میں کمی آئی ہے۔

☆ اس دوران فریقین کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ بھی کم ہوا ہے۔

☆ پاکستان کی طرف سے مجاہدین کو سرحد پار بھیجنے کے واقعات میں نمایاں کمی آئی ہے۔

☆ ان حالات میں ہم، کسی جارحانہ کارروائی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے''۔

صدر پرویز مشرف کے دورہ نیویارک کے دوران بھی امریکی قیادت نے کشمیر کے بارے میں کسی حوصلہ افزا ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ مشترکہ پریس کانفرنس میں صدر بش سے کشمیر کے بارے میں متعین سوالات پوچھے گئے۔ ایک سوال تھا کہ'' جناب صدر! امریکی حکومت ماضی اور حال میں متنازعہ مسائل کے حل کے لئے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو استعمال کرتی رہی ہے۔ آپ جنوبی ایشیاء کو درپیش ایک اہم مسئلے یعنی مسئلہ کشمیر کے لئے سلامتی کونسل سے کب رجوع کریں گے؟'' صدر بش نے جواب دیا'' ہم نے اس موضوع پر بڑی اچھی بات چیت کی ہے۔ میں نے صدر مشرف کو یقین دلایا ہے کہ اس مسئلے کے حل کی خاطر مفید اور بامقصد مذاکرات کے لئے متعلقہ فریقوں کو آمادہ کرنے کے لئے جو بھی کر سکتے ہیں کریں گے۔'' صحافی نے پھر پوچھا کہ'' لیکن جناب صدر اقوام متحدہ کی مداخلت؟'' صدر بش نے کہا'' میرے خیال میں امریکہ کی مداخلت بالکل وہی ہوگی جو میں صدر مشرف کو بتا چکا ہوں'' پھر سوال کیا گیا'' امریکہ بار بار کہتا ہے کہ وہ دہشت گردی کا خاتمہ چاہتا ہے۔ آپ کشمیر میں جاری ریاستی دہشت گردی پر کب توجہ دیں گے؟'' صدر بش کا جواب تھا'' میری حکومت یکم اکتوبر کے واقعہ (سری نگر اسمبلی پر حملہ) کی مذمت کرتی ہے جیسا کہ صدر مشرف خود بھی کر چکے ہیں۔ انہوں نے بھی اس واقعہ کی مذمت

Marfat.com

کی ہے۔ ہمارا نقطہ نظر واضح ہے کہ دنیا میں کسی بھی جگہ دہشت گردی نہیں ہونی چاہئے۔ صدر مشرف پاکستان کو مضبوط بنانے کیلئے بڑی محنت کر رہے ہیں۔ انہوں نے تعلیم کے لئے ایک روشن خیال پلان بنایا ہے۔ انہیں اس سلسلے میں ایک عمدہ خاتون کی خدمات حاصل ہیں جو تعلیم کا محکمہ چلا رہی ہیں۔''

صدر بش کی اس انتہائی مبہم، غیر واضح اور الجھی ہوئی گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ کشمیر کی اہمیت سے آگاہ ہیں، نہ اس کے بارے میں پاکستانی موقف سے کوئی ہمدردی رکھتے ہیں جس دن یہ پریس کانفرنس ہوئی، غالباً اسی دن امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے ایک بیان میں کہا کہ '' پاکستان اور بھارت کو کشمیر کا تنازعہ مذاکرات کے ذریعے خود طے کرنا چاہئے۔ امریکہ اس معاملے میں کوئی کردار ادا نہیں کرے گا'' اور آج پاکستان میں امریکی سفیر وینڈی چیمبرلین نے ''نوائے وقت'' کے ساتھ ایک انٹرویو میں اس سوال کے جواب میں کہ '' امریکہ مسئلہ کشمیر کے حل میں کیا کردار ادا کر سکتا ہے؟ کہا کہ '' یہ ایک بڑا جذباتی مسئلہ ہے جسے کوئی باہر کا کھلاڑی نہیں مسئلے سے متعلق تین بنیادی فریق یعنی پاکستان، بھارت اور کشمیر کے عوام ہی حل کر سکتے ہیں۔ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے اس کے کچھ اصول ہیں۔ یہ اصول ہیں انسانی حقوق کا احترام اور دہشت گردی کا خاتمہ۔ ہم چاہتے ہیں کہ کشمیر کے عوام، بھارت اور پاکستان باہمی مذاکرات کے ذریعے اس دیرینہ مسئلے کا حل نکالیں''۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ '' کشمیری عوام کے حق خود ارادیت اور اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنے کے حق کا کیا بنے گا؟'' تو محترمہ نے تفصیلات میں جانے سے انکار کر دیا اور کہا '' امریکہ تینوں فریقوں کے درمیان مذاکرات کا حامی ہے۔''

''عالمی لوئی جرگہ'' کا نہایت ہی فعال حصہ بن جانے کے بعد ہم رضا کارانہ پابندیوں کے ایک ایسے جال میں آ چکے ہیں جس سے نکلنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ کنیز کا کردار ادا کرنے والی ''اقوام متحدہ'' کی طرح یہ لوئی جرگہ امریکی حرم کا '' خواجہ سرا'' بن چکا ہے۔ خدشہ ہے کہ آنے والے دنوں میں کوئی ایسا فرمان جاری نہ ہو جائے جو کشمیر کیلئے ہماری عمر بھر کی محنت کو غارت کر دے۔ آج اس ''لوئی جرگہ'' کا ہراول دستہ اور ترجمان بن جانے کے بعد کل ہم اس کی حیثیت اور جواز کو چیلنج نہیں کر سکیں گے۔

[22-11-2001]

Marfat.com

طالبان...... مسئلہ کیا ہے؟(1)

افغانستان کے بڑے حصے سے طالبان کی بے دخلی کے بعد بحث ونظر کے دریچوں کے ساتھ ساتھ کج بحثی کے پھاٹک بھی کھل گئے ہیں۔ کچے مکان کی دیوار گرتے ہی ساری دنیا نے افغانوں کے صحن سے رستے بنا لئے ہیں اور لہو کی برسات میں بلوں سے نکل آنے والے حشرات الارض ایک نئی صبح بہار کی خبر لائے ہیں۔ انصاف کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ معاملات کو الجھائے بغیر، ہر حقیقت کو اپنی اپنی جگہ رکھ کر دیانتدارانہ رائے قائم کی جائے اور کسی نتیجے پر پہنچا جائے۔ یہ رائے اور یہ نتیجہ بہت سی دوسری آراء اور نتیجوں سے مختلف بھی ہوسکتا ہے۔ یہ کام قاری کا ہے کہ وہ کس دلیل کو محکم اور کس کو بے وزن خیال کرتا ہے۔

طالبان کے فہم اسلام، انداز حکمرانی، نظریہ ریاست اور اسلوب سیاست سے کئی لوگوں کو اختلاف ہے۔ وہ اس اختلاف کی ٹھوس وجوہات بھی رکھتے ہیں۔ ان کی رائے کا احترام واجب ہے لیکن ایک قبیلہ ایسا بھی ہے جس کے لئے طالبان کی ڈاڑھیاں، ان کے عمامے اور ان کے طور اطوار ہی انہیں مردود قرار دینے اور ان کا حق حکمرانی چھین لینے کے لئے کافی ہیں۔ ظاہراً امریکہ اور مغرب پر تند و تیز تنقید کے باوجود ان کی سوچ مرعوبیت کی بھاری سلوں تلے دبی ہوئی ہے۔ وہ ہوا کے کسی آوارہ جھونکے کو بھی نئے موسموں کا سفیر سمجھ کر پتنگیں اڑانا اور پیچے لڑانا شروع کر دیتے ہیں۔ برقعوں، داڑھیوں، جینز کی پتلونوں اور سینما گھروں کو طالبان کے خلاف دلائل کے طور پر استعمال کرنا دراصل معاملے کو الجھانا ہے اور ایسا کرنا دانستہ یا نادانستہ طور پر اس صدی کی سب سے بھیانک دہشت گردی اور سب سے مکروہ فرعونیت کو بیساکھیاں فراہم کرنا ہے۔

میں نے طالبان کی نمو کے ابتدائی دنوں میں جب قندھار اور ہرات کا دورہ کیا تھا تو بہت سی باتوں نے میرا دل بوجھل کر دیا تھا۔ مجھے قندھار کی وہ صبح ابھی تک نہیں بھولی جو پہاڑوں کی کشادہ وادیوں میں آباد بستیوں کی طرح اجلی روشن اور بے داغ تھی۔ میں قندھار میں پاکستانی قونصل

Marfat.com

خانے کے گیسٹ ہاؤس کی چھت پر جا کھڑا ہوا اور زخمی منڈیروں پر اترتی اگست کی زرتاب دھوپ کا نظارہ کرنے لگا۔ سڑک کے اس پار "قندھار ہوٹل" کی جنگ زدہ آٹھ منزلیں اپنا چھلنی بدن سنبھالے کھڑی تھیں۔ میں رات کو اس ہوٹل کے تاریک کمروں میں مقفل ریڈیو اور ٹی وی سٹیشن بھی دیکھ آیا تھا۔ میں چھت پر کھڑا دیر تک سوچتا رہا کہ ابھی میرے سامنے والی سڑک پر نیلی پیلی وردیاں پہنے ننھے منے بچے اپنے بستے سنبھالے روشن چہرے لئے اپنی درس گاہوں کو رواں دواں دکھائی دیں گے۔ بچوں سے لدی چھوٹی بڑی گاڑیوں کا تانتا بندھ جائے گا لیکن یہاں سے وہاں تک پھیلی سڑک بیوہ کی کلائی کی طرح ویران رہی۔ مایوس ہو کر میں نیچے اتر آیا اور پہروں اداس رہا۔ یہ اور بہت سی دوسری باتیں، بہت سے دوسرے لوگوں کے لئے بھی تکلیف دہ ہیں اور وہ بجا طور پر طالبان کے بارے میں تحفظات رکھتے ہیں۔ لیکن دنیا کی کون سی حکومت اور کون سے حکمران ایسے ہیں جن کے بارے میں سو فیصد مثبت رائے پائی جائے اور دنیا کا کون سا نظام ایسا ہے جو ہر عیب سے پاک ہو۔ ہر ملک کی اپنی تہذیبی پہچان، اپنے معاشرتی رنگ ڈھنگ، اپنے سیاسی تقاضے اور اپنے مخصوص مسائل ہوتے ہیں۔ وہاں کی حکومتیں انہی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے انداز و اطوار میں تھوڑی بہت تبدیلیاں لاتی رہتی ہیں۔ لیکن صدیوں سے موجود ذہنی رویوں اور معاشرتی ڈھانچوں کو یکسر بدل ڈالنا ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ طالبان کا نظام، دنیا کی نگاہوں میں جیسا بھی ہو، بڑی حد تک افغانستان کی روایتی ساخت کا مظہر ہے۔ بیسیوں کمزوریوں کے باوجود طالبان کے پانچ سالہ دور کو افغانستان کی تاریخ کا سب سے منفرد، سب سے بہتر دور کہا جاسکتا ہے۔

انہوں نے کم و بیش پانچ آزاد اور خود مختار اکائیوں میں بٹے افغانستان کو متحد کیا، سیاسی وحدت قائم کی، طویل عرصے بعد افغانستان کو ایک مستحکم مرکزی حکومت اور نظام دیا۔ ضلع، صوبہ ولایت اور مرکز کی سطح پر شورائی نظام جاری کیا۔ 1992ء میں اقوام متحدہ نے مہلک اسلحہ عام افراد سے واپس لینے کے لیے تین بلین ڈالر کی گرانٹ کا اعلان کیا لیکن ربانی حکومت کچھ بھی نہ کر سکی۔ طالبان نے دیکھتے دیکھتے ہتھیاروں سے عشق کرنے والے معاشرے کو غیر مسلح کر دیا۔ انصاف کی بالادستی کو یقینی بنایا۔ مقدمہ کسی بھی نوعیت کا ہو، مدعی کو ایک پیسہ بھی ادا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ انصاف میں تاخیر کو انصاف سے انکار سمجھنے کا تصور صرف طالبان کے ہاں تھا جہاں مقدمات کے فیصلے دنوں

Marfat.com

میں ہو جاتے تھے۔ چیف جسٹس یا قاضی القضاہ مولانا خلیل اللہ فیروزی نے عدل کی کارفرمائی میں قرون اولیٰ کی مثالیں قائم کیں۔ ''قوماندان امنیہ'' یعنی پولیس کا نظام اتنا موثر تھا کہ طالبان کا افغانستان امن و امان کا مثالی گہوارہ بن گیا۔ جرائم کی موثر بیخ کنی کی کوئی دوسری مثال موجودہ دور میں تلاش نہیں کی جاسکتی۔ نسلی اور لسانی بنیادوں کے بجائے خالص نظریاتی اساس پر قائم رہنے والی یہ پہلی حکومت تھی جو اپنے آپ کو تحریک کا نام دیتی تھی۔ تحریک پر پشتون غلبے کے باوجود ازبک، تاجک اور دیگر اقلیتی گروہوں پر دروازے بند نہیں کیے گئے بلکہ اُنہیں مرکزی کابینہ میں شامل کیا گیا۔ اقوام متحدہ اور دیگر ادارے منشیات کے خاتمے کے لیے اربوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں۔ افغانستان میں دنیا کی مجموعی پیداوار کی 75 فیصد افیون کاشت ہوتی تھی لیکن ملا عمر کے ایک حکم نامے نے ملک کو افیون کی کاشت سے پاک کر دیا۔ اس کی تصدیق یونائیٹڈ نیشن ڈرگ کنٹرول پروگرام (UNDCP) کے سربراہ برنارڈ ایف نے بھی کی۔ طالبان نے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ضمانت دی۔ یہ افغانستان کی پہلی حکومت تھی جو شاہی خانوادوں، بڑے بڑے خانوں، ڈرگ مافیا کے لارڈز اور خود سر جنگی سورماؤں سے پاک تھی۔ عام لوگوں میں، عام لوگوں کی طرح رہنے بسنے والے غریب غربا، اس تحریک کے قائد اور پاسبان تھے۔ یہ وہ قلندر اور درویش لوگ ہیں جو اقتدار کی چکا چوند اور حکمرانی سے وابستہ عشرتوں کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ اُن پر ادنیٰ ترین کرپشن کا الزام بھی نہیں۔ وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی تصویر لگتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ طالبان کے منفی یا مثبت پہلوؤں کا امریکی بربریت اور وحشیانہ بمباری سے کیا تعلق ہے؟ ایک عفریت کی درندگی پر ملامت کے بجائے کچھ لوگ طالبان پر کیوں سنگ باری کر رہے ہیں؟ فرعونی قوت کے انسانیت سوز مظاہرے کو ایک حکومت کی کمزوریوں کے ساتھ کیوں خلط ملط کیا جا رہا ہے؟

[23-11-2001]

Marfat.com

طالبان...... مسئلہ کیا ہے؟(2)

انسانی حقوق کے بارے میں بھی طالبان کا ریکارڈ کئی نام نہاد مہذب ملکوں سے بہتر ہے۔ عورتوں کی عزت و ناموس کو انہوں نے زبردست اہمیت دی۔ طالبان سے قبل عورتوں کی خرید و فروخت کوئی خلاف معمولی بات نہ تھی۔ عورتیں تحفے کے طور پر پیش کی جاتی تھیں۔ لڑائی جھگڑے کے تاوان یا سودا بازی کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔ شادی بیاہ کے لئے ان کی مرضی معلوم کرنے کا کوئی تصور نہ تھا۔ طالبان نے تمام جاہلانہ رسومات پر کڑی پابندیاں لگا دیں۔ شرعی احکام کے مطابق لازم قرار دیا کہ شادی سے قبل عورتوں کی مرضی معلوم کی جائے اور قاضی اس کی تصدیق کرے۔ وراثت میں ان کے شرعی حقوق کو تحفظ دیا گیا۔ انہیں صحت، تعلیم اور سماجی بہبود کے شعبوں میں کام کرنے کی اجازت دی گئی۔ مخلوط تعلیم ختم کر کے الگ مدارس میں ان کی تعلیم کا بندبست کیا گیا۔ کوئی سال بھر قبل قندھار سمیت تمام بڑے شہروں میں میڈیکل سائنسز کی تعلیم کا اجرا کیا گیا جہاں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے البتہ ان کے لئے الگ کلاسوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔

سادہ دل طالبان، بین الاقوامی مصلحتوں، سفارت کاری کی نزاکتوں، تعلقات عامہ کی باریکیوں اور ذرائع ابلاغ کی حشر سامانیوں کا واضح شعور نہیں رکھتے۔ صاف گو اور نیک چلن لوگوں کا تعلیمی پس منظر دینی ہے۔ عصری علوم سے ان کی آگاہی محدود ہے۔ ان کی تحریک نے دس سالہ افغان جہاد کی کوکھ سے جنم لیا جس کا ایک مقصد سامراجی اثرات سے آزاد افغانستان میں اسلامی نظام کا نفاذ تھا۔ جہادی رہنماؤں کی باہمی جنگ اقتدار اور آوارہ مزاج وارلارڈز کی انسانیت سوز حرکات سے تنگ آ کر وہ یکجا ہوئے اور پھر عوام کے تعاون سے چھاتے چلے گئے۔ عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ایک جامع اور روشن خیال شرعی نظام کا کوئی متعین خاکہ نہ ہونے اور وسائل کی شدید کمی کے باعث انہوں نے مدرسے کے محدود مفہوم پر مبنی شرعی نظام تعزیرات اور عمومی

Marfat.com

احکام کے سخت گیر نفاذ پر ضرورت سے زیادہ توجہ دی۔ یہی وہ وقت تھا جب عالمی برادری ان کے ساتھ ربط ضبط بڑھا کر ان کے ذہنی افق کو وسیع، ان کے رویوں کو لچکدار اور ان کے طرز حکمرانی کو زیادہ حقیقت پسندانہ بنا سکتی تھی۔ اسلامی امہ ان جوانوں کو اپنی آغوش محبت میں لے کر ان کے توانا جذبوں کی تراش خراش کر سکتی تھی لیکن نہ جانے کیوں پہلے دن سے ہی ساری دنیا نے انہیں اپنا حریف جانا۔ پروفیسر برہان الدین ربانی اور موجودہ شمالی اتحاد 1992ء سے 1996ء تک کابل پر قابض رہے۔ اس دوران کابل کھنڈر بن گیا اور ساٹھ ہزار شہری لقمہ اجل بن گئے لیکن امریکہ اور یورپ بدستور ربانی کو صدر تسلیم کرتے رہے۔ جب طالبان کابل سمیت افغانستان کے نوے فیصد سے زائد حصے پر قابض ہو گئے اور ایک مستحکم حکومت قائم کر لی تو بھی وادی پنج شیر میں روپوش ربانی ہی کو صدر تسلیم کیا جاتا رہا اور اقوام متحدہ میں وہی افغانستان کی نمائندگی کرتے رہے۔ پاکستان کی تحریک پر سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے طالبان کی حکومت کو تسلیم تو کر لیا لیکن کسی نے ان کی ٹھوس مدد اور رہنمائی نہ کی۔ طالبان ایک جنگ زدہ ملک کو درپیش قیامت خیز چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تنہا رہ گئے۔ تباہ حال انفراسٹرکچر، مفلوک الحال معیشت، کھنڈر بستیاں، غربت زدہ عوام، نہ کوئی ادارہ نہ انتظامی ڈھانچہ، ساری دنیا نے انہیں کوڑھ کے مریض کی طرح دور پھینک دیا۔ اس اذیت ناک تنہائی اور مقاطعے کے دوران طالبان کا نظام اپنے ماحول اور اپنی آب و ہوا کے مطابق خود رو انداز میں تشکیل پاتا رہا۔ جب قحط سالی اور آفات کے مارے ہوئے سخت جان لوگ پھر بھی زندہ رہے تو ان پر طرح طرح کی پابندیوں کے کوڑے برسائے جانے لگے۔ اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو نوبت کروز میزائلوں اور ڈیزی کٹر بموں تک آن پہنچی۔

طالبان پر تنقید کے نشتر چلانے والے بتا سکتے ہیں کہ امریکہ، برطانیہ، یورپ اور نام نہاد مہذب دنیا نے طالبان کو کیوں تسلیم نہیں کیا؟ کیوں ان کے قریب جا کر ان کے مسائل جاننے کی کوشش نہیں کی گئی؟ کیوں پاکستان، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب سمیت دنیا کے کسی ملک نے ملا عمر کو قندھار کے حجرے سے نکل کر باقی دنیا دیکھنے، عالمی رہنماؤں سے ملنے اور بین الاقوامی حساسیت کا شعور حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا؟ کیوں پروفیسر ربانی کو صدر تسلیم کر کے طالبان کو مشتعل کیا گیا؟ یونیسکو اور سویڈن کی ایک این جی او عین ان دنوں لاکھوں ڈالرز کا پراجیکٹ لے کر بامیان کے مجسموں کے عارض و رخسار سنوارنے کیوں آ پہنچی جب مقامی لوگ شدید قحط سالی

Marfat.com

شکار تھے اور ہزاروں بچے بھوک سے مر رہے تھے؟ دنیا کو معلوم نہیں کہ بامیان کے بڑوں نے ان بین الاقوامی ایجنسیوں کے نمائندوں کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے..... ''خدا کے لئے تھوڑی سی رقم ہمارے مرتے ہوئے بچوں کے لئے بھی وقف کر دو'' جب انکار ہوا تو آخری ہچکیاں لیتے بچوں کے والدین نے دیوانگی اور اشتعال کے عالم میں وہی کچھ کیا جو دیوانے اور مشتعل لوگ کیا کرتے ہیں۔

اسامہ بن لادن کے بارے میں بھی طالبان نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ہرگز نہیں کیا لیکن وہ اس دنیا کا موڈ تبدیل نہیں کر سکتے تھے جو عالمی کولیشن کے ٹینکوں پر سوار طورخم پر آ کھڑی ہوئی تھی اور جس کولیشن کا سرپرست طالبان کو نابود کرنے کا حتمی فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہانکا لگا کر طالبان کو اس قتل گاہ کی طرف لا رہا تھا۔

اور آج جب ان سادہ معصوم لوگوں کے پرخچے اڑ رہے ہیں تو سفاک قاتلوں کی بدقماشی اور بربریت کو نشانہ بنانے کے بجائے دانشوروں کے ہر سنگ الزام اور ہر تیر دشنام کا رخ برقعوں، ڈاڑھیوں اور عماموں کی طرف کیوں مڑ گیا ہے؟

کیا یہ انتہائی عامیانہ سطح کی کج بحثی نہیں ہے؟

[24-11-2001]

Marfat.com

طالبان......مسئلہ کیا ہے؟ (3)

عمومی حالات میں طالبان پر سنگ زنی شاید کوئی اور معنی رکھتی ہو لیکن قیامت کی کڑی دھوپ میں ان کے سلگتے جسموں اور چٹختی ہڈیوں پر ان کی بے حکمتی، سخت گیری، قدامت پسندی اور بنیاد پرستی کے تازیانے برسانے کا مفہوم صرف یہ ہے کہ امریکی بربریت کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے جائیں۔ آج جو بھی قلم کسی بھی بات کو بہانہ بنا کر طالبان پر نشتر چلاتا اور جو بھی زبان کسی بھی دلیل کی بنیاد پر ان کے خلاف زہر اگلتی ہے وہ در اصل ظلم کی ایک اندھی قوت کی پیٹھ تھپتھپاتی اور اس کے مکروہ عمل کو خراج تحسین پیش کرتی ہے۔ آج طالبان کی ہر ہجو، لامحالہ امریکہ کی شان میں کہا جانے والا قصیدہ ہے۔ جو لوگ طالبان میں کیڑے نکالنے کے بعد امریکہ کی رسمی سرزنش بھی کر رہے ہیں وہ بھی در حقیقت ظالم اور مظلوم کی تمیز مٹا کر اپنی دانشورانہ غیر جانبداری کی دھاک بٹھانا چاہتے ہیں۔

مغرب نے اپنے میڈیا کے زور پر طالبان کی پوشاک پر اتنے داغ لگائے ہیں کہ اس کا حقیقی رنگ کسی کو دکھائی ہی نہیں دے رہا۔ نتیجہ یہ کہ سارے حقائق مسخ ہو گئے ہیں اور خود ہمارے دانشو اس طرح کا تاثر دے رہے ہیں جیسے جنگ کی آگ طالبان نے بھڑکائی ہے اور امریکہ انتہائی بے چارگی کے عالم میں ڈیزی کٹر بم گرا رہا ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جب طالبان قندھا کے افق سے طلوع ہوئے تو انہیں بے لگام اور منہ زور جہادی کمانڈروں کا توڑ سمجھا گیا۔ انہیں تھپکی دی گئی۔ تیل کی اکانومی میں جکڑی امریکی سیاست و قیادت کی نظر وسط ایشیا کے معدنی وسائل پ تھی۔ امریکہ افغانستان میں ایک مستحکم لیکن فرمانبردار حکومت چاہتا تھا جس کی موجودگی می امریکہ تیل کمپنیاں افغانستان سے مطلوبہ پائپ لائن گزار سکیں اور خود امریکہ کو پاؤں پسارنے ک موقع مل جائے۔ طالبان نے استحکام تو فراہم کر دیا لیکن فرمانبرداری پر آمادہ نہ ہوئے۔ امری شرائط سے انہیں سامراجی عزائم کی بو آنے لگی۔ امریکہ اور طالبان کے درمیان خفیہ مذاکرات

Marfat.com

سلسلہ طویل عرصے جاری رہا۔ اسلام آباد، برلن اور واشنگٹن میں ہونے والے اجلاسوں میں طالبان اور امریکہ سمیت کئی دیگر ممالک نے بھی شرکت کی۔ طالبان کے کچھ اپنے خدشات تھے اور بعض دیگر ذرائع بھی انہیں چوکنا رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ ایک فرانسیسی مصنف کے بقول طالبان سے کہا گیا کہ " یا تو وہ سونے کا قالین بچھانے پر راضی ہو جائیں یا پھر تباہ کن نتائج کے لئے تیار رہیں۔" یہ سلسلہ 11 ستمبر سے ایک ماہ پہلے تک جاری رہا جب اگست میں کرسٹینا روکا اور ملا عبدالسلام ضعیف کے درمیان اسلام آباد میں مذاکرات کا آخری دور ہوا۔ ایسے ہی ایک اجلاس میں امریکی نمائندے ٹام سمسن (TOM SIMSON) نے کہا کہ " پاکستان طالبان کو اپنا رویہ درست کرنے کے لئے کہے ورنہ ان کے خلاف فوجی کارروائی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔" امریکہ کی موجودہ قیادت اور تیل کے بزنس کا باہمی تعلق کئی سال پرانا ہے۔ اس ضمن میں بش خاندان پر بن لادن خاندان کی نوازشات کی داستانیں بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔

جب امریکہ نے حتمی طور پر جان لیا کہ طالبان " ناقابل اصلاح " ہیں تو اس نے اپنے مفادات کی خاطر پہلے تو وسیع البنیاد حکومت کی گردان میں شدت پیدا کی۔ پھر طالبان کے غیر انسانی نظام کے خلاف پراپیگنڈہ تیز کیا اور بالآخر گیارہ ستمبر کو پینٹا گان اور ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی آگ سرد ہونے سے کئی گھنٹے قبل طالبان کو اسامہ بن لادن کا میزبان قرار دے کر فوجی کارروائی کی ٹھان لی۔

امریکہ کے پاس اس بات کا کوئی ادنیٰ سا ثبوت بھی نہیں کہ طالبان کا گیارہ ستمبر کے واقعات سے ذرہ برابر تعلق بھی بنتا ہے۔ سلامتی کونسل کی 28 ستمبر کی قرارداد نمبر 1373 میں دہشت گردی کے خلاف کارروائی کی عمومی منظوری تو دی گئی ہے لیکن بین الاقوامی قانون کے ماہرین کا خیال ہے کہ یہ قرارداد کسی بھی آزاد ملک کے خلاف جنگ یا وسیع تر فوجی کارروائی کا مختار نامہ ہرگز نہیں۔ اس پر اقوام متحدہ کے چارٹر کی شق 51 کا اطلاق بھی نہیں ہوتا۔ ہیگ میں قائم عالمی عدالت انصاف نے نکاراگوا کیس کی سماعت کرتے ہوئے 1986ء میں فیصلہ دیا تھا کہ

"THE UNITED STATES HAD ACTED ILLEGALLY BY ENGAGING IN MILITARY ACTION- AGAINST NICARAGA."

(امریکہ نے نکاراگوا کے خلاف آپریشن میں شامل ہو کر خلاف قانون کارروائی کی تھی)

Marfat.com

عالمی عدالت انصاف نے ایک لحاظ سے امریکی کارروائی کو "دہشت گردی" قرار دیتے ہوئے اس پر ہرجانہ بھی عائد کیا تھا۔ اب امریکہ ایک بار پھر وہی کچھ کر رہا ہے۔ آج بھی اقوام متحدہ کے زیر اہتمام نکاراگوا اور روانڈا کے بارے میں دو کریمنل ٹربیونل کام کر رہے ہیں جو انسان کشی کے مرتکب کئی مجرموں کو سزا دے چکے ہیں اور یوگوسلاویہ کے صدر ملازوچ ابھی تک مقدمہ بھگت رہے ہیں۔ کیا اسامہ بن لادن اور طالبان کے لئے اقوام متحدہ ایک ایسا ہی ٹربیونل نہیں بنا سکتی تھی؟ اقوام متحدہ ایک انٹرنیشنل کریمنل کورٹ کے قیام کا فیصلہ بھی کر چکی ہے جس پر عملدرآمد کے لئے ساٹھ ممالک کی توثیق چاہئے۔ اب تک روس، برطانیہ اور فرانس سمیت چوالیس ملک اس کی توثیق کر چکے ہیں لیکن امریکہ رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اسے ڈر ہے کہ ویت نام، لاطینی امریکہ اور کئی دیگر ممالک میں انسانیت سوز کارناموں کے باعث وہ کٹہرے میں کھڑا کیا جانے والا پہلا ملک ہوگا۔ مقصد انصاف کا حصول اور دہشت گردی کا خاتمہ ہوتا تو امریکہ بلا تاخیر اس عدالت کو بروئے عمل لا کر اپنا مقدمہ پیش کر سکتا تھا۔ لیکن مقصد حق وصداقت کی بالادستی اور حقیقی مجرموں کی سرکوبی نہیں، نافرمانی کی جسارت کرنے والوں کو نشانہ عبرت بنانا ہے۔

اور سب کچھ جانتے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی ہمارے دانشوروں کا ہاتھ طالبان کے گریبان پر ہے۔ وہ مزے لے لے کر ان کی "غلط کاریوں" کے افسانے لکھ رہے ہیں اور ظلم کی ننگی تلوار کی ملامت کرنے کے بجائے طالبان کی گردن کی سخت جانی کو کوسنے دے رہے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ فرعونوں کے سامنے تنی رہنے والی گردنوں کی ہڈی بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ کٹتے کٹتے بھی ظلم کی تلواروں کی دھار موڑ دیتی ہے۔ جھک جانے والے سر کسی گنتی میں نہیں آتے۔ کروڑوں ڈالروں کی قیمت انہی سروں کی لگتی ہے جو جھکنے سے انکار کر دیں۔

[25-11-2001]

Marfat.com

طالبان......مسئلہ کیا ہے؟(4)

کیا امریکہ کی سفاکی سے منہ پھیر کر طالبان کا گوشت نوچنے اور ہڈیاں چچوڑنے والے دانشور، دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ اس غارتگری کا مقصد فقط اسامہ کو پکڑنا ہے؟ کیا یہ واقعی افغان عوام کی رہائی عورتوں کے حقوق کی بحالی اور خستہ حال افغانیوں کو جدید دور کی نعمتوں سے مالا مال کرنے کا مشن ہے؟ کیا یہ قیامت کوتاہ اندیش طالبان کی ڈاڑھیوں، عماموں اور نقابوں کی وجہ سے ٹوٹی ہے؟

اگر ایسا ہی ہے تو دوسری جنگ عظیم سے لے کر اب تک امریکہ دو درجن ممالک میں آگ اور خون کی ہولی کیوں کھیلتا رہا؟ چین، کوریا، گوئٹے مالا، انڈونیشیا، کیوبا، کانگو، پیرو، لاؤس ویتنام، کمبوڈیا، گرینیڈا، لیبیا، صومالیہ، لبنان، السلواڈور، نکاراگوا، پانامہ، عراق، سوڈان اور یوگوسلادیہ میں طالبان تو نہیں بستے تھے۔ طالبان کی ملائیت، خواتین کے نقابوں، ٹیلی ویژن کی گنگ سکرینوں اور شرعی ضابطوں کو امریکی یلغار کا جواز سمجھنے والے اتنا تو بتادیں کہ ویتنام کا ہوچی منہ کس دیوبند کا سند یافتہ تھا؟ کانگو کے لومبا نے کون سا درس نظامی کیا تھا؟ انڈونیشیا کے سوئیکارنو نے کس جامعہ اشرفیہ سے سند فضیلت پائی تھی؟ یوگنڈا کا عیدی امین کس دارالعلوم کا فارغ التحصیل تھا؟ عراق کے صدام حسین نے کون سے نقاب پہنائے تھے؟ زمبابوے کے رابرٹ موگابے نے کس اسامہ کو پناہ دی تھی؟ ایران کا ڈاکٹر مصدق، لیبیا کا کرنل قذافی، الجزائر کا بن بیلا، مصر کا جمال عبدالناصر، شام کا حافظ الاسد، سوڈان کا حسن ترابی، کمبوڈیا کا پرنس سہانوک، سعودی عرب کا شاہ فیصل، کیوبا کا کاسترو، کس کس کا نام لیں؟ روس کی شکست کے بعد ضیاء الحق نے اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھانا چاہا تو اسے جہاد افغانستان کے معماروں سمیت بہاولپور کے آتشکدے میں جھونک دیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ایٹمی پروگرام کی بنیاد ڈالی تو صلیبیں گاڑ دی گئیں۔ شاہ فیصل نے امت مسلمہ کی بات کی تو اس کا سینہ چھلنی کر دیا گیا۔ امریکی سی آئی اے اب تک نصف درجن عالمی رہنماؤں کو

Marfat.com

قتل کرا چکی ہے۔ کلنٹن نے فخریہ انداز میں کہا کہ ''میں نے اسامہ کو قتل کرنے کا فرمان جاری کیا ہے۔'' جارج بش سی آئی اے کو انسانی قتل کا اختیار واپس دے چکے ہیں۔ طالبان کے پاس تو ایسی کوئی ایجنسی ہے ہی نہیں جو دنیا بھر میں قتل و غارتگری کی وارداتیں کرتی پھرے۔

معروف امریکی دانشور پروفیسر نوم چومسکی نے خود تاریخ کی عدالت میں گواہی دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''بی۔52 طیاروں سے افغانستان پر کارپٹ بمباری 11 ستمبر کی دہشت گردی سے بھی بدتر دہشت گردی ہے۔ امریکہ نے اقوام متحدہ کے فیصلے سے بھی پہلے جنگ کا اعلان کر دیا اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ طاقتور مافیا کا سرغنہ کسی سے وصولی نہ ہونے پر عدالت کے احکامات کا انتظار نہیں کرتا بلکہ خود ایکشن لیتا ہے۔ امریکہ نے مافیا چیف کی طرح افغانستان پر حملہ کیا اور وہ ہر اس ملک میں جائے گا جہاں اس کا مفاد خطرے میں ہوگا۔''

ایک امریکی دانشور کی یہ گواہی ہمارے بعض دانشوروں کے منہ پر زناٹے کا طمانچہ ہے۔

مان لیجئے کہ امریکہ اخلاقی اقدار سے عاری، انصاف کے معنی و مفہوم سے نا آشنا اور اپنی انا کے گنبد میں بند ایک خود سر اور خدا فراموش قوت ہے۔ وہ جب چاہے، جہاں چاہے اپنا اسامہ اور اپنے طالبان تخلیق کر لیتا ہے۔ اصولوں کی پاسداری کا عالم یہ ہے کہ اس کی محبوباؤں میں جمہوری، آمرانہ، شاہانہ، شخصی، فوجی، وسیع البنیاد اور بے بنیاد بھی طرح کی حکومتیں شامل ہیں۔ فرق صرف اطاعت گذار اور غیرت شعار کا ہے۔

مسئلہ بس اس قدر ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کی تمیز کے بغیر ہر وہ شخص اور ہر وہ قوم امریکہ کے نزدیک گردن زدنی ہے جس کے دل و دماغ میں انا، خودی، غیرت، عزتِ نفس یا قومی آزادی و خودمختاری کا خناس سمایا ہوا ہے۔ طالبان کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کے سب سے بڑے خرکار کے بیگار کیمپ کا حصہ بننے سے انکار کر دیا ہے۔ دانشوروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ انسانی تاریخ کی اپنی ہی قسم کی واحد اور منفرد جنگ ہے۔ امریکی مافیا کی دہشت نے ساری دنیا کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ ہر ایک نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کے انداز میں اپنی اپنی عافیت گاہیں بنالی ہیں۔ ایسے کٹھن وقت میں دنیا کے اجتماعی ضمیر اور تہذیبی اقدار کی ترجمانی کا کام اہل دانش ہی کر سکتے ہیں کہ یہ جنگ، اسامہ یا طالبان نہیں، انسانیت کیخلاف ہے۔ افغانستان تو اکیسویں صدی کے چنگیزی لشکر کا چھوٹا سا پڑاؤ ہے۔ علم، سائنس، ٹیکنالوجی، مادیت اور مفادات

Marfat.com

کی اس دنیا میں ایسے اہل جنوں موجود رہنے چاہئیں جو ظلم کے قلعے پر مسلسل ضربیں لگاتے رہیں۔

ہمارے دانشور بس اتنا کرم کریں کہ دو جمع دو چار جیسی حقیقتوں کو موشگافیوں میں نہ الجھائیں۔ طالبان پر چرکے لگا کر امریکہ کا کام آسان نہ بنائیں۔ انہوں نے کہاں جانا ہے؟ وہ تو ایک سوچ، ایک انداز فکر، ایک طرز عمل اور ایک نظریاتی تشخص کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ کوئی سیاسی گروہ، لسانی دھڑا، حکمران ٹولہ یا وار لارڈز کا جتھہ نہیں، ایک تحریک ہیں۔ حکومتیں گرائی اور ہٹائی جاسکتی ہیں۔ تحریکوں کے تختے نہیں الٹے جاسکتے۔ تازہ لہو ان کے مرجھائے چہروں کو نئی شگفتگی دے جاتا ہے۔ ایسی تحریکیں مٹ جایا کرتیں تو چودہ سو سال بعد کابل و قندھار میں شہادتوں کا نیا چمنستان نہ کھلا ہوتا۔

[26-11-2001]

Marfat.com

پٹاری کھل رہی ہے

مداری کا تماشا جاری ہے۔

افغانستان کے عوام کو ہر قسم کی بیرونی مداخلت سے پاک آزادانہ مرضی سے اپنی حکومت منتخب کرنے کا موقع فراہم کرنے کیلئے امریکی قیادت میں لڑی جانے والی جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ اس مقصد کیلئے کم و بیش 20 لاکھ پاؤنڈ بارود اور فولاد برسانا پڑا۔ اب شمال مشرق اور مغرب میں عوام کی حکمرانی کا ناقوس بج رہا ہے اور جنوب میں قندھار کے اندر پناہ گزیں آخری ''آمریت'' پر آخری ضرب لگانے کیلئے امریکی سپاہ تیار کھڑی ہے۔ امریکہ کے علاوہ برطانوی دستے بھی وارد ہو چکے ہیں۔ 1988ء میں دریائے آمو سے اس پار جانے والے آخری روسی سپاہی نے کہا تھا کہ ''افغانستان ایک بھیانک خواب کی طرح ہمارا پیچھا کرتا رہے گا'' آج تیرہ سال بعد ایک بار پھر روسی فوج کے دستے افغانستان میں اتر چکے ہیں۔ بیک وقت تین سامراجوں کی چکی میں پستے ہوئے افغانیوں کو ''بیرونی مداخلت سے پاک'' حکومت فراہم کرنے کیلئے بون میں ایک خصوصی میلے کا اہتمام کیا گیا ہے جہاں نئے حکمرانوں کا ناک نقشہ تیار ہو رہا ہے۔ جرمنی میں تیار کی جانیوالی یہ حکومت ''سیل بند پیکنگ'' کے ساتھ کابل ارسال کی جائے گی اور یوں افغانستان کے عوام کو ایک طویل عرصے بعد اپنی منشاء و پسند کے حکمران میسر آ جائیں گے۔ اس وقت بھی خاصی حد تک عوامی خواہشات کی تکمیل ہو چکی ہے۔ طالبان کا افغانستان اب ربانی، دوستم، فہیم، داؤد، کریم خلیلی، اسماعیل خان، حاجی قدیر، ملا نقیب اور دوسرے وار لارڈز کے کئی افغانستانوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔

سائنس، ٹیکنالوجی اور علم کی معراج کمال تک پہنچے ہوئے امریکہ کی انسان دوستی، بنیادی حقوق سے محبت اور انسانی اقدار سے لازوال وابستگی ایک نئی تاریخ رقم کر رہی ہے۔ مزار شریف کے قلعہ جنگی میں بند ساڑھے سات سو جنگی قیدیوں پر پہلے دوستم کے لشکریوں نے اپنا ہنر آزمایا۔

Marfat.com

پھر امریکن طیاروں نے ''ڈک شوٹنگ'' کا تجربہ کیا۔ یہ سفاکی اور بربریت کا ایسا مظاہرہ ہے جس پر اکیسویں صدی کا ایک ایک لمحہ شرمسار رہے گا۔ اقوام متحدہ کے نمائندے دہائی دے رہے ہیں کہ مزار شریف کے نواح میں قائم کیمپوں پر وحشیوں کی حکمرانی ہے جو بیدردی سے خواتین کی عصمتیں لوٹ رہے ہیں۔ امریکی کولیشن منتظر ہے کہ برقعوں سے آزادی کا جشن منانے والے دانشور انقلاب کی اس تازہ کروٹ کا قصیدہ کب لکھیں گے۔

کھیل جاری ہے۔ پاکستانی دانشوروں کا کہنا ہے کہ ''طالبان دنیا کو فتح کرنے نکلے تھے اس لئے ان کا یہ حشر ہوا'' ادھر صدر امریکہ نے کہا کہ افغانستان تو محض نقطہ آغاز ہے، دہشت گردی کے خلاف جنگ ساری دنیا میں پھیلے گی۔ ''دہشت گردی'' کو ایک نیا مفہوم دیتے ہوئے انہوں نے مہلک ایٹمی ہتھیار تیار کرنے والوں کو بھی سخت وارننگ جاری کی ہے۔ عراق سے کہا گیا ہے کہ وہ فوراً اپنی تنصیبات اقوام متحدہ کے انسپکٹروں کیلئے کھول دے۔ امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل نے تین مزید ملکوں کا نام لیا ہے جو افغانستان ہی کی طرح دنیا فتح کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ ان ممالک میں عراق، شام اور ایران شامل ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر شام اور ایران کو دھمکی دی ہے کہ وہ باز آجائیں ورنہ سنگین نتائج کیلئے تیار رہیں۔ صومالیہ، سوڈان اور یمن میں بھی کارروائیوں کو آخری شکل دی جاری ہے اور کرسمس کے فوراً بعد پہلا معرکہ صومالیہ میں بپا ہوگا۔ سنڈے ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق ٹونی بلیئر اور جارج بش فتح افغانستان سے حاصل ہونے والے جوش و جذبہ کو برقرار رکھتے ہوئے نئی منزلیں سر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

بچے جمورے ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں اور 56 اسلامی ملکوں میں سے صرف ملائیشیا کے مہاتیر محمد کو یہ کہنے کی جسارت ہوئی کہ ''امریکہ کی مہم دراصل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے'' کبوتر آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ بلی صرف اس کے پڑوسی کو نگل کر مطمئن ہو جائے گی۔ آنے والے منظر کے واضح نقش دیکھتے ہوئے بھی خوش فہمیوں کی جنتیں تعمیر ہو رہی ہیں اور اس نیو ورلڈ آرڈر کے عزائم سے چشم پوشی کی جارہی ہے جو اسلام کی روح جہاد اور نظریاتی توانائی کو سب سے بڑا خطرہ سمجھتا ہے۔ اب تک جن 66 تنظیموں، ممالک اور افراد پر پابندیاں لگائی گئی ہیں وہ سب کے سب مسلمان ہیں۔ صومالیہ میں ''عدن اسلامک فرنٹ'' نامی تنظیم کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ جس پر الزام ہے کہ کسی زمانے میں اس نے 17 امریکیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ سوڈان میں

Marfat.com

''دنیا کو فتح کرنے کا عزم رکھنے والا'' حسن ترابی قید میں ہے۔اس کی ایک بھانجی اسامہ کی بیوی ہے اس لئے ترابی اور اس کی تنظیم پر قہر ٹوٹنے والا ہے۔ امریکہ میں زیر تفتیش اور زیر حراست ملزموں میں واحد قدر مشترک ان کا مسلمان ہونا ہے۔

عامل اور معمول کا کھیل جاری ہے۔امریکہ کے عزائم پر پڑا ہوا پردہ ہولے ہولے سرک رہا ہے لیکن آنکھوں پر بندھی پٹیاں جوں کی توں ہیں۔چاروں طرف خدشوں کی آہٹوں کے باوجود ہم مطمئن ہیں کہ تکمیل آرزو کی صبح طلوع ہونیوالی ہے اور پاکستان نے عالمی کولیشن کا حصہ بنتے وقت جن اہداف کا تعین کیا تھا وہ ایک ایک کر کے پورے ہو رہے ہیں۔

پٹاری کھل رہی ہے۔کچھ دنوں بعد شیش ناگ باہر نکل آئے گا اور اپنا پھن پھیلا کر پھنکارنے لگے گا۔تب ہمارے دانشور حیرت سے پوچھیں گے'' افغانستان نے تو دنیا کو فتح کرنے کی کوشش کی تھی یہ شیش ناگ ہمیں کیوں گھور رہا ہے؟''

[28-11-2001]

Marfat.com

تھینک یو پروفیسر چومسکی

جتنا علم کمپیوٹر کے پاس ہوتا ہے، دنیا کا کوئی شخص اس کے ہزارویں حصے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ علم اسے انسان ہی عطا کرتا ہے لیکن دنیا بھر کے علوم وفنون اس کی گھٹی میں ڈال دینے کے باوجود وہ کمپیوٹر کو انسانیت کی اقدار اور اخلاقیات سے بہرہ مند نہیں کر سکتا جو انسان کے جوہر تخلیق میں شامل ہیں اور جن کی پاسداری ہی انسان کو فضیلت عطا کرتی ہے۔ یہ بحث دوبارہ چھیڑنے کی ضرورت نامور امریکی دانشور پروفیسر نوم چومسکی کی عالمانہ گفتگو کی وجہ سے محسوس ہوئی۔ شاید ہمارے کچھ دانشور، سائنس اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے دنیا کی سب سے ترقی یافتہ قوم کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ فرد کی سوچ کو اہمیت دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔

اسلام آباد میں اپنے لیکچر کے دوران پروفیسر چومسکی نے کہا:

''ہماری دنیا، علم کی دنیا ہے لیکن دانش سے محروم ہے۔ یہ زندہ ضمیر سے عاری قوت کی دنیا ہے۔ ہم زندہ رہنے کے علم سے کہیں زیادہ ہلاک کرنے کا علم جانتے ہیں۔ ہم امن سے زیادہ جنگوں کا علم رکھتے ہیں۔ ہم جوہری ہتھیاروں کے اعتبار سے جن بن گئے ہیں لیکن اخلاقی اعتبار سے بونے ہیں۔''

یہ ہے وہ المیہ جو مجرد علم کے حصول کو انسانی زندگی کا کمال اور قوموں کی ترقی کا نقطۂ عروج قرار دینے والوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا۔ علم کو اخلاقیات سے الگ کر دیا جائے اور ٹیکنالوجی کی چکا چوند روشن ضمیری سے عاری ہو جائے تو پھر امریکہ، برطانیہ اور روس جیسے ایٹمی جن اور اخلاقی بونے وجود میں آتے ہیں۔ انسان کی بڑائی اور برتری یہی ہے کہ وہ علم کو اخلاقیات کے ضابطوں کے تابع رکھے اور جب علم، انسان کشی، ہلاکت آفرینی، درندگی اور فرعونیت پر اتر آئے اور غریب لوگ ٹیکنالوجی سے محرومی کے باعث اس کا مقابلہ نہ کر سکیں تو پھر دنیا بھر کے دانشوروں پر لازم آتا ہے کہ وہ صاحب علم اور ترقی یافتہ عفریت کے چہرے کو بے نقاب کریں اور گوریلا جنگ کے انداز

Marfat.com

میں اس کو مسلسل زخم لگاتے رہیں۔

افغانستان میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کی ذمہ داری طالبان پر نہیں، اس علم، سائنس اور ٹیکنالوجی پر آتی ہے جو زندہ ضمیر اور دانش انسانی سے محروم ہے۔ پروفیسر چومسکی نے مزید کہا ہے کہ ''انسان نہ صرف دوسری زندہ مخلوق کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے بلکہ اس نے اپنی سنگ دلانہ اور ظالمانہ کارروائیوں سے بنی نوع انسان کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے۔'' امریکہ کی بیمار سوچ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انہوں نے کہا ''11 ستمبر کے واقعات اس لئے تاریخی اہمیت اختیار نہیں کر گئے کہ ان کی تباہ کاری کا حجم بہت زیادہ تھا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا نشانہ کون بنا ہے۔ 1814ء میں واشنگٹن پر برطانوی بمباری کے بعد امریکہ پر پہلی دفعہ حملہ ہوا ہے۔ دو صدیوں میں امریکہ ہی دنیا بھر پر حملے کرتا اور مقامی آبادیوں کی ہلاکت میں ملوث رہا ہے۔ پہلی مرتبہ توپوں کا رخ اس کی طرف مڑا ہے۔ اب دنیا کو خود ان سوالوں کا جواب تلاش کرنا چاہیے کہ دہشت گردی کیا ہے؟ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی نوعیت کیا ہے؟ اور انسانی بقاء کو کون سے خطرات لاحق ہیں؟''

پروفیسر چومسکی کی باتیں ایک ایسے شخص کی گواہی کا درجہ رکھتی ہیں جس نے امریکی تہذیب و سیاست کو بہت قریب سے دیکھا۔ اس کی علمی فضیلت اور اس کی ٹیکنالوجی کے معجزات کا مشاہدہ کیا اور پھر دو صدیوں پر محیط تاریخ میں اس کے کارناموں کو سامنے رکھتے ہوئے اسے پہچاننے کی کوشش کی۔ انہیں اپنی حق گوئی کی سزا بھی بھگتنا پڑی لیکن وہ اس رائے پر قائم رہے کہ اصل مسئلہ امریکہ کی سوچ کی کجی اور اس کی رعونت ہے۔ یہ بیماریاں ہر اس علم کا مقدر ہوتی ہیں جو دانش اور روشن ضمیری سے محروم ہوتا ہے۔ پروفیسر چومسکی نے پاکستانی دانشوروں کی اس بلند پایہ تحقیق سے اتفاق نہیں کیا کہ جو قوم سائنس اور ٹیکنالوجی کی بلندیوں کو نہیں چھوتی، اسے قومی غیرت وحمیت سے دستکش ہوکر امریکہ کے سیاسی حرم کی کنیزیں بن جانا چاہیے۔ امریکی دانشور کا کہنا ہے کہ ''یہ کام بڑا آسان ہے کہ کچھ ملکوں کو چن لیا جائے اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر ان کا بھرکس نکال دیا جائے۔ عالمی پریس پر نظر ڈالے بغیر اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ کوئی ان معاملات کو زیر بحث نہیں لائے گا۔''

آج بالکل یہی ہو رہا ہے۔ امریکہ جس ملک کو چاہے دہشت گرد قرار دے ڈالے۔ جس کو

Marfat.com

چاہے بھرکس نکال دے۔کوئی اس سے سوال کرنے والا نہیں۔ افغانستان میں جو کچھ وہ کر رہا ہے اور مزار شریف کے قلعہ جنگی میں اس کی رہنمائی میں انسانی خون سے جو ہولی کھیلی گئی وہ بربریت کا بدترین مظاہرہ ہے لیکن دنیا گنگ ہے۔ اقوام متحدہ گہری نیند سو رہی ہے۔ وہ ذرائع ابلاغ جو طالبان کے ''مظالم'' کی عکاسی پر کروڑوں ڈالر خرچ کر رہے تھے مگر وہ امریکی چہرے کی پلاسٹک سرجری میں مصروف ہیں۔ عالمی برادری مطمئن ہے کہ مسلمان نشانہ بن رہے ہیں اور مسلمانوں کے فرماں روا اپنی اپنی مصلحتوں کی بکل مارے بیٹھے ہیں۔

اس سناٹے میں دانشوروں کو ہی تاریخ کا قرض چکانا ہوگا۔ اگر وہ مظلوم کے خون ناحق سے نقش ونگار بنانے کی بجائے خدا کے لہجے میں بولنے والے ظالموں کی رعونت پر پیہم ضربیں لگاتے رہیں تو شاید ظلم اتنا معتبر نہ رہے۔

تھینک یو پروفیسر چومسکی **ممکن** ہے آپ کا پیغام علم کے علمبرداروں چھوا انقلابیوں کی سوچ بدل ڈالے۔ اگرچہ پاکستان کی حد تک امکان کم ہی نظر آتا ہے۔ ختم اللہ علی قلوبھم۔

[29-11-2001]

Marfat.com

خوں بہا

نہ جانے ہماری آنکھوں کو ابھی کیسے کیسے منظر دیکھنے ہیں؟

دوستم کے قلعہ جنگی کا میدان لاشوں سے اٹا پڑا ہے۔ بے ڈھب، بے ڈھنگی، مڑی تڑی بے گور و کفن لاشیں، دور دور تک بکھرے انسانی اعضاء اور ان کے بیچوں بیچ فاتحانہ چال چلتا ہوا ایک دیو قامت شخص کہ جس کے چہرے پر سفاکی، بربریت اور درندگی خیمے گاڑے بیٹھی ہیں۔ اے ایف پی کا نمائندہ لکھتا ہے۔ ''اس نے کمال غرور سے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا کہ ایک قیدی نے میرے کمانڈر کو گرینیڈ مار کر ہلاک کر دیا جس کے بعد ہمیں اُنہیں قتل کرنا پڑا۔'' پرلے درجے کا دروغ گو دوستم نامی شخص کہ انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ جیسی شہرت کا حامل ہے، جو لوگوں کو اپنے سامنے ٹینکوں تلے روندتا اور زندہ لوگوں کی کھالیں اتارنے کے منظر سے لطف اٹھاتا ہے، بہت پہلے سے طے کر چکا تھا کہ طالبان یا اُن کا ساتھ دینے والوں میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑنا۔ نام نہاد صدر ربانی فتح کابل سے بھی پہلے فرمان جاری کر چکا تھا کہ'' سب کو معاف کر دو لیکن کسی پاکستانی اور عرب کو زندہ نہ چھوڑو۔''

''فاتح اعظم'' ڈونلڈ رمزفیلڈ اعلان کر چکا تھا کہ'' طالبان کا ساتھ دینے والے غیر ملکیوں کے لئے کوئی معافی نہیں۔ انہیں گرفتار کیا جائے گا یا وہ مار دیئے جائیں گے۔'' اور وہ مار دیئے گئے جبکہ امریکی فوجی موقعہ پر موجود نگرانی کر رہے تھے۔

قندوز میں کئی دنوں تک آہنی عزم کے ساتھ امریکی بمباری اور شمالی اتحاد کی شدید گولہ باری کا مقابلہ کرنے والے یہ سخت جان لوگ بہر حال گوشت پوست کے انسان تھے۔ اُن کی خوراک ختم ہوگئی۔ گولہ بارود ختم ہوگیا۔ اُن کی بندوقیں لکڑی کی لاٹھیاں بن کر رہ گئیں۔ تب اُن کے ساتھ رابطے ہوئے۔ معاہدے ہوئے۔ ضمانتیں دی گئیں۔ اُن کے ہتھیار جمع کئے گئے۔ اُنہیں ٹرکوں میں بھر کر مزار شریف سے دس کلومیٹر دور مشہور قلعہ جنگی لایا گیا۔ سینکڑوں'' خطرناک'' قیدیوں کے

Marfat.com

ہاتھ اُن کی پشت کے پیچھے باندھ دیئے گئے۔ سینکڑوں مسلح محافظوں کا پہرہ لگایا گیا۔ قلعے کو چاروں طرف سے ٹینکوں اور بھاری توپوں سے گھیر لیا گیا۔ ایک ایک قیدی کی تلاشی لے کر انہیں قلعے کے تہہ خانے اور دوسرے حصوں میں ڈال دیا گیا۔ تب شمالی اتحاد کے سپاہیوں کے جلو میں سی آئی اے کے دو اہلکار نمودار ہوئے۔ اُن میں سے ایک جان مائیکل اپنی انگشت شہادت کے گرد پستول گھماتا آگے بڑھا۔ اس نے لمبی ڈاڑھی والے ایک غیر افغانی مجاہد سے تمسخر بھرے انداز میں سوال کیا۔

''تم یہاں کیا لینے آئے تھے؟''

مجاہد نے شعلہ بار آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھا اور بولا'' میں تمہیں ہلاک کرنے یہاں آیا تھا۔''

فاتح امریکی آپے سے باہر ہو گیا۔ اُس نے پستول تانا اور مجاہد کا سینہ چھلنی کر دیا۔ قریب کھڑے دو اور طالبان بھی اس کا نشانہ بنے۔ باقی قیدی جھپٹے، اُسے دبوچ لیا اور اُس وقت چھوڑا جب اُس کی جان نکل گئی۔ دوسرا امریکی جان بچا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اُس نے فوراً اپنی کمان کو خبر دی۔ قیدی مارٹر گنوں، کلاشنکوفوں اور مشین گنوں کا نشانہ بننے لگے۔ ''جنگ'' شروع ہو گئی۔ آناً فاناً امریکی جیٹ طیارے فضا میں نمودار ہوئے۔ AC-130 غول در غول اُمڈے۔ لیزر گائیڈڈ میزائلوں اور بموں کی بارش ہونے لگی۔ وقفوں وقفوں کے ساتھ 30 فضائی حملے ہوئے۔ اس دوران ٹینکوں اور توپوں کے دہانے بھی کھل گئے۔ قیدیوں کے اعضاء کٹ کٹ کر گرنے لگے اور قلعہ جنگی کا وسیع میدان اُن کے لہو سے رنگین ہو گیا۔ تین دن اور تین راتیں دوستم کی سپاہ قتل و غارتگری میں مصروف رہی۔ جان مائیکل کے قتل کا انتقام لے لیا گیا۔

وہ 500 سو تھے یا 700 یا 1000 سب کے سب مارے گئے۔ آخری دو قیدیوں کے لئے ٹینکوں کے دو گولے خرچ کرنا پڑے۔ انٹرنیشنل ریڈ کراس کے نمائندے نے کہا ہے کہ'' ہمیں قلعے کے مخصوص حصوں میں جانے کی اجازت نہیں۔ شمالی اتحاد کے سپاہی خود ہی طالبان کی لاشیں اور اُن کے اعضاء ٹرالیوں میں ڈال کر باہر لا رہے ہیں۔ اب تک 50 ایسی لاشیں ملی ہیں جن کے ہاتھ مضبوطی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ اُن کی کوئی نہ کوئی شناخت کوئی نہ کوئی پہچان ہو جو ان کی قبروں پر لگا دی جائے۔ آخر ان کے ماں باپ ہیں بھائی بہنیں ہیں بیوی بچے ہیں۔''

Marfat.com

قندھار کے نواح میں اُترنے والے امریکی فوجی اپنے ساتھ امریکہ کا ایک بڑا سا پرچم لائے ہیں۔ اس پرچم پر ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے حادثے میں ہلاک ہو جانے والوں کے عزیزوں کے دستخط ہیں۔ امریکیوں کا کہنا ہے کہ ''وہ افغانستان میں جہاں جہاں اپنے خیمے گاڑیں گے اُن پر ''بدلے'' کا نشان یہ پرچم لہرا کر مر جانے والے پیاروں کو خراج عقیدت پیش کریں گے۔ 11 ستمبر والے واقعہ کے بعد آج 30 نومبر آ گیا ہے لیکن یہ انصاف پسند ابھی تک نہ کوئی اس بارے میں رپورٹ پیش کر سکے ہیں اور نہ ہی ثبوت کہ ملزم یا مجرم افغانستان میں چھپے ہوئے ہیں یا پورا افغانستان مجرم ہے۔ قلعہ جنگی میں اپنی جانوں سے گزر جانے والوں کے عزیزوں کو پُرسا دینے والا بھی کوئی نہیں۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ''مرنے والوں نے اپنے کیے کی سزا پائی۔ آخر وہ ایک دوسرے ملک میں کیا لینے گئے تھے؟'' یہی سوال جان مائیکل نے پوچھا تھا لیکن ان مائیکلوں اور ڈیوڈوں سے کون پوچھے کہ ''تم سات سمندر پار سے یہاں کیا لینے آئے ہو؟''

وہ 500 تھے یا 700 یا 1000 وہ پاکستانی تھے یا کشمیری، چیچین تھے یا عرب۔ اُن کا خون انسانیت کا خون ہے۔ امریکہ نے ہیروشیما اور ناگا ساکی سے بھی دو قدم آگے کی بربریت کا مظاہرہ کیا ہے۔ انسان کی معلوم تاریخ میں کسی قید خانے میں بند جنگی قیدیوں کو اس طرح کی برہنہ اور بے رحمانہ غارت گری کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ تختہ پل میں 160 طالبان کو قطار میں کھڑا کر کے سفاکانہ انداز میں قتل کر دیا گیا۔ 8 امریکیوں نے فلم ڈائریکٹر کی طرح ہدایات دیں اور سارے منظر کی عکس بندی کی۔ وہ یہ فلمیں اپنے بچوں کو دکھا کر اپنی شجاعت و بہادری کی داد وصول کریں گے۔ نہتے انسانوں کے قتل عام اور امریکہ کی درندگی سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ دنیا خاموش ہے۔ دوستم کے گھوڑوں کا ماتم کرنے والے بھی ہوں گے لیکن ایک مقصد کی لگن میں جان دینے والوں کے لئے دست دعا اٹھانا بھی لائق تعزیر ٹھہرا ہے۔

امریکہ سے آئے ہوئے جان مائیکل کا آبنوسی تابوت بنے گا۔ یہ تابوت ستاروں والے رنگین امریکی پرچم میں لپٹا خصوصی طیارے میں امریکہ جائے گا۔ ہوائی اڈے پر اعلیٰ امریکی قیادت اس کا استقبال کرے گی۔ اُسے گارڈ آف آنر پیش کیا جائے گا۔ اس کے قصیدے کہے جائیں گے۔ ایک قومی ہیرو قرار پائے گا۔ لیکن سربریدہ بے گوروکفن لاشوں میں سے کسی کا نہ کوئی وطن ہے، قوم، نہ پرچم نہ شناخت نہ پہچان، نہ کوئی دعویٰ نہ کوئی خون بہا۔

Marfat.com

تمام شہر مکرم بس ایک مجرم میں
سو میرے بعد مرا خوں بہا نہ مانگے کوئی

لیکن قلعہ جنگی کی زمین اتنی سنگلاخ بھی نہیں کہ معصوم لہو کی لاکھوں بوندوں میں سے ایک اسامہ بھی جنم نہ لے سکے۔ وہ ضرور جنم لے گا اور اپنے یاروں کا خون بہا طلب کرے گا۔ نہ ملا تو 11 ستمبر جیسی ایک کاری ضرب لگائے گا اور جان مائیکل کا جواں سال بیٹا اپنی ماں سے پوچھے گا ''لوگ ہم سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟''

[29-11-2001]

Marfat.com

کمزوری اور شہ زوری

امریکہ کی خودسری تو کوئی نئی بات نہیں۔ اس دن انتہاؤں کی چھوتی ہوئی رعونت کا مزید اندازہ ہوگیا تھا جس دن جارج بش نے زہر میں بجھے ہوئے لہجے میں کہا تھا کہ ''دنیا فیصلہ کرلے وہ ہمارے ساتھ ہے یا دہشت گردوں کے ساتھ'' تیسرا راستہ بند کردینے کا مطلب یہی تھا کہ اپنی آزادی وخودمختاری امریکہ کی جھولی میں ڈال کر اس کے احکامات کی پیروی کی جائے یا پھر افغانستان بننے کیلئے تیار رہا جائے۔

پاکستان نے جن حالات میں جو فیصلہ کیا، اس کے منفی اور مثبت پہلوؤں پر دیر تک رائے زنی ہوتی رہے گی۔ اس فیصلے کے نتائج و اثرات سامنے آنے کے ساتھ ساتھ یہ اندازہ بھی ہوتا چلا جائے گا کہ ہم نے کس حد تک قوم وملک کے مفادات کا تحفظ کیا ہے لیکن سردست یوں لگ رہا ہے جیسے امریکہ ہماری مصلحت آمیزی اور ''دوراندیشی'' سے شہ پا کر ناروا حرکتوں پر اتر آیا ہے۔ پے درپے ایسی خبریں آرہی ہیں جو ہماری کمزوری اور امریکہ کی شہ زوری کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

کوئی تفصیل سامنے نہیں آرہی کہ ہمارے دو جوہری سائنس دانوں سلطان بشیر الدین محمود اور عبدالمجید کا حقیقی جرم کیا ہے؟ وہ کیوں اور کس کے کہنے پر گرفتار ہوئے؟ کس ادارے کے زیر تفتیش ہیں اور ان پر کیا گزر رہی ہے؟ معروف امریکی اخبار ''نیویارک ٹائمز'' کی تازہ سٹوری کے مطابق پاکستان کے ان مایہ ناز فرزندوں کا تعلق ''انتھراکس'' سے جوڑا جارہا ہے۔ ''امہ تعمیر نو'' نامی ادارے کے پلیٹ فارم سے تباہ حال افغانستان کی تعمیر نو کے لئے مقدور بھر کام کرنے والے ان افراد کے بارے میں امریکی اخبار بتاتا ہے کہ کابل میں ان کے دفتر سے ایسی دستاویزات ملی ہیں جن میں انتھراکس کے بطور ہتھیار استعمال کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ ایک برطانوی اخبار ''ایوننگ سٹار'' میں بھی ایسی ہی خبر آئی ہے کاغذ کے ایک پرزے پر بنے ڈایاگرام سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ غباروں کے ذریعے کس طرح انتھراکس پھیلایا جاسکتا ہے۔ آنے والے دنوں میں ہمیں

Marfat.com

اپنے سینوں پر تمغہ امتیاز سجانے والے ان سائنس دانوں کے بارے میں کوئی سی خبر مل سکتی ہے۔
ڈاکٹر عبدالقدیر کے دورہ ایران کا شوشہ بھی چھوڑا گیا ہے۔ نیو یارک ٹائمز میں ہی جیمز وٹز لے اور منصور اعجاز کا ایک آرٹیکل شائع ہوا ہے جس میں پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کے بارے میں کئی خدشات کا اظہار کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ امریکہ کلوز سرکٹ کیمروں اور دوسرے آلات کے ذریعے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر نظر رکھے اور ان کی موثر نگہداشت کا انتظام کرے۔ مضمون میں زیر حراست پاکستانی سائنس دانوں کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت القاعدہ اور دوسرے دہشت گردوں کے ہاتھ لگ سکتی ہے۔

ایک خبر یہ آئی ہے کہ بدھ کے روز شام ڈھلے 6 بکتر بند گاڑیوں پر سوار 20 برطانوی کمانڈوز افغان سرحد عبور کر کے ضلع چاغی کے گاؤں کلی صدیق میں گھس آئے۔ ان کا کہنا تھا کہ سیٹلائٹ تصاویر کے ذریعے القاعدہ کے کچھ ارکان کو گاؤں میں داخل ہوتے دیکھا گیا ہے۔ کئی گھروں اور گردونواح کی تلاشی لینے کے بعد وہ واپس چلے گئے۔

ایک امریکن خاتون صحافی اس خیال سے دبئی سے اسلام آباد ائیر پورٹ آن اتری کہ اب کسی امریکی کو پاکستان کا ویزا لینے کی ضرورت نہیں۔ آج ہی ایک قومی اخبار نے خبر دی ہے کہ امریکی ادارے ایف بی آئی نے کراچی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر ایک پوسٹ قائم کر لی ہے جس کا مقصد ملک سے باہر جانے والے پاکستانیوں پر نظر رکھنا ہے تاکہ امریکہ کو مطلوب کوئی دہشت گرد بیرون ملک نہ چلا جائے خبر کے مطابق ایف بی آئی کے اہلکار ایف آئی اے کے ساتھ مل کر پاسپورٹوں، تصاویر اور دیگر دستاویزات کا مشینی جائزہ لے رہے ہیں۔ ان کا سیٹلائٹ کے ذریعے امریکہ کے مرکزی ڈیٹا بیس کے ساتھ رابطہ ہے جس کی مدد سے طیارے میں سوار ہونے سے پہلے ہی ہر مسافر کا مکمل جائزہ لے لیا جاتا ہے۔ کئی دوسری ائرلائنز کی طرح پی آئی اے پر بھی پابندی لگائی جا چکی ہے کہ وہ اپنے مسافروں کی فہرست، جہاز فضا میں بلند ہوتے ہی الیکٹرانک ذرائع سے امریکہ روانہ کر دے۔ یہ خبر پہلے ہی اخبارات میں آ چکی ہے کہ بحیرہ ہند میں موجود امریکی بحریہ پاکستان کی بندرگاہ سے جانے یا آنے والے ہر جہاز کی نگرانی کر رہی ہے اور تلاشی لے رہی ہے۔

ڈیورنڈ لائن پر باڑ لگانے کا منصوبہ اور دینی جماعتوں کے خلاف مجوزہ کارروائی بھی امریکی

Marfat.com

ذہن کی اختراعات لگتی ہیں۔قبل ازیں کئی تنظیمیں اور ٹرسٹ بھی امریکی دباؤ کے باعث نشانہ بن چکے ہیں جبکہ سعودی عرب، لبنان، شام، ایران اور عراق سمیت کئی ممالک حزب اللہ کے بارے میں امریکی مطالبہ مسترد کر چکے ہیں۔ممکن ہے اسلام آباد میں افغانستان کا سفارتخانہ بند کرنے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہو لیکن ایک امریکی اہلکار کے الٹی میٹم کے بعد ہمیں اس فیصلے کا اعلان کچھ دن موخر کر دینا چاہیئے تھا۔ایسا نہیں ہوا۔پاکستان کی سرزمین پر کبھی اتنے امریکی اور برطانوی فوجی ان کے طیارے، ان کے ہیلی کاپٹر، ان کے جاسوسی آلات اور دیگر متعلقات جمع نہیں رہے جتنے آج ہیں۔فضاؤں میں گردش کرتے جاسوسی سیارے جو غاروں میں چھپے افراد اور کلائی پر بندھی گھڑی کا وقت بھی بتا سکتے ہیں اتنے باحیا اور پاکباز نہیں کہ ہماری عصمت شعار حساس تنصیبات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

امریکی کولیشن میں شرکت کا فیصلہ ناگزیر تھا تو بھی ہمیں تھوڑی سی توانائی، تھوڑی سی آزادی اور تھوڑی سی خودمختاری کا تاثر ضرور دینا چاہیئے ورنہ کچھ بھی نہیں بچے گا۔

[01-12-2001]

Marfat.com

کشمیر کاز

افغانستان میں دہکتی آگ اور اس آگ کا ایندھن بننے والے طالبان کی راکھ سے ہماری دُنیا کیلئے روشنی کی کوئی کرن پھوٹ نکلتی تو شاید دل کی بے کلی کو کچھ قرار آ جاتا، لیکن ایسا نظر نہیں آ رہا۔ ہم نے اپنے اہداف اور مفادات کی تخیلاتی جنت بسا رکھی ہے۔ افغانستان پر اترتی رات گہری ہوتی جا رہی ہے اور ہماری آنکھیں کسی ستارے کسی جگنو کی تلاش میں بھٹک رہی ہیں۔ ہزار کوشش کے باوجود اندیشوں کی دھند چھٹنے میں نہیں آ رہی اور کشمیریوں کا لہو بے توقیر ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ بھارت میں امریکہ کے سفیر رابرٹ بلیک ول نے کہا ہے کہ ''جموں و کشمیر میں سرگرم دہشت گردوں کا تعلق القاعدہ اور طالبان سے ہے۔'' سعودی عرب کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ میں بھارت کے مفادات کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔ انٹیلی جنس ایجنسیاں پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکی ہیں کہ کشمیر میں سرگرم دہشت گردوں کے تار القاعدہ اور طالبان سے جڑے ہیں۔ چونکہ ہم اس نیٹ ورک کو تباہ کرنے کے پابند ہیں اس لئے اس کا براہ راست فائدہ بھارت کو پہنچے گا'' دوسری طرف صدر بش کی مشیر کنڈولیزا رائس نے ہمیں صبر و تحمل کی تلقین کی ہے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گان کی پراسرار وارداتوں کے نامعلوم مجرموں کے تعاقب میں افغانستان کو کھنڈر بنانے اور ہزاروں انسانوں کو قلعوں میں بند کر کے وحشیانہ بمباری کرنے والے امریکہ کا کہنا ہے کہ پاکستان کشمیر کے 80 ہزار بیٹوں کی شہادت اور ہزاروں بیٹیوں کی عصمتوں کو بھول کر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے کیونکہ ''پاکستان اور بھارت کے درمیان دوستانہ تعلقات ہی سے خطے میں استحکام آئے گا'' صبح شام آدم بو، آدم بو پکارنے اور انسانی لہو سے اپنی رعونت کا پیٹ بھرنے والے عفریت کا خیال ہے کہ کشمیر کا مسئلہ صبر و تحمل اور پرامن مذاکرات ہی کے ذریعے حل ہوگا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی قانونی کمیٹی نئے سال کے

Marfat.com

آغاز میں ایک نیا قانون سامنے لانے والی ہے۔ جس میں دہشت گردی کا مفہوم اور حدود اربعہ طے کر دیا جائے گا۔ سامراج کے خلاف لڑی جانے والی تحریکوں اور دہشت گردی کے درمیان تمیز کے تصور کو زیادہ پذیرائی حاصل نہیں ہو رہی۔ کیونکہ لفظ و معنی کے سارے اسلوب امریکہ میں تشکیل پا رہے ہیں اور کسی بھی عبارت کی وہی تعبیر معتبر ٹھہرے گی جس پر امریکہ کی مہر توثیق ثبت ہوگی۔

ایک دفعہ پہلے بھی اس نوع کی ایک قرارداد کو امریکہ نے ویٹو کر دیا تھا کیونکہ وہ اس وقت نیلسن منڈیلا کو حریت پسند ماننے کی بجائے دہشت گرد قرار دیتا تھا۔ آج کردار و عمل کا کوئی سا انداز رکھنے والا شخص، گروہ یا ملک اگر امریکہ کی نظر میں دہشت گرد ہے تو اس کو نیکوکاری کی سند دینے والا بھی دہشت گرد ٹھہرے گا۔ اسی لئے اقوام متحدہ کا مجوزہ قانون ان ممالک کو نکیل ڈالنے کا رسمی اجازت نامہ ہوگا جو امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کو اچھے نہیں لگتے۔ بھارت نے 11 ستمبر کے بعد سب سے بڑی سفارتی کامیابی یہی حاصل کی ہے کہ بارہ سال سے جاری تحریک حریت کشمیر کو عالمی کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ دو دن قبل اس نے ممبئی میں ایک مسلمان کو گرفتار کر کے اطلاع دی کہ یہ شخص طیارہ اغوا کر کے برطانوی دارالعوام کو نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ ساتھ ہی وزیر داخلہ ایڈوانی نے اعلان کیا کہ "طالبان کی حکومت ختم ہونے کے باعث بھاری تعداد میں دہشت گرد پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں"۔ روس کا پرانا نمک خوار رشید دوستم کہتا ہے کہ "11 ستمبر سے بہت پہلے امریکہ، برطانیہ، روس، بھارت اور اسرائیل افغانستان پر حملہ کرنے کا پلان بنا چکے تھے۔" یہ گٹھ جوڑ واضح طور پر اسلام دشمنی اور مسلم بیزاری کے مشترکہ مقاصد سے عبارت ہے۔ اسی ہفتے امریکی وزارت خارجہ کے ایک سینئر مشیر کے دورہ روس کے بارے میں شائع ہونے والی رپورٹ میں کہا گیا کہ "انہوں نے دیگر امور کے علاوہ روسی حکام سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور کشمیر کے بارے میں تبادلہ خیال کیا" یہ مژدہ پہلے ہی سنایا جا چکا ہے کہ 2002ء مسئلہ کشمیر کے حل کا سال ہوگا۔ دوستم نے اس بات کو تھوڑا اور آگے بڑھاتے ہوئے خبر دی ہے کہ "افغانستان کا بحران حل ہو گیا ہے۔ اب مسئلہ کشمیر بھی حل ہو جائے گا لیکن آنے والا وقت پاکستان کے لئے نہایت ہی سنگین ہوگا کیونکہ پاکستان چاروں طرف گھیرے میں آ چکا ہوگا"۔

بھارت کی تازہ کارروائیاں اندیشوں کی حدت اور شدت میں مزید اضافہ کر رہی ہیں۔ ظلم و جبر کا کون سا ہتھیار تھا جو مقبوضہ کشمیر کے عوام پر نہیں آزمایا جا رہا تھا لیکن اب امریکی پیٹرن پر "پوٹو"

Marfat.com

کا ایک نیا ظالمانہ قانون نافذ ہوا ہے اور امریکہ ہی کے انداز انصاف سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے پہاڑی علاقوں، جنگلوں اور مشتبہ ٹھکانوں پر بمباری کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ گن شپ ہیلی کاپٹر مسلسل فضاؤں میں رہتے ہیں اور آزادی کا نام لینے والوں کیلئے زمین و آسمان کی وسعتیں تنگ کر دی گئی ہیں۔ کشمیر کی تحریک آزادی کی ہمنوائی کا دم بھرنے والی تنظیموں کو پہلے ہی زنجیریں ڈالی جا چکی ہیں۔

حالات کے تیور اچھے نہیں لگتے۔ بھارت امریکی بربریت کی چھتری تلے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ روس کیلئے چیچنیا اور اسرائیل کے لئے فلسطین میں یہی طلسماتی چھتری بڑی مفید ثابت ہو رہی ہے۔ ہمارا ''کشمیر کاز'' جلتی بلتی دھوپ میں ننگے سر کھڑا ہے۔ اس کے سر پر نہ کوئی چھتری ہے نہ چھاتہ۔ ہمارے تو اپنے گھروں کی چھتوں میں جانے کتنے چھید پڑ چکے ہیں۔ بے ثمری کی رُت طویل ہوتی نظر آتی ہے اور کولیشن کا ہراول دستہ بن جانے کے باوجود لاحاصلی کے سوا ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔

[03-12-2001]

Marfat.com

نیا سورج

حامد کرزئی کابل کا حکمران بن گیا ہے۔ یونس قانونی کی پولیس اور قاسم فہیم کی فوج سے خوفزدہ کرزئی نے کابل داخل ہونے سے پہلے اس امر کو یقینی بنایا کہ برطانوی فوج کے کمانڈوز اس کی سکیورٹی کیلئے موجود ہوں۔ افغانستان کے امن کو غارتگری کا نشانہ بنانے والے احمد شاہ مسعود کی دیو قامت تصویر تلے حلف اٹھانے کے بعد کرزئی نے ایک آفتاب تازہ کے طلوع کی خبر دی۔ الاخضر ابراہیمی نے کہا کہ ''یہ افغانستان میں پرامن انتقال اقتدار کی واحد مثال ہے۔'' اس پرامن انتقال اقتدار کیلئے امریکی افواج کو اپنے بارود خانے میں موجود ہر نام اور ہر نسل کا بم استعمال کرنا پڑا۔ قدم قدم پر مقتل سجانا پڑے۔ قلعہ جنگی جیسی قتل گاہوں کا اہتمام کرنا پڑا۔ معصوم عورتوں اور بچوں کے پرخچے اڑانا پڑے۔ افغانستان کی بنجر زمین میں لاکھوں بموں کی پنیری بونا پڑی۔ تین لاکھ انسانوں کو گھروں سے نکلنا پڑا اور عین اس وقت جب جشن طرب کی تیاریاں ہو رہی تھیں، خوست کے نواح میں عمائدین کے پورے کارواں کو بھسم کرنا پڑا کہ ان میں کوئی ''القاعدہ'' نہ ہو۔ بلاشبہ ''پرامن انتقال اقتدار'' کی اس سے بہتر مثال پوری تاریخ کے دامن میں نہیں۔

اور وہ جنہوں نے افغانستان میں برسوں بعد ایک مرکزی نظم قائم کیا۔ ایک قانون اور ضابطہ جاری کیا۔ امن و عافیت کی ضمانت دی۔ شرافت اور انسانیت کی قدروں کا شعور دیا۔ جان و مال کے احترام کی رسم ڈالی، خواتین کی عفت و حرمت کے تصور کو عملی شکل دی، حکمران اور عام آدمی کے درمیان فاصلے معدوم کیے، منشیات کا قلع قمع کیا، محدود وسائل کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا، وہ بے دخل کر دیئے گئے۔ ان کا قصور یہ تھا کہ وہ شستہ انگریزی نہیں بولتے تھے۔ سروں پر بھاری عمامے رکھتے، لمبے کرتے اور کھلے گھیر والی شلواریں پہنتے، کندھوں پر چادریں ڈالتے لمبی ڈاڑھیاں رکھتے اور بات بات پر الحمدللہ کہتے تھے۔ وہ ایسے خودسر قبیلے کے

Marfat.com

لوگ تھے کہ امریکہ کی قاہری کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ دنیا کی واحد سپر پاور کے اسلحہ خانے لبالب بھرے ہیں۔ ان کے میزائل صرف ہلاک نہیں کرتے، الاؤ میں ڈالی گئی خشک لکڑی کی طرح راکھ کر دیتے ہیں۔ ان کے جہازوں کی تیز نگاہی زمین پر رینگتے کیڑوں مکوڑوں کو بھی دیکھ لیتی ہے۔ دنیا کی کوئی شے ان کی قوت خرید سے باہر نہیں۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ پونے تین ماہ پر پھیلے طویل عرصے کا ہر دن قیامت آفریں تھا۔ ہر لمحہ آتش بداماں تھا۔ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ، اسلام آباد، کوئٹہ اور پشاور کی اونچی مچانوں پر دوربینیں گاڑے بیٹھے رہے لیکن پورے افغانستان میں طالبان کی طرف سے باضابطہ طور پر ہتھیار ڈالنے کی ایک بھی رسمی تقریب کا ''روح پرور'' منظر عکس بند نہ کر سکے۔ نہتے اور بے سرو سامان طالبان نے اکیسویں صدی میں ایک ایسی تاریخ رقم کی ہے جو آنے والے ہر فرعون کے منہ کا ذائقہ تلخ کرتی رہے گی۔ درندگی کے شرمناک مظاہروں نے امریکہ کے چہرے کی ایک ایک شکن نمایاں کر دی ہے۔ تورابورا کے کوہساروں کو بھی سرمہ بنا دینے والے امریکہ کی اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ عذاب اور کرب کی سولی پر ٹنگا ہے۔ اب اس کے مسافر ننگے پاؤں ہوائی اڈوں میں داخل ہوتے ہیں اور ان کی خوابگاہوں کے ریشمی پردوں کی سرسراہٹ بھی اسامہ کی سرگوشی بن کر ان کی نیندیں حرام کر دیتی ہے۔ ذلت و رسوائی اور وحشت و بربریت کا ایک نیا عہد رقم کرنے کے باوجود امریکہ ساری مہذب دنیا کی نظروں میں ایک بے توقیر ملک ہے جس کی کتاب حیات روشن اصولوں، ارفع نظریات اور اجلی انسانی اقدار سے محروم ہے۔

اور اسامہ بن لادن...... جانے وہ کہاں ہے؟ کس پہاڑ کی کونسی کھوہ میں حیات و زیست کی گتھیاں سلجھا رہا ہے۔ معلوم نہیں زندہ بھی ہے یا تورابورا کی خاک کا حصہ بن چکا ہے۔ لیکن اخبارات نے بتایا ہے کہ اب وہ خوشبو بن کر شیشے کی خوبصورت بوتلوں میں آن بسا ہے جو ہاتھوں ہاتھ بک رہی ہیں۔ ملا عمر، کرزئی کی کابینہ کا رکن نہیں بن سکا لیکن بے ڈھنگے پہاڑوں کی بے ڈھب وادیوں میں گم ہو جانے والا یہ شخص کوہ قاف کا شہزادہ بن کر نہ جانے کتنے دلوں کی دھڑکنوں میں جا بسا ہے۔ کوہ قاف کی پراسرار مخلوق اور خوشبوؤں کو کون قتل کر سکتا ہے؟

رات، لندن میں قائم ایک ٹی وی چینل نے عجب منظر دکھایا۔ پارا چنار کے معرکے میں گولیوں کا نشانہ بن جانے والے ایک جواں سال عرب کی نماز جنازہ کا منظر، ہزاروں کا ہجوم، کلمہ

Marfat.com

شہادت کا ورد، فرط عقیدت سے اپنی تسبیحیں اس کے بے جان جسم سے مس کرتے ہوئے لوگ، اس کی برف جیسی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے ہونٹ، لہوروتی ہوئی آنکھیں۔

حامد کرزئی کو کون بتائے کہ نئے سورج، کسی بچہ سقہ کی ٹوپی سے نہیں، ان اہل جنوں کی روشن پیشانیوں سے پھوٹتے ہیں جن کی قبریں اپنوں سے کوسوں دور اجنبی زمینوں پر بنتی اور جن کے ماتھے اجنبی لوگوں کے بوسوں سے منور ہوتے ہیں۔

[04-11-2001]

Marfat.com

آئین نو

جب طاقت کا بے محابا استعمال اور برہنہ بربریت ہی دستورِ زندگی بن جائے اور انسانی حقوق کے گن گانے والی مہذب دنیا اسی کو اصول وضابطہ قرار دے ڈالے تو پھر درندگی کو لگام دینا ممکن نہیں رہتا۔ امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گان کے واقعات یقیناً افسوسناک تھے۔ ان میں ضائع ہونے والی جانیں بھی قیمتی تھیں اور ان کے پیاروں کا دکھ بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہ واقعات کیوں ہوئے؟ ان کے محرکات کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ ان کا ارتکاب کرنے والے کون تھے؟ وہ کیا نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ ان میں سے کسی بھی سوال کا واضح جواب تلاش کیے بغیر امریکہ گالیوں کی بوچھاڑ کرتا ننگی تلوار لئے افغانستان پر ٹوٹ پڑا۔ اخلاق وتہذیب کے ہر قرینے کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے پوری دنیا کو دھمکی دی۔ دوسو کے لگ بھگ ممالک کی اکثریت کو ہانکتا ہوا وہ اپنے سیاسی باڑے میں لے آیا۔ کچھ نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنی گردنوں کے منکے ڈھیلے کر دیئے اور جنہیں اس وحشت کا ساتھ دیتے ہوئے شرم محسوس ہوئی وہ چپ سادھ کر دبک گئے۔ اقوام متحدہ نے وہی کردار ادا کیا جو بدمست جاگیرداروں کے بے بس کارندے کیا کرتے تھے۔ امریکہ نے اسے اپنے دفاع کا حق استعمال کرنے کا نام دیا جیسے دنیا کا سب سے پسماندہ ملک دنیا کے سب سے طاقتور ملک کو فتح کرنے نکلا تھا۔ کسی کو اس ”آئین نو“ کے خلاف آواز اٹھانے اور احتجاج کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ قلعہ جنگی جیسا شرمناک سانحہ بھی عالمی ضمیر پر ہلکی سی خراش تک نہ ڈال سکا۔ امریکہ کے اس نئے ضابطۂ حیات نے خیر وشر کے نئے پیمانے متعارف کرائے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سامراجی نظام پر ایک کاری ضرب لگی تھی۔ 1990ء میں سوویت یونین کی شکست سے بھی سامراج کو بڑا دھچکا لگا لیکن 11 ستمبر کے بعد امریکہ کے مادر پدر آزاد ،آئین نو ، کے سامنے بے چارگی کا اظہار کرنے والی دنیا نے تھکے

Marfat.com

ہوئے سامراج کو نئی توانائی دی ہے۔ اسرائیل کو اندازہ ہو رہا تھا کہ آزاد فلسطینی ریاست کی اٹل حقیقت سے منہ موڑنا مشکل ہے۔ روس نے نڈھال ہو کر چیچینا کے حریت پسندوں سے مذاکرات شروع کر دیئے تھے۔ بھارت کبھی جنگ بندی اور کبھی حریت کانفرنس سے بات چیت کے ذریعے یہ تاثر دے رہا تھا کہ مقبوضہ کشمیر میں برسوں سے دہکتی آگ کو کسی نہ کسی طور پر ٹھنڈا کرنا پڑے گا لیکن 7 اکتوبر کے بعد سارا منظر بدل گیا۔ افغانستان پر امریکہ کی بے رحمانہ اور یکطرفہ یلغار نے انسانی حقوق کو کچلنے اور آزادی کی منصفانہ تحریکوں کو قوت کے زور پر دبانے والی سامراجی ریاستوں کو نیا حوصلہ دیا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے طالبان تلاش کئے، اپنے اپنے اسامہ کو بہانہ بنایا، اپنی اپنی القاعدہ دریافت کی اور اپنے اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لئے سرگرم ہو گئے۔ سر سے پاؤں تک ایک غیر اخلاقی اور غیر اصولی مہم میں دھنسا ہوا امریکہ کسی کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ انسانیت کے ماتھے پر لگے ہر سیاہ داغ کو سفید قرار دے کر اپنے چہرے کی کالک چھپانے والا، وائٹ ہاؤس ایک نئی دنیا تخلیق کر چکا ہے۔

اسرائیل نے جو کچھ کیا اس پر کسی کو حیرت نہیں ہونی چاہئے۔ مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں کے سینے میں فولادی میخ گاڑنے والا امریکہ اور مغرب اس کی پشت پر ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز تک فلسطین کی پانچ لاکھ آبادی میں یہودیوں کی تعداد ساٹھ ہزار سے بھی کم تھی۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران کم و بیش چار لاکھ یہودی فلسطین میں آباد کئے گئے۔ مقامی عرب باشندوں پر بھاری ٹیکس لگائے گئے۔ ان کی زمینیں چھینی گئیں۔ ان کے کاروبار لوٹے گئے۔ پچاس ہزار عرب کسانوں کو زمینوں سے بے دخل کر دیا گیا اور 14 مئی 1948ء کو امریکی صدر ٹرومین نے فلسطین میں اسرائیلی ریاست کے قیام کا مژدہ سنایا۔ فلسطینی اپنے ہی وطن میں بے وطن ہو گئے۔ اس دن سے لے کر آج تک امریکہ اپنے اس ''لے پالک'' کی ناز برداریاں کر رہا ہے۔ وہ اسرائیل کے بارے میں اقوام متحدہ کی پچاس سے زائد قراردادوں کو ویٹو کر چکا ہے۔ ڈربن کانفرنس کے مندوبین نے اسرائیل کو نسل پرست قرار دینا چاہا تو امریکہ ناراض ہو گیا۔ وہ سالانہ پانچ بلین ڈالر کا وظیفہ اور لاتعداد اسلحہ اسرائیل کو دے رہا ہے۔

دو دن سے امریکی ساختہ گن شپ ہیلی کاپٹر اور جیٹ طیارے غزہ، رملہ اور دوسرے فلسطینی شہروں پر آگ برسا رہے ہیں۔ اس کے ٹینک گلیوں کو روند رہے ہیں۔ امریکہ اس وحشت و

Marfat.com

بربریت پر توثیق کی مہر لگا چکا ہے۔ غزہ سے قندھار تک ایک ہی کہانی رقم ہو رہی ہے۔

امریکہ کے ایجاد کردہ آئین نو اور اسرائیل کی روشن مثال کے بعد بھارت اپنے طالبان اور اپنی القاعدہ کے خلاف دانت تیز کر رہا ہے۔ جلد ہی بھارت دہشت گردی کی ایک دو بھیانک وارداتوں کی زد میں آئے گا۔ دنیا اس سے اظہار ہمدردی کرے گی۔ امریکہ اسے اپنے دفاع کا حق استعمال کرنے کا اذن دے گا۔ ہم ان واقعات کی شدید مذمت کریں گے۔ لیکن آتش فشاں سے پھوٹنے والے لاوے کا راستہ نہیں روک سکیں گے۔

[05-12-2001]

Marfat.com

مصلحت کیشی کا درس

افغانستان میں ''افغان عوام کی تمناؤں اور آرزوں کے مطابق ایک آزاد، خودمختار، نمائندہ اور جمہوری حکومت'' کے قیام کیلئے دو محاذوں پر زبردست جد جہد جاری ہے۔ ایک طرف تو پورے افغانستان کے کوچہ و بازار میں بمباری ہو رہی ہے جس کے نتیجے میں اسی فیصد زرعی رقبہ اور باغات سلگتی راکھ کا ڈھیر بن چکے ہیں اور دوسری طرف جرمنی میں چند گروہوں کی مشکیں کس کر انہیں ایک عوامی حکومت بنانے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ یہ معاملہ غیر متعلق ہے کہ کس معاہدے پر دستخط ہوئے ہیں۔ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ کوئی گروہ بھی مال غنیمت پر مطمئن نہیں ہوگا۔ جرمنی کے بیوٹی پارلر میں بننے سنورنے والی یہ دلہن کسی اڑن کھٹولے پر بیٹھ کر کابل تک آ بھی گئی تو امکان ہے کہ رونمائی سے پہلے ہی بیوگی اس کا مقدر بن جائے گی۔ وارلارڈز اپنی اپنی سلطنتیں قائم کر چکے ہیں۔ ان کے کارندے لوٹ مار میں مصروف ہیں۔ اقوام متحدہ نے بے بسی کا اظہار کر دیا ہے کہ وہ مزار شریف میں اپنا کام جاری نہیں رکھ سکتی۔ گذشتہ روز ایک انگریزی اخبار میں یہ رپورٹ پڑھ کر میں پہروں بے کل رہا کہ مزار شریف میں بعض تاجک والدین نے دوستم کے سپاہیوں کی غنڈہ گردی سے عاجز آ کر اپنی جواں سال بیٹیوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ نقابوں میں ڈھکے چہروں کی مظلومیت کا ماتم کرنے والے، لٹی عصمتوں کا تذکرہ اس لئے نہیں کر رہے کہ اس سے طالبان کے دور کے بارے میں اچھا تاثر ابھرتا ہے۔ اب جو بدامنی، ڈاکہ زنی، چوری، لوٹ مار، قتل و غارتگری اور عصمت دری کا سلسلہ شروع ہوا ہے تو دیکھتے دیکھتے مثالی امن وامان کا گہوارہ ملک درندوں سے بھرا جنگل بن گیا ہے۔ لیکن امریکہ، اس کی کولیشن اور اس کولیشن کی معنوی اولاد خوش ہے کہ کچھ چہرے بے حجاب نظر آنے لگے ہیں اور فضاؤں میں مظلوموں کی چیخوں کے ساتھ ساتھ موسیقی کی مدھر تانیں بھی سنائی دینے لگی ہیں۔

Marfat.com

کہانی دیر تک کہی جاتی رہے گی۔ ہیروشیما اور ناگاساکی کے ہیرو کی پرشکوہ داستان میں اب ''فتح افغانستان'' اور قلعہ جنگی جیسی انصاف پروری کے سنہری باب بھی شامل ہو گئے ہیں۔ شمالی اتحاد کے سورماؤں کی شجاعت و بہادری کے قصے بھی جعفر و صادق کی حکایات دلپذیر کو نئی آب و تاب بخشتے رہیں گے اور طالبان کی غریب و سادہ و رنگین داستان بھی فراموش نہیں کی جاسکے گی۔ آج افغانستان پر کروز میزائلوں اور ڈیزی کٹر نامی نیپام بموں کی برسات کو دو مہینے ہو گئے ہیں۔ 7 اکتوبر کو امریکہ نے جس اشتعال کے عالم میں زبردست عسکری قوت کے ساتھ افغانستان کا رخ کیا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ چوبیس گھنٹوں میں قصہ تمام ہو جائے گا لیکن جنوں کی آشفتہ سری باقی ہے۔ زندگی اور موت کو ذرا مختلف پیمانوں سے جانچنے والے طالبان گردنیں کٹا رہے ہیں لیکن جھکانے کیلئے تیار نہیں۔ انہیں جنونی، کم عقل، ہٹ دھرم، ضدی، اجڈ، گنوار اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہا جا رہا ہے لیکن امریکہ جیسی جابر و قاہر قوت کے سامنے کھڑا ہونے کیلئے حساب کے فارمولوں کی نہیں انہی صفات کی ضرورت ہوتی ہے۔ بندہ صحرائی اور مرد کہستانی جن قدروں کیلئے سر کٹانے پر آمادہ ہو جاتا ہے وہ لاہور، اسلام آباد اور کراچی کے مجلس نشینوں کے نزدیک ''حماقت'' کہلاتی ہیں۔

یہ بات مسلسل کہی جا رہی ہے کہ افغانستان پر ٹوٹنے والی افتاد کی وجہ طالبان کی بے حکمتی ہے۔ یہ فتویٰ صادر کرنے والے دراصل یہ اعلان کرتے ہیں کہ امریکہ معصوم ہے۔ اس کی نیت میں کوئی کھوٹ نہیں۔ طالبان اور مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں اس کا دل بالکل صاف ہے۔ قضیہ یہ ہے کہ جس طرح شجاعت و بہادری اور حماقت و دیوانگی میں بہت کم فاصلہ ہے اسی طرح حکمت و مصلحت اور بزدلی و بے حمیتی میں بھی بال برابر فرق ہے۔ انسان کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس وقت کون سی سرحد پار کر کے کس علاقے میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کا فیصلہ لوگ اور وقت کرتے ہیں۔ اگر کسی کے اندر کوئی ڈھیلے ڈھالے ایمان والا کمزور سا شخص سکڑا سمٹا بیٹھا ہو تو وہ اپنی آبرو پر حملے کو کھسیانی سی ہنسی میں تحلیل کر کے اسے حکمت اور مصلحت کا نام دے کر چپ ہو جائے گا۔ وہ ساری زندگی اس کی بھاری قیمت ادا کرتا رہے گا لیکن مطمئن ہو گا کہ بے آبرو ہونے کے باوجود اس نے ایک خطرناک لمحہ ٹال دیا۔ لمحہ ٹلتا کہاں ہے؟ وہ تو آسیب کی طرح مرتے دم تک پیچھا کرتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی انسان کے سینے میں زندہ و بیدار دل ہے اور وہ ایمان،

Marfat.com

یقین کی حرارت سے سرشار ہے تو وہ اپنی آبرو پر پہلی ضرب لگتے ہی پوری قوت کے ساتھ پنجہ آزمائی کرے گا چاہے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مر جانے کے بعد اس کی زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہوتا اور وہ ایک نئے انداز میں متعارف ہوتا ہے۔

ایک کمزور دل شخص چلا جا رہا تھا۔ ایک بدمست غنڈہ اس کے پاس سے گزرا اور تفریح طبع کے طور پر اس کا گریبان پکڑ کر دو چار مکے رسید کر دیئے۔ وہ بیچارا زمین پر گر پڑا۔ چہرے سے پھوٹتا خون پونچھتا ہوا اٹھا۔ غنڈہ اسے گھورے جا رہا تھا۔ تماشبین جمع ہو گئے۔ کمزور دل شخص کو بلا وجہ، بلا سبب بے آبروئی کے احساس نے مشتعل کر دیا لیکن عین اسی لمحے مصلحت، حکمت اور دانائی کی پھوار اس کے غصے پر پڑی۔ اس نے غنڈے سے کہا:

''تم نے سنجیدگی سے مارا ہے یا مذاق کیا ہے؟''

غنڈہ تو غنڈہ گردی پر تلا کھڑا تھا تن کر بولا

''میں نے سنجیدگی سے مارا ہے''

مصلحت کیش شخص کپڑے جھاڑتے ہوئے بولا ''پھر ٹھیک ہے ورنہ میں ایسا مذاق برداشت نہیں کرتا''

ہمارے بعض دوستوں کا خیال ہے کہ طالبان بھی ایسی ہی مصلحت سے کام لیتے اور تاریخ میں آبرومند قبیلوں میں نام لکھوانے کے بجائے چند سانسوں کیلئے غیرت وحمیت کا سودا کرنے والے بے ننگ و نام گروہوں کا حصہ بن جاتے۔

[06-12-2001]

Marfat.com

شمالی اتحاد براستہ بون

ہمایوں اختر خان کی افطاری بھی کسی بون کانفرنس سے کم نہ تھی۔ ہر میز کے گرد کرسی نشین سیاستدانوں، دانشوروں اور اخبار نویسوں کا موضوع گفتگو افغانستان کے لئے تشکیل پانے والی نئی افغان حکومت تھی۔ ہمایوں کا افغانستان سے صدیوں پرانا رشتہ ہے۔ ان کے والد جنرل اختر عبد الرحمن نے جہاد افغانستان کی صورت گری کر کے اس رشتے کوئی استواری بخشی۔ یہ وہ دن تھے جب جواں سال ہمایوں جہلم روڈ راولپنڈی کے گھر میں حکمت یار، ربانی، مجددی، محمدی، گیلانی، سیاف اور یونس خالص کو دیکھا کرتے تھے۔ انہوں نے کئی مرتبہ ایک افغان نوجوان کو بھی اکیلے میں جنرل اختر کے پاس آتے جاتے دیکھا۔ اٹھائیس تیس سال کی عمر کا یہ نوجوان خوبصورت انگریزی میں شستہ گفتگو کرتا۔ یہ نوجوان معروف معنوں میں مجاہد تو نہ تھا لیکن اچکزئی قبیلے کے مجاہدین کی عسکری اور مالی مدد کے لئے سرگرم رہتا تھا۔ اس کا نام حامد کرزئی تھا۔

اسلام آباد کے ایک بڑے ہوٹل میں مسلم لیگ کے ''شمالی اتحاد'' اور ''جدہ گروپ'' دونوں کے نمائندے موجود تھے اور وہ بھی جو بڑی باریک بینی سے سیاسی توازن کا جائزہ لے رہے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور چین سمیت متعدد ممالک کے سفرائے کرام بھی موجود تھے۔ وینڈی چیمبرلین رونق محفل بنی اس طرح اٹھلا رہی تھیں جیسے وہ اس تقریب کی میزبان یا مہمان خصوصی ہوں۔ وہ مسکراہٹیں بکھیرتی ایک سے دوسری میز کی طرف جاتیں تو اخبار نویسوں کا غول ان کے ساتھ ساتھ چلتا۔ حالات کے نئے تناظر میں امریکہ ہی کو سب کچھ سمجھ لینے والے سیاستکار محترمہ سے ہاتھ ملانے اور تصویر بنوانے کو ''حاصل عمر رواں'' سمجھتے ہوئے ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ یہ منظر 11 ستمبر کے بعد جنم لینے والے امریکہ اور پاکستان دونوں کی کہانی بیان کر رہا تھا۔

وینڈی چیمبرلین نے بون کانفرنس کے فیصلوں پر مسرت کا اظہار کیا لیکن صحافیوں کے اصرار

Marfat.com

کے باوجود کشمیر کو ''ایک مشکل سوال'' قرار دے کر پہلو بچالیا۔ زمانے بھر کا ''مشکل کشا'' بن جانے والا امریکہ جب کشمیر کی طرف آتا ہے تو چپ سادھ لیتا ہے کہ اسے مزاج یار کی برہمی کا خطرہ ہے۔

میری گول میز کے اردگرد بیٹھے سیاستدانوں نے صورتحال پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ جناب سرتاج عزیز کا کہنا تھا کہ شمالی اتحاد کی بالادستی مسائل پیدا کرے گی۔ جناب وسیم سجاد نے بھی شمالی اتحاد کو استحقاق سے زیادہ حصہ دینے کو نامناسب قرار دیا۔ جناب اعجاز الحق کا خیال تھا کہ افغانستان کے دینی تشخص کو مکمل طور پر نظرانداز کر کے لبرل طبقے کی پذیرائی سے اچھے نتائج نہیں نکلیں گے۔ امریکی سفیر سے اپنی خوش پوشی کی داد پانے والے شیخ رشید احمد کا کہنا تھا کہ حامد کرزئی ظاہر شاہ اور شمالی اتحاد کے گرگوں کے مقابلے میں بہتر انتخاب ہے۔ جناب گل اورنگ زیب کا خیال تھا کہ افغانستان کے بارے میں ہر معاہدہ بعد میں پھاڑ دینے کے لئے لکھا جاتا ہے۔ بون کانفرنس کو'' کامیابی'' سے ہمکنار کرنے کے لئے امریکہ نے بڑے پاپڑ بیلے۔ صدر برہان الدین ربانی قابو میں نہیں آرہے تھے۔ صدر جارج بش کے افغان نژاد معاون خصوصی زلمے خان نے اس سلسلے میں خصوصی کردار ادا کیا۔ انہوں نے براہ راست ربانی کو فون کر کے سنگین نتائج کی دھمکی دی اور کہا کہ کانفرنس کے فیصلوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والوں کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ اسمعیل خان، رشید دوستم اور کریم خلیلی کے ذریعے بھی پیغام رسانی کی گئی۔ روس اور بھارت کو بھی استعمال کیا گیا۔ کوئی راستہ باقی نہ رہا تو ربانی موم پڑ گئے یوں نیا افغان سیٹ اپ جہاد اور اسلام کی ہر علامت سے پاک کر دیا گیا۔

جرمنی کے شہر بون میں'' افغان عوام کی مرضی ومنشا کے عین مطابق'' تشکیل پانے والی عبوری حکومت کے تیس ارکان میں سے انیس کا تعلق شمالی اتحاد (یونائیٹڈ فرنٹ) سے ہے۔ یوں کم وبیش پینسٹھ فیصد حصہ ازبکوں، تاجکوں اور ہزاروں کو ملا ہے۔ دفاع، داخلہ اور خارجہ امور کی وزارتیں بدستور فہیم، قانونی اور پاکستان کو ایٹم بم سے اڑا دینے کا مطالبہ کرنے والے عبداللہ کے پاس رہیں گی۔ پانچ نائب وزرائے اعظم میں سے تین کا تعلق شمالی اتحاد سے ہے۔ یوں جو شمالی اتحاد امریکہ کے عسکری چھاتے تلے کابل میں داخل ہوا تھا اس نے اب بون کی سفارتی چھتری تلے اپنے آپ کو جائز قابض کا درجہ دلوالیا ہے۔ پوپلزئی قبیلے کا سردار حامد کرزئی امریکہ کا منظور نظر ہے۔ بھارت سے انٹرنیشنل ریلیشنز میں ایم اے پاس کرنے والے کرزئی کے امریکہ سے مر

Marfat.com

کی نوعیت خاصی گہری ہے۔ان کے بھائی شکاگو، سان فرانسسکو، بوسٹن اور بالٹی مور میں ''بلمند ریسٹورنٹس'' کے نام سے افغانی کھانوں کی ایک چین چلاتے ہیں۔ان کی وزارت عظمیٰ کے لئے سب سے زیادہ دباؤ امریکہ نے ڈالا۔ ملا عمر کے علاقے کا رہنے والا کرزئی انگریزی زبان پر دسترس اور لبرل خیالات کی وجہ سے مغرب کو عزیز ہے۔امریکہ نے یہ سارا کھیل ''اقوام متحدہ'' کا نقاب پہن کر کھیلا۔

پاکستان کے حامد کرزئی سے اچھے مراسم ہیں کیونکہ وہ ایک عرصے سے کوئٹہ میں مقیم ہے اور متعلقہ ادارے اسے 1980ء کی دہائی سے جانتے ہیں۔لیکن سوال یہ ہے کہ حامد کرزئی کس قدر اختیار واقتدار کا مالک ہے؟ ابھی تو 22 دسمبر بھی صدیوں کی مسافت پر کھڑا ہے۔بون کے قافلے کو کابل تک پہنچنے میں کافی وقت لگے گا۔ربانی کی کرسی پر حامد کرزئی بیٹھ گئے تو بھی اصل حکمرانی شمالی اتحاد کے ہاتھ میں رہے گی جو بون کانفرنس کے بعد زیادہ معتبر اور زیادہ مقتدر ہو گیا ہے۔

[07-12-2001]

Marfat.com

نئے تماشا گر

افغانستان کو تماشا بنانے والے بازیگروں اور تماشا بننے والی کٹھ پتلیوں کو شاید اندازہ نہیں کہ آنے والے دنوں میں نیا کھیل شروع ہونے والا ہے اور افغانستان کس طرح امریکی مفادات کی بازی گاہ بننے والا ہے۔

یہ بات تو پہلے ہی کہی جا چکی ہے کہ بون کے بیوٹی پارلر سے اپنے نین نقش تیار کرانے والی دلہن شاید رونمائی سے پہلے ہی بیوگی کا زخم کھا بیٹھے کہ شاخ نازک پہ بننے والا آشیانہ ناپائیدار ہوتا ہے۔ زخمی ''نامزد وزیراعظم'' قندھار کے نواح میں پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ دریائے ارغنداب کے کنارے کس نوع کی تاریخ رقم ہوتی ہے اور اس شہر کم نصیب میں محو خواب احمد شاہ ابدالی کو کیا کچھ دیکھنا پڑتا ہے اس کا اندازہ بھی بہت جلد ہو جائے گا۔ فی الحال امریکہ خوش ہے کہ اس کی شہریت کا حامل ایک شخص تخت کابل کے لئے نامزد کر دیا گیا ہے لیکن وہ افغانوں کے مزاج سے عدم واقفت کے باعث یہ نہیں جانتا کہ......

ہزاروں لغزشیں حائل ہیں لب تک جام آنے میں

بون معاہدے پر دستخط ہونے کے فوراً بعد ہی شمالی اتحاد کی چولیں ہلنے لگی ہیں۔ یوں دکھائی دیتا ہے جیسے کسی بھی وقت افغانستان میں ایک خونی تصادم شروع ہو سکتا ہے۔ جمعرات کے روز رشید دوستم نے قندوز میں موجود ازبک فوجی دستوں کو شہر خالی کر کے مزار شریف جمع ہونے کا حکم دیا جس کے ساتھ ہی تاجک دھڑے کے جنرل آصف دلاور، جنرل داؤد اور جنرل عظیمی کے دستوں نے پوزیشنیں سنبھال لیں۔ اس وقت تک شہران کے کنٹرول میں آ چکا ہوگا۔ دوستم نے حامد کرزئی کے قلعے پر پہلا پتھر پھینک کر یہ اشارہ دے دیا کہ مصنوعی جوڑ لگانے اور زبردستی کی پیوند کاری سے کوئی مفید نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔ بون میں تشکیل پانے والی عبوری حکومت کے بائیکاٹ کا

Marfat.com

اعلان کرتے ہوئے دوستم نے کہا کہ کرزئی اپنی نام نہاد حکومت کا دائرہ شمالی علاقوں تک پھیلانے کی کوشش نہ کرے۔ دوستم نے کہا کہ جب تک ایک صحیح اور نمائندہ حکومت قائم نہیں ہو جاتی، ہم کابل نہیں جائیں گے اور نہ ہی کسی کو مزار شریف آنے کی اجازت دیں گے۔ دوستم کے حلقوں نے کہا ہے کہ تین اہم وزارتوں کے لئے پہلے ہی مفاہمت ہو چکی تھی جس کے مطابق وزارت خارجہ ازبک دھڑے یعنی دوستم کی پارٹی ''جنبش ملی'' کو دینے کا فیصلہ ہوا تھا۔ وزارت داخلہ ہزارہ جات پر قابض کریم خلیلی کی جماعت حزب وحدت کے حصے میں آنا تھی اور وزارت دفاع پر برہان الدین ربانی کی جماعت جمعیت اسلامی کا حق تسلیم کیا گیا تھا۔ بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ اگر ربانی کو صدر کے عہدے پر قائم رہنے دیا جاتا تو وہ کم از کم وزارت خارجہ اور ممکن ہے وزارت داخلہ سے بھی دستبردار ہو جاتے۔ انہوں نے امریکیوں کو اس کا واضح عندیہ دے دیا تھا لیکن ادھر سے اصرار تھا کہ حامد کرزئی کو بہر طور آگے لانا ہے۔ حامد کرزئی کی کوالیفکیشن یہ ہے کہ وہ اپنے پانچ بھائیوں سمیت امریکی شہریت رکھتے ہیں۔ 1980ء کے بعد سے ان کا سی آئی اے سے خصوصی رابطہ ہے۔ پاکستان میں ان کی سب سے گہری دوستی محمود خان اچکزئی سے ہے جو بھارت کے بارے میں خاصا نرم بلکہ دوستانہ رویہ رکھتے ہیں اور یہی حال حامد کرزئی کا بھی ہے جو حصول تعلیم کے لئے طویل عرصہ بھارت میں رہے۔ وہ کوئٹہ میں اپنے والد کے قتل کا الزام بھی پاکستانی اسٹیبلشمنٹ پر لگاتے ہیں۔ جب امریکہ نے ربانی کو زچ کر دیا تو ان کی طرف سے تینوں اہم عہدوں کے لئے اصرار بڑھ گیا۔ کابل پر قابض ہونے کے ناتے انہیں نظر انداز کرنا مشکل تھا۔ یوں تین پنج شیری تاجک تین اہم اور مرکزی عہدوں پر قابض ہو گئے۔ تینوں کا تعلق برہان الدین ربانی کی جمعیت اسلامی سے ہے کیونکہ احمد شاہ مسعود کی شورائے نظار عملاً جمعیت میں ہی تحلیل ہو چکی ہے۔

بون حکومت کی کامیابی کا انحصار حکومت میں شامل عناصر سے زیادہ حکومت سے باہر رہ جانے والے ناراض عناصر کے رویے پر ہے۔ حزب اسلامی کے سربراہ گلبدین حکمت یار نے مجوزہ حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور کہا ہے کہ بون کانفرنس میں زبردستی فیصلے کرائے گئے اور طاقت کا توازن چند اقلیتی قوتوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ پیر سید احمد گیلانی نے اسے ایک غیر متوازن حکومت قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ وہی حکومت ہے جو 1996ء تک ربانی کی صدارت میں قائم تھی۔ پروفیسر صبغت اللہ مجددی نے اسے بیرونی دباؤ کا نتیجہ قرار دیا۔ پروفیسر سیاف، حاجی

Marfat.com

قدیر، یونس خالص، محمدی اور اسماعیل خان بھی نئے سیٹ اپ سے خارج ہیں۔ سو طالبان کا افغانستان درجنوں افغانستانوں میں بٹ رہا ہے۔ پلیٹ میں آراستہ کیک کے ٹکڑے کٹ رہے ہیں۔ تماشا جاری ہے۔

حامد کرزئی کابل تک آ گیا تو اسے جنرل فہیم کی فوج اور یونس قانونی کی پولیس کے کٹہرے میں رہنا ہوگا۔ شہر پنج شیری تاجکوں کے عسکری تسلط تلے سانس لے گا اور اقوام متحدہ کی تائید یافتہ فوج کچھ نہیں کر پائے گی۔ 18 رمضان المبارک 1993ء کو ایک معاہدے کی توثیق خانہ کعبہ کی مقدس دیواروں تلے ہوئی تھی لیکن وہ معاہدہ عید الفطر منائے بغیر فوت ہو گیا۔ 8 سال بعد 18 رمضان المبارک 2001ء کو بون میں ہونے والا معاہدہ بھی بن کھلے مرجھا جائے گا۔ 8 سال قبل بھی ربانی صدر تھے۔ آج بھی صدارت کی کرسی پر براجمان ہیں۔ تب بھی وار لارڈز نے من مانی کی تھی اور آج بھی وہ وار لارڈز اپنا سکہ جمانے کا تہیہ کئے بیٹھے ہیں۔ عوامی امنگوں کی ترجمان حکومت کا سورج سامراجی مفادات کے افق سے نہیں، افغانستان کی گھاٹیوں سے طلوع ہوگا۔ تماشا گر بدل جانے سے تماشا کی نوعیت نہیں بدل جاتی۔

[08-12-2001]

Marfat.com

وہ مردِ جری!
قندھار اسے کیسے بھول پائے گا؟

ملا عمر کا افغانستان اب حامد کرزئی، رشید دوستم، حاجی قدیر، اسماعیل خان، کریم خلیلی، قاسم فہیم، جنرل داؤد اور گل آغا کا افغانستان بن چکا ہے۔ امریکہ اور مغرب کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکنے والا شخص اب کلی طور پر بے دخل کر دیا گیا ہے۔ جب سردی کی شدت بڑھ جاتی ہے اور پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکنے لگتی ہیں تو افغانی اپنے بال بچوں اور بھیڑ بکریوں کو لے کر میدانوں میں اتر آتے ہیں لیکن قندھار کا بوریا نشیں، موسم سرما کی ایک سرد رات، کلاشنکوف کندھے سے لٹکائے، کمبل لپیٹے قندھار سے برف پوش پہاڑوں کی طرف نکل گیا۔ وہ افغانستان کا ایسا فرمانروا تھا جس کے اشارۂ ابرو کو حکم کا درجہ حاصل تھا۔ جس کا سکہ قندوز اور مزار شریف سے لیکر جلال آباد، ہرات اور قندھار تک یکساں قیمت رکھتا تھا۔ وہ پانچ سال سے زائد عرصے تک سیاہ و سفید کا مالک رہا۔ وہ ریاست کا سربراہ بھی تھا اور حکومت کا چیف ایگزیکٹو بھی۔ وہ فوج کا سپہ سالار اعظم بھی تھا اور شورائے عالی کا امام بھی۔ وہ رئیس المجاہدین بھی تھا اور امیر المومنین بھی لیکن وہ گیا ہے تو اس کے خون کے پیاسوں کے پاس کوئی ایک افسانہ بھی نہیں کہ وہ حاشیے چڑھا کر اس کی کردار کشی کر سکیں۔ اگر مغربی میڈیا ملا عمر کے حرم سے کوئی ایک ''مانیکا'' بھی دریافت کر سکتا تو آج اس کے عشرت کدوں کی باتصویر حکایتیں ٹی وی سکرینوں کی زینت ہوتیں۔ وہ گیا ہے تو اس کے بارے میں ادنیٰ سی کرپشن کا بھی کوئی قصہ نہیں۔ بیت المال کے ناجائز استعمال کی کوئی کہانی نہیں۔ اقربا پروری کی کوئی داستان نہیں۔ اس کے کردار کی اجلی قبا پر کوئی ایک بھی داغ نہیں۔ اپنی پیشانی پر اللہ تعالیٰ کی سجدہ گزاری کا نورانی داغ سجائے وہ اپنے جانثاروں کے ساتھ پہاڑوں کو نکلا تو قندھار گہری نیند سو رہا تھا۔ رات کی تاریکیوں میں میلوں دور تک ہر جنبش پر نظر رکھنے والی امریکی

Marfat.com

سیاہ صحرا میں دوربینیں گاڑے بیٹھی رہی۔ زمین پر ہر ذی روح کی ذرا سی حرکت پکڑ لینے والے سیاروں کو اونگھ آ گئی۔ گل آغا کی خونی سپاہ کے چوکس پہریدار اسے دیکھ نہ سکے۔ ساری دینا میں طوفان بپا کر دینے والا مرد درویش ہوا کے لطیف جھونکے کی طرح ایکا ایکی نہ جانے کہاں چلا گیا۔

کچھ کہتے ہیں کہ نہیں وہ ابھی قندھار میں ہے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ ممکن ہے پختون ولی کی پرانی روایت کے تحت اس کے قبیلے نے اسے پناہ میں لے لیا ہو۔ ممکن ہے حامد کرزئی یا گل آغا کا کوئی سپاہی اس کے سر کا سودا کر لے۔ زمانے بھر کے تیروں کا رخ اس کے کشادہ سینے کی طرف ہے۔ امریکہ کے نزدیک وہ ایک بڑا شخص ہے۔ رسوائے زمانہ دہشت گرد ہے۔ دہشت گردوں کو پناہ دینے والے مافیا کا سرغنہ ہے۔ ہزاروں انسانوں کا لہو پینے کے باوجود امریکی کولیشن کی پیاس نہیں بجھی۔ اسے ملا عمر اور اسامہ کا لہو چاہئے۔ بون معاہدے کی کوکھ سے جنم لینے والی بونی حکومت کا بونا وزیر اعظم عام معافی کا اعلان کرنے کے بعد اپنا تھوکا چاٹ رہا ہے کہ اس کے آقا نے ڈانٹ پلا دی ہے۔ چھپن اسلامی ممالک میں سے کسی کا اس اجنبی شخص سے دور پار کا رشتہ بھی نہیں۔ دلوں کو دولخت کرنے والی یہ خبر کسی بھی وقت آ سکتی ہے کہ ملا عمر قتل ہو گیا۔ عالمی میڈیا اس دہشت گرد کی ہلاکت کو انسانی تہذیب و تمدن اور مہذب دنیا کی عظیم فتح قرار دے گا اور جارج بش اسے اکیسویں صدی کی سب سے بڑی کامرانی سمجھ کر امریکی تاج کا نگینہ بنا لے گا۔ لیکن کشادہ سینے اور اونچے ماتھے والا بلند قامت شخص سود وزیاں سے آگے نکل چکا ہے۔ وہ افغانستان کا حکمران نہیں رہا لیکن اس کی حکمرانی کتنے براعظموں پر محیط ہو گئی ہے۔ قندھار یقیناً اداس ہے۔ اب سیاہ چادر اوڑھے ایک شخص، رات گئے کسی بستی میں گھومتا اور اپنے عوام کو پرسکون نیند کا مژدہ سناتا دکھائی نہیں دے گا۔ اب قندھار کا گورنر ملا حسن رحمانی لاٹھی ٹیکتا فٹ پاتھوں کی خاک چھانتا نظر نہیں آئے گا۔ اب سر شام گھروں کے دروازے بند ہو جایا کریں گے کہ گلیاں انسانوں سے خالی ہو گئی ہیں اور درندوں سے بھر گئی ہیں۔ اب جواں سال بیٹیوں کے والدین کبھی میٹھی نیند نہیں سو سکیں گے۔

ملا عمر پہاڑوں میں جا کر ایک نئی دہشت کا روپ دھار لے یا ہمیشہ کے لئے معدوم ہو جائے۔ وہ لمبی عمر پائے یا بہت جلد اپنی جان کا قرض چکا دے، یہ باتیں اب بے معنی ہو چکی ہیں۔ اس کے پاس نہ ایٹم بم تھا نہ میزائل نہ ایف 16 نہ جدید تربیت یافتہ فوج، اس کے باوجود وہ دو ماہ تک وقت کے فرعون اور اس کے چیلوں کے سامنے ڈٹا رہا۔ اس نے جس کو پناہ دی اس کے لئے

Marfat.com

اپنی فرمانروائی تک قربان کردی۔ اقتدار کی چند ساعتوں، کچھ مہینوں یا دو چار سالوں کے لئے اپنا سب کچھ ڈھیر کردینے والوں کی اس دنیا میں اس نے ایک نظریے، ایک اصول اور ایک عہد کے لئے حکمرانی کو اتنی اہمیت بھی نہیں دی جتنی وہ اپنے کندھے پر پڑی چادر کو دیتا ہے۔ اس نے نہ ہتھیار ڈالے نہ امریکیوں سے پناہ مانگی۔ اقتدار اپنے رفقا اور بزرگوں کے حوالے کیا اور اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔

کل کا مورخ جب اکیسویں صدی کی اس عالمی جنگ کا تذکرہ کرے گا تو ایسے بہت سے ناموں کو فلم کے ایکسٹراز کی طرح فالتو سمجھ کر نظر انداز کردے گا جو آج کے ہیروز ہیں لیکن آج کا ولن، صدیوں تلک تاریخ کی پیشانی کا جھومر بنا رہے گا۔ داغ داغ پیشانیوں والے بونے، اہل جنوں کے اس قافلے کی دھول بن جائیں گے۔ جس کے سالار کے ماتھے پر صرف ایک بارگاہ کے حضور سجدے کا داغ چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا ہوگا۔

حرماں نصیب قندھار اس مرد جری کو کیسے بھول پائے گا؟

شہر بے رنگ ترے لوگ گواہی دیں گے
ہم سے خوش رنگ بھی تیرے خس و خاشاک میں تھے

[09-12-2001]

Marfat.com

سردیوں کی طویل رات

ملا عمر کا قندھار عجب آشوب میں ہے۔ زندگی سہمی ہوئی ہے اور بند دروازوں کی درزوں سے جھانکتی وحشت زدہ آنکھیں گلی کوچوں میں وہی منظر دیکھ رہی ہیں جو 1994ء میں طالبان کی آمد سے پہلے یہاں کے کوچہ و بازار کا مقدر بن گیا تھا۔ تب ملا نقیب اللہ قندھار کے کور کمانڈر اور گل آغا گورنر تھے۔ ملا نقیب اللہ نے حاجی بشر اور بعض دوسرے مجاہدین کمانڈروں سے مل کر طے کیا کہ طالبان ایک نیک مقصد کے لئے اٹھے ہیں اس لئے ان سے تعاون کرنا چاہیئے۔ قندھار کے گورنر کو نظرانداز کر دیا گیا اور یوں قندھار خود بخود طالبان کے قدموں تلے بچھ گیا۔ اس کے بعد پے در پے معرکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ طالبان، ہرات اور کابل سے ہوتے ہوئے مزار شریف تک جا پہنچے لیکن ملا عمر نے قندھار کا حجرہ نہ چھوڑا۔ ملا نقیب اللہ نے جس گرمجوشی سے طالبان کو خوش آمدید کہا تھا ملا عمر نے اسے احسان مندی کے جذبے کے ساتھ ہمیشہ یاد رکھا۔ پیشکش کے باوجود ملا نقیب اللہ نے کوئی عہدہ قبول نہ کیا لیکن طالبان نے اس کی قدر و منزلت میں کمی نہ آنے دی۔ جب ملا عمر کی کابینہ اور شوریٰ نے شہر خالی کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا تو طے پایا کہ قندھار، گل آغا شیرزئی اور حامد کرزئی کے حوالے کرنے کے بجائے یہ امانت نقیب اللہ کے سپرد کر دی جائے۔ شہر کے بڑوں کا اجلاس طلب کیا گیا، مذاکرات ہوئے، معاملات طے پائے اور طالبان شہر کی کنجی ملا نقیب اللہ اور حاجی بشر کے حوالے کر کے پہاڑوں کی طرف نکل گئے۔

گل آغا شیرزئی دو ہفتوں سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کے دستے قندھار ائرپورٹ کے آس پاس بیٹھے امریکن طیاروں کی کارپٹ بمنگ کا تماشا دیکھتے رہے لیکن پیشقدمی کی جرات نہ کر سکے۔ حامد کرزئی فصیل شہر کے نزدیک تک نہ جا سکا۔ امریکہ کی بہادر فوج ایک سو کلومیٹر دور ایک صحرا میں خیمہ نشین رہی کہ طالبان کا دو بدو سامنا کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ 7 اکتوبر سے لے کر آج

Marfat.com

تک کسی مقام پر بھی امریکی یا برطانوی دستوں نے طالبان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ کرائے کے مقامی میر جعفروں اور میر صادقوں کو بھی اس وقت پیش قدمی کا حوصلہ ہوتا جب شدید بمباری سے طالبان خاک وخون میں نہا چکے ہوتے یا پھر خود ہی شہر خالی کر کے چلے گئے ہوتے۔ قندھار میں بھی یہی کچھ ہوا۔ شمالی اتحاد، حامد کرزئی یا گل آغا شیرزئی کسی کو بھی شیر کی کچھار میں جھانکنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ ملا عمر نے تین ہفتے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جب ضرورت پڑی ہم سارے شہر خالی کر کے پہاڑوں پر چلے جائیں گے۔ قندھار خالی کرنے کا اصولی فیصلہ ہفتہ بھر قبل ہو گیا تھا اور اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے اقدامات بھی شروع ہو گئے تھے۔ ملا نقیب اللہ اور حاجی بشر کو بھی اس منصوبے سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ طالبان نے عمدگی کے ساتھ منصوبہ بنایا اور امریکن کولیشن کو آخری معرکہ سر کرنے کی خوشی اور سرشاری سے محروم کر دیا۔ امریکی وزیر دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ نے بڑے افسوس کے ساتھ کہا ہے کہ ”قندھار پر قبضے کو ہماری حقیقی فتح قرار دیا جا سکتا ہے۔“

امریکہ کی محرومیوں کا دائرہ ابھی مزید پھیلے گا۔ ابھی ان کے ”ببرک کارمل“ کو تخت کابل پر براجمان ہونے میں بھی خاصا وقت لگے گا۔ ابھی تو ملا عمر سے محروم ہو جانے والے قندھار کی آگ ہی بجھنے نہیں پا رہی۔ طالبان تو جا چکے لیکن گلی گلی مورچے لگے ہیں۔ قبائلی بزرگوں کا اجلاس کوشش کے باوجود اس آگ کو ٹھنڈا نہیں کر پایا۔ گل آغا شیرزئی نے قندھار کے گورنر ہاؤس پر قبضہ کر لیا ہے۔ قندھار کا ہوائی اڈہ اور تختہ پل پہلے ہی اس کے قبضے میں ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ملا نقیب اور حاجی بشیر کے ساتھ طالبان کے کسی معاہدے کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ تو خود طالبان ہیں۔ ملا نقیب اللہ نے کور کمانڈر کے دفتر اور شہر کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا ہے۔ کمانڈر احمد اخوندزادہ اور حبیب اللہ، چھاؤنی کے ایک حصے پر قابض ہو گئے ہیں۔ حبیب اللہ نے چالیس ٹینکوں سمیت بھاری اسلحہ کی بڑی کھیپ پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ کئی اور سابق کمانڈر خالی سرکاری عمارتوں اور تنصیبات پر قبضے کر رہے ہیں۔ ہلمند پر گلبدین حکمت یار کے ایک کمانڈر فیض اللہ نے گورنر ہاؤس پر قبضہ جما لیا ہے۔ ملا شیر محمد اور ملا عطا محمد اسے بے دخل کرنے کے لئے قوت آزمائی کر رہے ہیں۔

قندھار شہر لاقانونیت کی گرفت میں ہے۔ ہر طرف لوٹ مار جاری ہے۔ قندھار ہرات روڈ پوری طرح لٹیروں، راہزنوں اور ڈاکوؤں کے نرغے میں ہے۔ وہ سارے قانون شکن اور غنڈہ

Marfat.com

عناصر سامنے آگئے ہیں جو طالبان کی کڑی سزاؤں کے ڈر سے سات سال تک زیر زمین رہے۔

ڈونلڈ رمزفیلڈ نے یہ رونا بھی رویا ہے کہ ان کی فوج ہمت ہار بیٹھی ہے۔ ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ”قبائلی سیاست اور طالبان لیڈروں کی تلاشی ہمارے لئے بہت بڑا چیلنج ہے۔ امریکی فوجیں ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں اور وہ مایوسی کا شکار ہیں۔ خراب موسم اور اندھیرے کی طویل راتوں کے باعث انہیں سخت مشکلات پیش آ رہی ہیں۔“

اور قندھار کے لوگ سردیوں کی طویل راتوں میں ایک بار پھر بے امان ہو گئے ہیں۔ 1994ء کے موسم سرما سے 2001ء کے موسم سرما تک قندھار نے ایک بھی گھناؤنا جرم، ایک بھی مکروہ لاقانونیت اور ایک بھی غارت گری نہیں دیکھی۔ ملا عمر نہیں ہے تو شہر آسیب کا گھر بن گیا ہے۔ رمزفیلڈ کو ”سردیوں کی طویل راتوں“ کا گلہ ہے۔ قندھار اور پورے افغانستان کو سردیوں کی جس طویل رات میں دھکیل دیا گیا ہے اس کی صبح نہ جانے کب ہوگی۔

[10-12-2001]

Marfat.com

فسطائیت کے سفیر

افغانستان میں حتمی فتح وشکست کا فتویٰ جاری کرنے میں زیادہ جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے ۔اس طرح کی کشمکش کو ہار جیت کے روایتی مفہوم کے حوالے سے جانچا بھی نہیں جاسکتا۔ ایسے واقعات تاریخ کی گیلری میں آویزاں بہت بڑی تصویر کی طرح ہوتے ہیں اور بڑی تصویروں کے خدوخال کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں خاصے فاصلے پر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ ملا عمر کی جہالت اور جارج بش کی علمی فضیلت کا صحیح موازنہ کرنے کے لئے ابھی امکانات ،واقعات اور مکافات کے لمبے سلسلے کا انتظار کرنا چاہیئے ۔فی الحال امریکہ کے نئے عزائم پر نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا ہوگا کہ کس کس کی ''ضد اور ہٹ دھرمی'' اگلا نشانہ بننے والی ہے ۔آدم خور کو تو پیٹ بھرنے کے لئے کچھ چاہئے ۔شکار بے حکمتی کا مظاہرہ کر کے مزاحمت کرتا کرتا گر پڑے یا حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے لقمہ تر بننے کے لئے رضا کارانہ طور پر اپنی شہ رگ اس کے جبڑے تلے رکھ دے ،عفریت کو بہر حال تازہ گوشت اور گرم لہو چاہئے۔

صدر جارج بش نے پرل ہاربر پر حملے کی ساٹھویں سالگرہ مناتے ہوئے کہا ہے کہ'' فاشزم (فسطائیت) کے سفیروں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہوسکتا۔''

انہوں نے دہشت گردی کے مخصوص خود ساختہ مفہوم اور افغانستان کے پس منظر میں اسامہ اور ملا عمر کو فسطائیت کے وارث قرار دیتے ہوئے وہ لب ولہجہ اختیار کیا جو مصنوعی خداؤں کے انجام اور جزاوسزا کے تصور سے بے خبر قوتوں کا خاصا رہا ہے ۔افغانستان میں ''فسطائیت'' کا قلع قمع کرنے میں تو شاید اب زیادہ دیر نہ لگے ،دیکھنا صرف اس قدر ہے کہ'' آزادی کے لئے جہد مسلسل'' کے اس بدمست قافلے کا اگلا پڑاؤ کہاں ہوتا اور کس کی ''بے حکمتی'' کو لقمہ بناتا ہے۔

ایک شخص ،کہ نام اس کا ایریل شیرون ہے اور جوان دنوں امریکہ کی گود میں بیٹھی ایک فسطائی

Marfat.com

ریاست اسرائیل کا وزیر اعظم ہے، اس لئے دہشت گرد قرار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ امریکی مفادات کا مہرہ ہے اور اس کا نام مسلمانوں جیسا نہیں۔ جب امریکہ نے عالمی کولیشن کا ڈرامہ رچا کر ''جاہل افغانیوں'' کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تو ایریل شیرون نے بھی انگڑائی لی۔ اس نے یاسر عرفات کو ''مشرق وسطیٰ کا اسامہ بن لادن'' قرار دے کر فلسطینی علاقوں پر وحشیانہ یلغار شروع کر دی۔ امریکی سرمایہ اور اسلحہ تو اسے مل ہی رہا تھا، اب اسے برہنہ جارحیت کی باضابطہ سند بھی جاری کر دی گئی اور فرمان جاری ہوا کہ اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق ہے۔ ایریل شیرون وہ شخص ہے جس نے ستمبر 1982ء میں لبنان میں قائم صابرا اور شتیلہ کے فلسطینی کیمپوں کو اپنی براہ راست نگرانی میں انسانیت سوز مظالم کا نشانہ بنایا۔ اس کے خلاف خود اسرائیل میں لاکھوں افراد نے مظاہرہ کیا۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ادارے کو ستر ہزار کے لگ بھگ افراد نے اپنے دستخطوں سے اس درندے کے خلاف کارروائی کی درخواست دی۔ اس کے خلاف آج بھی بلجیئم کی عدالت میں دہشت گردی کا مقدمہ درج ہے۔ روز روشن کی طرح ٹھوس اور ناقابل تردید شواہد کے مطابق وہ ایک مانا ہوا دہشت گرد ہے لیکن اس صدی کا ''جید عالم'' اس کے جرائم کو اس کے نامہ اعمال کا حسن قرار دیتے ہوئے اسے ریاستی دہشت گردی اور قتل عام کا مختار نامہ جاری کر چکا ہے۔ امریکہ کی لغت میں ایریل شیرون حق و صداقت کا علمبردار اور ملا عمر فسطائیت کا وارث ہے۔

جمہوریت، آزادی، مساوات اور حقوق انسانی کے دعویدار ملک کا عالم یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگیاں عذاب بنادی گئی ہیں۔ پولیس کو بغیر وارنٹ کسی بھی گھر میں گھسنے، کسی سے بھی پوچھ گچھ کرنے اور کسی کو بھی پولیس سٹیشن لا بٹھانے کا اختیار مل چکا ہے۔ اس ''کسی'' کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہوتا ہے۔ اب تک پانچ ہزار سے زائد مسلمانوں کو کئی کئی دن اذیت ناک تفتیش کا نشانہ بنایا جاچکا ہے۔ بارہ سو سے زائد مسلمان جن میں کئی پاکستانی بھی ہیں، تفتیش کے عمل سے گزر رہے ہیں اور امریکہ ان کے نام بتانے پر بھی تیار نہیں۔ ایک پاکستانی ایف بی آئی کے تشدد سے ہلاک ہو چکا ہے۔ تارکین وطن کے لئے خصوصی قوانین بن چکے ہیں۔ جارج بش کسی بھی شخص کو دہشت گرد قرار دے کر اسے فوجی عدالت کے سپرد کر سکتے ہیں۔ ''عدالت'' خفیہ سماعت کے بعد اسے عمر قید یا موت کی سزا سنا سکتی ہے جس کے خلاف اپیل بھی نہیں ہوگی۔ یہ فوجی عدالتیں امریکہ کے باہر بھی قائم کی جاسکتی ہیں جس کا سلیس زبان میں ترجمہ یہ ہے کہ وہ امریکی فوجی افسر کابل، اسلام آباد،

Marfat.com

دمشق، طرابلس، بغداد، کہیں بھی کسی بھی چوک میں کرسیاں ڈال کر کسی بھی ایسے شخص کو موت کی سزا سنا سکتے ہیں جسے جارج بش دہشت گرد خیال کرتے ہوں۔ سمندروں میں قزاقوں کی طرح گردش کرتی امریکی کمانڈوز سے لدی آبدوزوں سے حکم جاری ہوا ہے کہ اگر کوئی تجارتی بحری جہاز تلاشی دینے کے لئے نہ رکا تو اسے غرق کر دیا جائے گا۔ گذشتہ ہفتے کراچی کے ساحل کے قریب پانامہ کے ایک جہاز کو آٹھ گھنٹے تک روک کر اس میں لدے تین سو کنٹینروں کی تلاشی لی گئی اور کئی ایک کو سیل کر دیا گیا۔

طالبان کی قیادت تو اپنی ''جہالت'' کی سزا پا چکی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد تقریباً دو درجن ممالک ''جہالت'' کے سبب اسی انجام سے دو چار ہو چکے ہیں۔ نصف درجن ''جاہل'' حکومتوں کے تختے الٹے جا چکے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کس کی حکمت، بصیرت، دانشمندی اور معاملہ فہمی کو ''جامعہ امریکیہ'' سے کس کس نوع کی سند فضیلت عطا ہوتی ہے اور کس کس کو فسطائیت کا سفیر قرار دے کر شکم پروری کا سامان کیا جاتا ہے۔

[11-12-2001]

Marfat.com

عید مبارک

عالم اسلام کی عید بھی کیا عید ہے! ہر طرف لہو کے جھرنے پھوٹ رہے ہیں اور علم و دانش کی وارث سپر پاور نے فلسطینیوں کے قتل عام پر نظر رکھنے والے مبصرین کے بارے میں سلامتی کونسل کی قرارداد کو ویٹو کر دیا ہے۔ خون مسلم کس قدر ارزاں ہو چکا ہے۔ قاتلوں کے رنگ روپ الگ الگ، نام جدا جدا، مذہب اور مسلک مختلف، لیکن شرق و غرب کے ہر مقتول کا نام ایک ہی ہے۔ کہتے ہیں یہ نہ تہذیب کی جنگ ہے نہ اسلام سے کسی کو دشمنی ہے نہ مسلمانوں کے وجود سے کسی کو کد ہے لیکن عجب اتفاق ہے کہ امریکہ کا عیسائی افغانستان کے مسلمان کو مار رہا ہے۔ اسرائیل کا یہودی فلسطین کے مسلمان کو کچل رہا ہے۔ بھارت کا ہندو کشمیر کے مسلمان کی رگ جاں پر خنجر چلا رہا ہے۔ روس کا کمیونسٹ چیچنیا کے مسلمان کا لہو پی رہا ہے۔ مختلف ناموں، مختلف مقاموں اور مختلف زبانوں والے سارے شکاری صرف ایک ہی "غزال" کا شکار کر رہے ہیں اور پھر کمال معصومیت سے کہتے ہیں کہ "ہم تو روزے رکھتے ہیں۔ افطاریاں دیتے ہیں۔ عید مبارک کے پیغامات نشر کرتے ہیں۔ مسلمانوں سے ہمارا کیا جھگڑا!" نام نہاد مہذب ملکوں میں رزق حلال کی جدوجہد میں مصروف جن محنت کشوں کی زندگیاں اجیرن بنا دی گئی ہیں وہ سب کے سب مسلمان۔ جن تنظیموں کے گلے میں دہشت گردی کا طوق ڈال دیا گیا ہے وہ سب کی سب مسلمان۔ جن اداروں کی جمع پونجی ہڑپ کر لی گئی وہ سب کے سب مسلمان۔ جن ممالک کو دہشت گردی کے خلاف مہم کا اگلا مورچہ قرار دیا جا رہا ہے وہ سب کے سب مسلمان۔ جن تنظیموں کو نابود کر دینے کے لئے اندھی قوت استعمال کرنے کا اذن جاری ہو چکا ہے، وہ سب کی سب مسلمان۔ اس کے باوجود کہا جاتا ہے "مسلمان تو ہمارے دوست ہیں۔ ہم تو روزے رکھتے اور افطاریاں دیتے ہیں۔"

امریکی حکام نے کہا ہے کہ وہ کرسمس پر اپنے عوام کو اسامہ کی لاش کی شکل میں عظیم تحفہ پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس تحفے کے لئے بڑی کاوشیں کی گئیں۔ مزار شریف سے قندھار تک

Marfat.com

قتل گاہیں سجائی گئیں۔قلعہ جنگی میں رقص ابلیسی کا اہتمام کیا گیا۔امن،عافیت اور انسانیت کے سفیروں کو دربدر کر کے ایک اخلاق باختہ ٹولے کو افغانستان پر مسلط کیا گیا اور پھر اسے معتبر بنانے کے لئے امریکہ کو کم وبیش پندرہ ہزار بم گرانا پڑے۔ ہزاروں معصوم انسانوں کو ہلاک کیا گیا۔ درجنوں بستیاں پیوندز میں کردی گئیں۔تیس لاکھ سے زائد افراد نقل مکانی پر مجبور کر دیئے گئے۔ محفوظ شاہراہوں اور پرامن آبادیوں کو درندوں کی شکارگاہ بنا دیا گیا۔

لیکن اصل شکار ابھی دور ہے۔ملا عمر کی قیمت ایک کروڑ ڈالر اور اسامہ کی قیمت اڑھائی کروڑ ڈالر لگائی ہے۔دو لاشوں کے لئے ساڑھے تین کروڑ ڈالر خرچ ہوں گے لیکن ان لاشوں تک رسائی کی مہم پہلے دو مہینوں میں ساٹھ بلین ڈالر کھا چکی ہے۔امریکی عوام کو کرسمس کی شایان شان تحفہ پیش کرنے کے لئے یہ کوئی بڑی قیمت نہیں۔

کرسمس میں ابھی کچھ دن باقی ہیں لیکن عید تو سر پر آگئی۔میں اپنے اہل وطن کو کون سا تحفہ پیش کروں؟ بجھے دلوں اور مرجھائے چہروں والے ان کم نصیبوں کے خشک ہونٹوں پر مسکراہٹیں لانے کے لئے کون سی کہانی سناؤں؟ کشمیر کی کہانی یا فلسطین کی؟ چیچنیا کی داستان یا افغانستان کی؟ ایسے موسم میں تو عید مبارک کہتے ہوئے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔میں ملا عمر اور اسامہ بن لادن کو بھی عید کا کوئی تحفہ،کوئی پیغام نہیں بھیج سکتا۔ہیروشیما اور ناگاساکی کے حوالے سے معروف دنیا کا سب سے تعلیم یافتہ اور سب سے ''شریف النفس'' ملک کہتا ہے کہ یہ دونوں ''برے'' شخص ہیں۔''بدمعاش' دہشت گرد اور قاتل ہیں۔'' اس خوف میں ملا عمر اور اسامہ بن لادن کو کوئی عید کارڈ بھی نہیں بھیج سکتا۔ویسے بھی ان بنجاروں کا نہ کوئی اتہ پتہ ہے نہ گھر نہ ٹھکانہ۔جانے وہ کن پہاڑوں کے کون سے غاروں اور کون سی گھاٹیوں میں ہیں۔انہیں تو شاید یہ بھی اندازہ نہ ہو کہ سورج کس وقت طلوع اور کس وقت غروب ہوتا ہے۔گہری تاریکیوں میں بیٹھے ان خرقہ پوشوں کو کون خبر دے گا کہ عید کا چاند نکل آیا ہے؟ یوں بھی انہیں عید اور عید کے تحفوں سے کیا واسطہ؟ کسی سنہری طشتری میں سجے ان کے سر تو امریکی عوام کے لئے کرسمس کا تحفہ بننے والے ہیں۔

امریکہ جیسی عظیم قوم کے تہوار کا تحفہ بننا کوئی معمولی اعزاز نہیں۔یہ سعادت چڑیوں اور ممولوں کے حصے میں نہیں آتی۔ہوا کا کوئی جھونکا،القاعدہ سے تعلق کا الزام سہہ سکے تو ان اہل جنوں تک ''عید مبارک'' کا پیغام ضرور پہنچا دے......لیکن میرا نام لئے بغیر!

[16-12-2001]

Marfat.com

وجود کی بقا (1)

بھارت کی فہرستِ مطالبات حتمی نہیں۔ حالات و واقعات کے اتار چڑھاؤ اور ہمارے ردعمل کی روشنی میں اس فہرست کی کانٹ چھانٹ ہوتی رہے گی لیکن صورت حال کی سنگینی کے باوجود میں اس رائے پر قائم ہوں کہ بھارت جنگ سے دور رہے گا۔

اس کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ نصف صدی سے زائد عرصے پر محیط تاریخ میں پاکستان نے بھارت کے مقابلے میں جس طرحداری اور خودداری کا مظاہرہ کیا ہے اس پر کاری ضرب لگائی جائے۔ یہ حقیقت باور کرادی جائے کہ پاکستان کسی طور بھارت کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور اگر اسے اپنا وجود عزیز ہے تو جذبات کی منہ زوری کو لگام دے اور تلخ زمینی حقائق کو قبول کرتے ہوئے ایک باجگزار ذیلی ریاست کے طور پر زندہ رہنا قبول کرلے۔

طاقت کا توازن کبھی ہمارے حق میں نہیں رہا۔ بھارت کی بری، بحری اور فضائی قوت ہم سے کہیں زیادہ ہے، اس کے پاس جدید ترین اسلحہ کی بھی فراوانی ہے، عالمی سطح پر اس کا جمہوری تشخص ہمارے بے ننگ و نام نظام سے کہیں زیادہ معتبر ہے۔ ہم نے افرادی اور عسکری قوت کا یہ عدم توازن ہمیشہ اپنی نظریاتی قوت، ایمان و یقین، عزم جہاد، شوق شہادت اور مقصد کی صداقت سے پورا کیا۔ ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کا اثاثہ ہماری مسلح افواج کیلئے ہمیشہ سرمایہ قوت رہا۔ ماضی میں ہماری ہر ہزیمت کے پیچھے سیاسی آلائشوں کی فتنہ گری، شخصی اناؤں کی کشمکش و پیکار، ذاتی و گروہی مفادات کی حشر سامانی اور معاملات کی ناقص تجزیہ کاری کا بڑا دخل رہا۔ یہ سب کچھ سیاسی و عسکری قیادت کے کھاتے میں جاتا ہے۔ جہاں تک میدان جنگ میں حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہوکر جاں سپاری کے ساتھ معرکہ آرا ہونے کا تعلق ہے، ہمارے جوانوں اور افسروں نے اس کی عظیم مثالیں قائم کیں۔ جو جنگ ہم ہار گئے، جس میں ہم آدھا ملک گنوا بیٹھے، جس میں

Marfat.com

ہمیں ہتھیار ڈالنے کی ذلت کا سامنا کرنا پڑا اور جس میں ہمارے ایک لاکھ کے قریب فوجی اور شہری بھارت کی قید میں چلے گئے، وہ جنگ بھی عزم وہمت کی لازوال داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ مشکل ترین حالات میں، مقامی آبادی کے غیر دوستانہ رویے کے باوجود قوم کے فرزندوں نے جس بانکپن سے جانیں دیں اس کا ولولہ آفریں تذکرہ جنرل نیازی کی ذلت ورسوائی کے ملبے تلے دب گیا۔

سازوسامان جنگ کی اہمیت اور ٹیکنالوجی کی بالادستی کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی لیکن 11 ستمبر کے بعد اسے ایک نیا رخ ملا ہے۔ امریکہ نے سات سمندر پار سے آ کر ایک بے سروسامان ملک کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا اور جب چاروں طرف قبرستان کی خاموشی چھا گئی تو اس کا پہلا بہادر فوجی زمین پر اترا۔ اس منظر کو دیکھ کر بعض ''حقیقت نگاروں'' نے ایک نئے فلسفہ زندگی کی تبلیغ شروع کر دی جس کا محوری نکتہ یہ ہے کہ طاقتور کے سامنے کسی اصول، نظریے، آدرش یا اقدار کی بات نہ کرو۔ اگر اس کا مقابلہ کرنے کی سکت ہے تو ڈٹ جاؤ ورنہ اپنا اور اس کا وقت ضائع کیے بغیر اس کے مطالبے کو تسلیم کر لو۔ اس فلسفہ حیات کی تہہ میں یہ سوچ کارفرما ہے کہ اصل اہمیت ''وجود'' کو ہے۔ روح، احساس، جذبات، غیرت، حمیت، آبرو، عزت نفس، خودمختاری، آزادی، انا یہ سب اضافی چیزیں ہیں۔ وجود کی سلامتی کیلئے ان میں سے جس جس کی بھی قربانی دینا پڑے قطعاً دیر نہیں لگانی چاہیے۔ وجود سلامت ہے تو سب کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ انتہائی زہریلا، مہلک اور فتنہ انگیز قسم کا فلسفہ ہے۔ اس کے مبلغین ایک ایسی نفسیاتی فضا تخلیق کر رہے ہیں جس میں سر اٹھا کر چلنے کی رسم مکمل طور پر متروک ہو جائے اور پوری قوم رضا کارانہ شکست کی چادر تان کر گہری نیند سو جائے، صرف اس احساس تسکین کے ساتھ کہ اس کا وجود سلامت ہے۔ انہیں کون سمجھائے کہ وجود کوئی جامد شے نہیں۔ یہ انہی عناصر ترکیبی سے تشکیل پاتا ہے جن کا تعلق غیرت وحمیت اور خودداری وانا کے قبیلے سے ہے۔ جو قوم محض ''وجود'' کی سلامتی کیلئے عصمت وناموس کے متاع بے بہا گنوا بیٹھتی ہے اس کا وجود راستے کے پتھر سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جو ہمیشہ پاؤں کی ٹھوکروں میں رہتا ہے۔

11 ستمبر کے بعد امریکی کولیشن کا ہراول دستہ بنتے وقت دلیل اور وکیل کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ البتہ بعد میں ہم نے اس ''دانشمندانہ اور حکیمانہ'' فیصلے کی اہمیت وافادیت کا نقشہ کھینچتے وقت یہی دلیل دی کہ پاکستان ہے تو سب کچھ ہے'' سب سے پہلے پاکستان'' کا یہ مفہوم لیا گیا کہ ملک کا

Marfat.com

وجود سلامت رہے تو سب کچھ سلامت ہے۔ یہ کسی نے نہ پوچھا کہ کیا پاکستان کسی الماری میں رکھا کوئی خوبصورت گلدان ہے؟ کیا پاکستان محض ایک جغرافیائی خطے کا نام ہے؟ اسلامی فلسفہ حیات، دوقومی نظریے، جمہوری تشخص اور آزادی وخودمختاری سے محروم پاکستان کس ''وجود'' پر ناز کرے گا؟ چار سرحدوں میں گھرا زمین کا ٹکڑا انہی خصوصیات کی بدولت تو پاکستان بنتا ہے۔ان سے محروم ہو جانے کے بعد تو کوئی پاکستان باقی ہی نہیں رہتا جسے ''سب سے پہلے'' کہا جا سکے۔

جب کسی ملک کی اجتماعی سوچ، قوت کے خوف میں مبتلا ہو جائے، اس کے دانشور حقیقت پسندی کے نام پر غیرت وحمیت کا تمسخر اڑانے لگیں اور فیصلوں پر قدرت رکھنے والے قائدین ہر قیمت پر کشمکش و پیکار سے گریز کی پالیسی پر چل نکلیں تو توانا جذبوں اور ناقابل تسخیر عزم کی مالک قوم بھی اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہو کر بھوسے کا ڈھیر بن جاتی ہے۔ وجود کی بقا کا آشوب اس کے اعصاب سے قوت وتوانائی کی ایک ایک رمق نچوڑ کر اسے نامہربان موسموں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے۔

[24-12-2001]

Marfat.com

وجود کی بقا(2)

بدلتی رُت دیکھ کر بھارت یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ جو ابرِ نو بہار امریکہ اور اسرائیل کی آرزوؤں کو شاداب کر گیا وہ اس کے ارمانوں کی کھیتی پر برسنے کیلئے بھی تلا کھڑا ہے۔ اقوام متحدہ چودھری کے حجرے کی خاکروب بن چکی ہے اور عالمی برادری، امریکی اداؤں پر تالیاں بجانے والے خواجہ سراؤں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ سامراجی سوچ رکھنے والے ہر ملک کو یہ اختیار حاصل ہو گیا ہے کہ وہ اپنی پسند کے ''دہشت گردوں'' کا تعین کرے، امریکہ کو خبر دے اور پھر وہ سب کچھ کر گزرے جس کی قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ بھارت نے پاکستان کی انا کے پر کاٹنے، کشمیر کا قضیہ چکانے اور خطے پر اپنی بالادستی کا پرچم لہرانے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔

پاکستان عجب دوراہے پر کھڑا ہے۔ تاریخ کے اس انتہائی نازک موڑ پر ملک ایک بار پھر منتخب قیادت، جمہوری اداروں، سیاسی فہم و فراست اور ادارہ جاتی مشاورت سے محروم ہے۔ فوج کی ذہنی و فکری ساخت اور پیشہ وارانہ تربیت کی پوری عمارت دفاعِ وطن کے پُرعزم جذبے پر کھڑی ہے۔ ماضی کی تاریخ میں ہمیشہ بھارت ہی کی طرف سے نشانہ بننے کے باعث فطری طور پر ہماری مسلح افواج صرف ایک ہی دشمن کا تصور اور اسی کیخلاف پنجہ آزمائی کا عزم رکھتی ہیں۔ وطن کی آبرو پر مرمٹنا اور خاکِ پاک کی آبرو کیلئے اپنے لہو کی بوند بوند پیش کر دینا اُن کی سرشت میں شامل ہے۔ اگر وہ اس بنیادی وظیفے تک محدود ہوتیں تو معاملہ مختلف تھا لیکن آج پاکستان کی حکمرانی بھی اُن کے ہاتھ ہے اور اس اعتبار سے بھارت کے موجودہ جارحانہ رویے کا مقابلہ کرنے کیلئے سیاسی منصوبہ سازی، بین الاقوامی نزاکتوں کے شعور، حکیمانہ مصلحت کیشی اور تصادم سے گریز کیلئے مدبرانہ سفارتکاری کی ذمہ داری بھی انہوں نے اپنے سر لے رکھی ہے۔ یہ کام سیاسی حکومتوں کو زیب دیتے ہیں۔ اُن کے دامن پر غیر ضروری لچک، بے جا کمزوری، دشمن کو ناروا رعایتیں دینے، جنگ سے

Marfat.com

گریز کیلئے کم ہمتی حتی کہ تصادم کوٹالنے کیلئے بزدلی کا داغ بھی لگ جائے تو کوئی بہت بڑا زیاں نہیں ہوتا۔ سیاست کی قبا پر اس طرح کے دھبے لگتے رہتے ہیں لیکن ہر حال میں دشمن پر کاری ضرب لگانے اور وطن کی انا کیلئے نقد جاں پیش کرنیوالوں کی وردی پر کلغی جھکانے یا مصلحت شعاری کی ہلکی سی چھینٹ بھی پڑ جائے تو پوری قوم کے مورال پر گہرا گھاؤ لگتا ہے۔ بھارت کی فوج یکسو ہے۔ اس کی نظر متعینہ اہداف اور طے شدہ مقاصد پر ہے۔ سفارتی حکمت کاری، سیاسی منصوبہ بندی، بین الاقوامی رائے عامہ کی صورت گری، بڑے معرکے کیلئے سازگار فضا کی تیاری اور پھر حتمی فیصلے کی ذمہ داری عوام کی منتخب قیادت پر ہے۔ ہمارے ہاں معاملہ مختلف اور بڑی حد تک الجھا ہوا ہے۔ فوجی قیادت، سیاسی کردار ادا کرتے ہوئے تصادم کوٹالنے کیلئے مصلحت کا راستہ اختیار کرتی اور بھارتی مطالبات کے سامنے جھک جاتی ہے تو اس کا داغ وردی پر لگے گا اور اگر وہ سیاسی حکمت، بین الاقوامی تقاضوں اور زمینی حقائق کو پس پُشت ڈال کر خالصتاً فوجی ذہن سے فیصلہ کرتی ہے تو بھی نتائج وعواقب کی ذمہ داری برسوں اس کا پیچھا کرتی رہے گی۔ ایوب خان کی روح مصلحت کیش، اعلان تاشقند کے بوجھ سے آزاد نہیں ہوسکی اور یحییٰ خان کی بے مصلحت فوج کشی کا داغ شاید قیامت تک نہ دُھل سکے۔ بھارت جنگ کرے نہ کرے ہمارے اعصاب کی آزمائش کیلئے بتدریج دباؤ بڑھا رہا ہے۔ اس کا اولین ہدف ہماری قومی خودی ہے۔ اس سارے اقدامات کا مقصد ہماری عزت نفس سے چھیڑ چھاڑ ہے۔ نئی دہلی میں پاکستانی سفیر قاضی اشرف جہانگیر کو بے توقیر کیا جا رہا ہے۔ طے پایا ہے کہ وہ کڑی پابندیوں میں رہیں گے اور ایسا ہی فرمان پاکستان کیلئے بھی جاری ہو رہا ہے۔ بھارتی فضا پاکستانی طیاروں کیلئے ممنوع قرار پانے والی ہے۔ سندھ اور پنجاب کا پانی بند کرنے کیلئے سندھ طاس معاہدے کی یکطرفہ منسوخی کا ذکر بھی ہو رہا ہے۔ سرحد پار سے فائرنگ، فضائی حملے، مخصوص ٹھکانوں پر کمانڈو ایکشن اور زمین سے زمین تک مار کرنیوالے میزائلوں کے استعمال کی دھمکیاں بھی آ رہی ہیں۔ ہماری طرف ایک سناٹا ہے جو کبھی کبھی بے ربط، بے مغز اور منتشر بیانات سے ٹوٹتا رہتا ہے۔

اس انتہائی نازک اور تشویشناک صورتحال کا مقابلہ کرنے کیلئے ہمیں حکمت، تدبر، فہم، فراست اور اجتماعی قومی دانش کی ضرورت بھی ہے اور وطن کی آبرو کیلئے کٹ مرنے کے جنوں خیز عزم کی بھی۔ موجودہ قیادت کو بلاتاخیر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ کیا وہ ان سارے اوصاف کی مالک ہے؟

Marfat.com

کیا قومی تاریخ کے اس فیصلہ کن موڑ پر وہ سارا بارگراں تنہا اپنے کندھوں پر اٹھانا چاہتی ہے، یا اُن کو بھی شریک سفر کرنا چاہتی ہے جو بہت بُرے سہی، لیکن اس مٹی کے فرزند ہیں۔

یہ وجود کی بقا کا سوال ہے..... پاکستان کا وجود، ایسے پاکستان کا وجود جو اپنے نظریے کی صداقت، قائداعظمؒ کے افکار کی استقامت اور چودہ کروڑ عوام کی قوت کا مظہر ہو۔ جو بھارت کے سامنے پورے قد کے ساتھ کھڑا ہو سکے۔

[25-12-2001]

Marfat.com

یہ کس کے ہنر کا شاہکار ہے؟

معاملات کس طرح الجھتے ہیں؟ ہنگامی تقاضوں کی وقتی مجبوریاں کیونکر برسوں پر محیط ریاضت کو بے ثمر کر دیتی ہیں؟ اور فصیل انا سے لڑھکنے کے بعد دست وپا کس طرح اختیار کھو بیٹھتے ہیں؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے بہت دور جانے کی ضرورت نہیں۔

کشمیر کا مسئلہ ہماری قومی تاریخ کے ہر نشیب و فراز پر پوری طرح حاوی رہا اور یقیناً آج بھی ہے۔ نصف صدی سے زائد عرصے میں ہم نے اس مسئلے کی خاطر جنگیں بھی لڑیں۔ جنگوں کی تیاری کے لئے صبر آزما مشکلات بھی برداشت کیں لیکن اس حقیقت کو مان لینے میں کوئی حرج نہیں کہ ایک مستحکم اور پائیدار پالیسی تشکیل دینے اور حکومتوں کی آنکھ مچولی سے بے نیاز ہو کر استقلال کے ساتھ اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں نہ کی جا سکیں۔ اکثر اوقات اس اہم ترین مسئلے کو ذاتی یا گروہی مفادات یا اقتدار کے عارض و رخسار کی زیبائش کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔ ہمارا دفتر خارجہ عالمی سطح پر انتہائی مضبوط مقدمے کو بھی پوری توانائی کے ساتھ پیش نہ کر سکا۔ ہمارے سفارتخانوں کی ترجیحات میں اسے معقول جگہ نہ مل سکی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک ملک کی اعلیٰ ترین شخصیت پاکستان کے دورے پر آئی۔ اس وقت کے صدر جناب محمد رفیق تارڑ کے ساتھ ملاقات میں جب صدر نے کشمیر کا ذکر کیا تو مذکورہ شخصیت نے بڑی معصومیت سے کہا کہ ''مجھے تو اس معاملے کی تفصیلات کا علم نہیں۔ یہ کیا قضیہ ہے؟'' آج اگر دنیا کشمیر کے مسئلے کی حقیقی نوعیت سے بے خبر ہے اور دشت رائیگاں کا سفر جہادی تنظیموں کی رگ جاں تک آن پہنچا ہے تو یہ سب کچھ ہمارے دست ہنر مندی کا کمال ہے۔

بھارت خود یہ معاملہ اقوام متحدہ میں لے گیا تھا۔ اسی کی پیش رفت پر سلامتی کونسل نے قرار دیا تھا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کشمیری عوام کی مرضی ومنشاء کے مطابق ہوگا جس کا تعین اقوام متحدہ کی

Marfat.com

نگرانی میں آزادانہ استصواب رائے کے ذریعے کیا جائے گا۔ ہم بجا طور پر ایک مدت تک اقوام متحدہ کی ان قراردادوں پر عمل درآمد کو ہی مسئلہ کشمیر کا حل قرار دیتے رہے۔ تقسیم ہند کے فارمولے سے منسلک کرتے ہوئے ہم نے کشمیر کی پاکستان میں شمولیت کو نامکمل ایجنڈے کی تکمیل کا نام دیا لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ہمارا موقف ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہم مصلحتوں کے کھیل میں شریک ہو کر معاملے کی اصل نوعیت کو فراموش کر بیٹھے اور ایک واضح خواب، کثرت تعبیر سے پریشان ہوتا چلا گیا۔ ہمارا مقدمہ عالمی سطح پر اس لئے الجھتا گیا کہ خود ہمارے ذہنوں میں کنفیوژن کے جالے تن گئے۔ بھارت نے شملہ معاہدے کی رو سے سیز فائر لائن کو لائن آف کنٹرول قرار دینے اور باہمی گفت وشنید سے اسے حل کرنے کے عہد کو اپنی بڑی کامیابی سمجھا جس کے بعد سے تاویلات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ''کشمیر کاز'' مسلسل ہماری لڑھکنیوں کی زد میں ہے۔ ہم نے کہا کہ یہ مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل ہونا چاہئے۔ پھر کہا کہ یہ مسئلہ دوطرفہ مذاکرات کے ذریعے طے کیا جائے۔ پھر ہم پر انکشاف ہوا کہ کشمیری بھی موجود ہیں لہٰذا اعلان ہوا کہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے سہ طرفہ مذاکرات ضروری ہیں۔ پھر ہم نے کشمیر کے ''تیسرے آپشن'' کے لئے بھی اپنی گردن اثبات میں ہلانا شروع کر دی۔ پھر ہم نے کہا کہ کوئی ''معتبر ثالث'' جو فیصلہ بھی کر دے گا، ہم منظور کر لیں گے اور جب ایک عمر طویل کے بعد آگرہ کانفرنس کا میلہ سجا تو ہمارا مطالبہ سکڑ سمٹ کر صرف اس قدر رہ گیا کہ بھارت اس مسئلے کو بنیادی مسئلہ (CORE ISSUE) تسلیم کر لے۔ ہمارے وجود کو دولخت کر دینے کے بعد احساس فتح مندی سے سرشار اندرا گاندھی نے بھی اتنا بے لچک رویہ اختیار نہیں کیا تھا جتنا سنگلاخ طرز عمل آگرہ کانفرنس کے دوران بھارتی قیادت نے اختیار کیا۔ مسئلہ کشمیر کی اہمیت اور مرکزیت کا حوالہ تو شملہ معاہدے میں بھی موجود تھا۔ آگرہ کانفرنس کے دوران سرکاری سطح پر پاکستان نے ایک دفعہ بھی اقوام متحدہ کی قراردادوں کا نام نہیں لیا۔ ؎

اور آج جبکہ بھارت خونی جبڑے کھولے ہماری سرحدوں پر دھاڑ رہا ہے، حقیقت ایک بار پھر خرافات میں کھو گئی ہے۔ ظلم و بربریت کی مکروہ روایات کے حامل ایک جنونی ملک کی پارلیمنٹ کی غلام گردش میں مارے جانے والے نصف درجن اہلکاروں کا بدلہ لینے کے لئے دہائی دی جا رہی ہے۔ بش اور کولن پاول بھارت کی ہمنوائی کرتے ہوئے ہر اس تحریک کو دہشت گرد قرار دے رہے

Marfat.com

ہیں جس کا آزادی کشمیر سے دور کا تعلق بھی بنتا ہے۔قبرستانوں میں بدل جانے والی بستیوں اور خاک وخون میں نہا جانے والی اسی ہزار جوانیوں کا تذکرہ کسی کے ہونٹوں پر نہیں۔'' بھاری اکثریت سے پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہو کر ایک دستوری حکومت کے آئینی وزیر خارجہ'' پر اچانک منکشف ہوا ہے کہ الماری میں بند معطل آئین کی رو سے جیش محمد اور لشکر طیبہ جیسی جماعتیں تو قائم ہی نہیں ہوسکتیں۔

کشمیر کا بنیادی مسئلہ نہ جانے کون سی کال کوٹھڑی کے کس تنگ وتاریک گوشے میں پڑا ہے۔ چون سالوں سے کشمیر جنت نظیر کو درندگی اور سفاکی کا دہکتا جہنم بنا دینے والا بھارت عالمی برادری کی عدالت میں مدعی بن کر کھڑا ہے اور ہم زمین پر نظریں گاڑے اپنی بے گناہی کی کتھا سنا رہے ہیں۔

یہ کس کے ہنر کا شاہکار ہے؟

[28-12-2001]

Marfat.com

خواب مرتے نہیں

یہ بحث غیر ضروری ہے کہ اس کی تازہ ٹیپ کتنے دن اور کتنے مہینے پرانی ہے۔ یہ سوال بھی اپنی اہمیت کھو چکا ہے کہ وہ کہاں ہے؟ یہ الجھن بھی بے معنی ہے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ؟ وہ ان سارے جھگڑوں، سارے خرخشوں، سارے گورکھ دھندوں سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ ٹھکانے ان کے ہوتے ہیں جو آفاقی تصورات اور لافانی نظریوں کے بجائے زمین کے ٹکڑوں اور مٹی کے گھرندوں پر یقین رکھتے ہوں۔ موت اُن لوگوں سے معاملہ کرتی ہے جن کی زندگیاں سانس کی ڈوری سے بندھی ہوں اور جن کا رشتہ جاں دل کی دھڑکنوں سے جڑا ہو۔ جغرافیہ اُنہیں اپنی جکڑ بندیوں میں لیتا ہے جو تاریخ کی لامحدود وسعتوں سے بے بہرہ ہوں۔ گرداب اور بھنور اُن کے مقتل بنتے ہیں جو سمندروں کی گہرائیوں سے عشق کرنے کے بجائے ساحلوں کی آسودگی پر نظر رکھیں۔ جب کوئی ارب پتی اور کھرب پتی ہوتے ہوئے، مرمریں محلات کی خوابگاہوں اور نرم وگداز بچھونوں کو لات مار کر تورا بورا کے سنگلاخ غاروں کو مسکن بنالیتا ہے تو وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے مادہ پرست پیمانے سے بہت دور نکل جاتا ہے۔

وہ کئی سالوں سے دلِ مغرب میں تیر کی طرح پیوست ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی عسکری اور اقتصادی قوت اس کے تعاقب میں ہے۔ اُسے مسلسل گالیاں دی جارہی ہیں۔ ''دہشت گرد، قاتل، بھگوڑا، بدمعاش، بدکار، خونی، جرائم پیشہ، فسادی، جنونی، شر کا پتلا'' گالیوں کی اس بوچھاڑ کے باوجود وہ عزیزِ جہاں ہے۔ دنیا کا کوئی بڑا شہر ایسا نہیں جس کی شاہراہوں پر اس کے نام کے نعرے نہ لگے ہوں۔ اس کی تصویروں والے جلوس نہ نکلے ہوں۔ وہ شاعروں کے قصیدوں، اہل قلم کی کہانیوں، مغنی کی نواؤں اور اربوں اہل درد کی دعاؤں میں زندہ ہے۔ دنیا کے کسی ترقی یافتہ شہر کی کوئی محفل اور کسی پسماندہ گاؤں کی کوئی چوپال اس کے ذکر سے خالی نہیں۔ ٹیلی ویژن کا ہر

Marfat.com

نیٹ ورک اس کے تذکروں سے معمور ہے اور ہر داستان گو اُسی کے قصے سے دلوں کو گرما رہا ہے۔

ڈونلڈ رمزفیلڈ نے بے چارگی سے کہا ہے " ہمیں صرف اتنا علم ہے کہ اس کا کچھ علم نہیں۔" اس علم کی گتھیاں سلجھانے کی ضرورت بھی نہیں۔ یہ تحقیق بے محل ہے کہ وہ پاکستان میں ہے یا افغانستان میں۔ چین میں بیٹھا ہے یا ایران میں۔ عراق میں ہے یا سوڈان کی راہ لے چکا ہے۔ وہ کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے وہ جنوب میں ملا عمر کے ساتھ بیٹھا قہوے کی چسکیاں لے رہا ہو۔ ممکن ہے ہرات ایران شاہراہ کے پہلو میں عبدالرحمان جامی کی قبر کا مجاور بن چکا ہو۔ ممکن ہے قندھار کے نواح میں دریائے ارغنداب کے ساتھ ساتھ لگے انگور کے باغوں میں سے کسی باغ کا مالی بن چکا ہو۔ ممکن ہے وہ ماڈرن طرز کا سوٹ پہنے، ٹائی لگائے اسلام آباد کے فائیو سٹار ہوٹل میں سی این این کے نمائندے کے ہمراہ کافی پی رہا ہو۔ ممکن ہے وہ کوہ سفید کی کسی گھاٹی میں پتھروں کی اوٹ میں چادر بچھائے رکوع و سجود میں مصروف ہو اور ممکن ہے اس کی بے گوروکفن لاش تورا بورا کے کسی غار کی اتھاہ تاریکیوں میں پڑی ہو۔ لامتناہی امکانات کے اس گھنے جنگل میں وہ جہاں بھی ہے، جس حال میں بھی ہے، حد سود و زیاں سے بہت آگے نکل چکا ہے۔ کم کم لوگوں نے اپنی زندگیوں میں عروج و کمال کی وہ رفعتیں پائیں جو اس کے حصے میں آئیں۔ اس کی تصویروں سے مزین، ٹی شرٹس، اس کے نورانی چہرے سے سجے رومال اس کے نام سے قبولیت پانے والی خوشبوئیں اس کے قد آدم رنگین پوسٹر اور اس کا نام پانیوالے لاکھوں بچے۔ وہ نہ کسی ملک کا فرمانروا ہے نہ بادشاہ، نہ شہزادہ، نہ فلسفی نہ حکیم، نہ مصنف، لاکھوں کے مجمع کو الٹ دینے والا آتش بیاں مقرر، نہ معروف معنوں میں عالم، نہ فقیہہ نہ سیاسی معرکے سر کرنے والا سیاستدان۔ لیکن شہرت و ناموری اس کی کنیز ہے اور عقیدت و محبت اس کے گھر کی دہلیز پر سجدہ کناں ہے۔

بیسویں صدی کے ڈوبنے اور اکیسویں صدی کے طلوع ہونے والے سورج نے اس سے زیادہ قد آور، اس سے زیادہ باکمال اور اُس سے زیادہ صاحب جلال و جمال شخص نہیں دیکھا۔ وہ کچھ بھی نہیں لیکن ایسا جادوگر ہے کہ ایک دنیا اس کے سحر میں مبتلا ہے۔ تاریخ میں اُس جیسے طلسماتی کردار خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ وہ دکھائی دے یا نہ دے لیکن جارج بش کے ماتھے کی ایک ایک شکن میں جھلکتا اور ٹونی بلیئر کے غیظ آلود چہرے میں پیہم دہکتا ہے۔ وہ زندہ ہاتھ لگ جائے یا مردہ، اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑیں یا پاؤں میں بیڑیاں، سب کچھ بے معنی ہے۔ وہ اس

Marfat.com

مقام تک پہنچ گیا ہے جہاں موت اُس کی روح تو قبض کر سکتی ہے مار نہیں سکتی۔ جارج بش کی بہادر سپاہ اس کا سینہ تو چھلنی کر سکتی ہے قتل نہیں کر سکتی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شہسواروں کو اندازہ ہی نہیں کہ ان کی حیاتیاتی انجینئرنگ، ان کی ''کلوننگ'' مراکش سے انڈونیشیا تک اس کے کتنے ہم شکل، ہم مسلک، ہم مشرب اور ہم مقصد پیدا کر چکی ہے۔

جانے دیجئے اس بحث کو کہ الجزیرہ کی تازہ کیسٹ کتنے دن اور کتنے مہینے پرانی ہے۔ اس بحث کو چھوڑیے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔ بھول جائیے اس قصے کو کہ وہ کس دیس میں ہے۔ بس اتنا یاد رکھیے کہ جارج بش اور ٹونی بلیئر دو تین برس بعد وقت کے کوڑادان کا حصہ بن جائیں گے لیکن وہ صدیوں تلک تاریخ کے ایک ایک طاق میں لو دیتا رہے گا۔ وہ تو ایک سرمدی خواب ہے جو صدیوں سے زندہ ہے۔ تعبیریں تاریک راہوں میں کھو جائیں تو بھی خواب زندہ رہتے ہیں۔ سدا بہار گلابوں کی مہک کی طرح، کسی جادونگری کی پُراسرار گونج کی طرح

تیز رکھیو سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

[29-12-2001]

Marfat.com

ایک قرارداد کی آمد آمد

کان بند بھی کر لئے جائیں تو بعض آوازیں صور اسرافیل بن کر دل و دماغ پر آرے چلانے لگتی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ امریکی کولیشن کے ساتھ ''امریکی توقع سے بھی زیادہ تعاون'' کرنے کے نتیجے میں آج ساری دنیا ہمارے ساتھ کھڑی ہوتی۔ امریکہ اپنے سنہری پر پھیلائے ہم پر سایہ فگن ہوتا اور کولن پاول جسونت سنگھ کو اسی انداز کا ایک فون کر چکے ہوتے جس انداز کا فون 11 ستمبر کی رات ہمارے لئے آیا تھا۔ جارج بش سپاٹ اور دوٹوک لہجے میں واجپائی سے کہتے ''جناب وزیراعظم! یہ نہ بھولیئے کہ پاکستان نے ہمارے لئے اپنی پوری تاریخ پر لکیر پھیر دی ہے۔ اپنی فضائیں، اپنے پانی، اپنے زمینی اڈے، اپنی پیشہ ورانہ مہارت، اپنی معلومات کا خزانہ، اپنی سفارت کاری، اپنے وسائل نقل و حمل، اپنی انٹیلی جنس، سب کچھ ہماری جھولی میں ڈال دیا ہے۔ یہاں تک کہ اسلامی اخوت کے حوالے سے اپنے اوپر عائد پابندیوں کو بھی ایک طرف رکھتے ہوئے ان طالبان کی غارتگری میں ہمارا ساتھ دیا ہے جنہیں وہ اپنے جگر گوشوں کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ آج اس کی فوج کا ایک بڑا حصہ ''ہمارے مجرموں'' کی تلاش میں مغربی سرحدوں پر چوکس کھڑا ہے۔ ہماری خاطر اس نے ایک دوست، ہمدرد اور غمگسار افغانستان کو حریف اور دشمن افغانستان میں بدل لیا ہے۔ ہماری خوشنودی کے لئے اس نے پہلی مرتبہ اپنی روایات سے ہٹ کر ایک پڑوسی اسلامی ملک کے خلاف کارروائی میں کردار ادا کیا ہے اور ابھی تک کر رہا ہے۔ عملی کاوشوں کے ساتھ ساتھ اس نے عالمی سطح پر ہمارے حق اور طالبان کی مخالفت میں پُرزور بیانات دیتے وقت ایسے ایسے دلائل تراشے ہیں جو ہمارے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ اسامہ کے خلاف ملنے والی ڈھیلی ڈھالی کڑیوں کو سب سے پہلے پاکستان ہی نے محکم استدلال کے ساتھ انتہائی مضبوط اور کافی مثبت قرار دیا۔ آج بھی وہ اپنے قومی مفادات سے کہیں زیادہ ہمارے اہداف و مقاصد کے

Marfat.com

لئے فکر مند ہے۔اس سب کچھ کے عوض ہم اس کی معیشت کی معمولی مرہم پٹی اور چند دوروں کی سوغات کے سوا اسے کچھ بھی نہ دے سکے۔32ارب ڈالر کے قرضوں کا بوجھ بدستور اس کی پیٹھ پر لدا ہے اور ایک ارب ڈالر بھی معاف نہیں کئے جا سکے۔آج ہی جناب شوکت عزیز نے بتایا ہے کہ پاکستان ہماری وجہ سے تین ارب ڈالر کا نقصان کروا چکا ہے۔صدر مشرف نے انتہائی نازک حالات میں قومی تاریخ کا مشکل ترین اور نامقبول فیصلہ کر کے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ان حالات میں ہم پر یہ اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم پاکستان کے وجود اس کی عزت وحرمت، اس کے تشخص اور اس کی خود مختاری کا تحفظ کریں اور ہم اپنے اس فرض میں کبھی کوتاہی نہیں کریں گے۔چونکہ آپ کی پارلیمنٹ پر حملے کے بارے میں ایسا کوئی ٹھوس ثبوت سامنے نہیں آیا جس سے پاکستان کے ملوث ہونے کا نتیجہ نکالا جا سکے اس لئے مہربانی فرما کر آپ اپنی حدود کے اندر رہیں۔پاکستانی عوام کو پہلے ہی ہماری بے وفائی کا گلہ ہے اور ہم نے وعدہ کر رکھا ہے کہ اس مرتبہ ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔بلکہ ماضی کے سارے گلے شکوے بھی دھو ڈالیں گے۔لہٰذا آپ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اپنی افواج زمانہ امن کی پوزیشنوں پر واپس لے جائیں ورنہ ہم آپ کو پتھر کے زمانے میں دھکیل دیں گے اور ایسے انجام سے دوچار کریں گے جو آپ کی آنے والی نسلیں (اگر وہ بچیں تو) بھی یاد رکھیں گی۔مجھے بحث یا مکالے کی نہیں ''ہاں یا نہیں، میں دوٹوک جواب کی ضرورت ہے۔''

یہ ٹیلی فون نہیں ہو سکا۔جو ہوا اس کا ایک ایک لفظ بند کانوں کی مقفل کھڑکیوں سے بھی صحرائی طوفان کی طرح امڈا چلا آ رہا ہے۔جارج بش نے بھارتی پارلیمنٹ پر حملے کا رشتہ گیارہ ستمبر کی کارروائیوں سے جوڑ دیا۔ارشاد ہوا کہ جیش محمد اور لشکر طیبہ، دہشت گرد تنظیمیں ہیں ان کا نان نفقہ بند کر دیا گیا۔انہیں ''القاعدہ کی بہنیں'' قرار دے کر گردن زدنی ٹھہرایا گیا۔''جمہوریت، آزادی اور مذہبی رواداری'' کے خلاف کھلی دہشت گردی کا کھرا پاکستان تک پہنچا دیا گیا۔اب ایک ہی مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ پاکستان ''دہشت گردوں'' کے خلاف موثر کارروائی کرے۔اسلامی کانفرنس بھی یہی راگ الاپ رہی ہے۔چین نے بھی یہی نصیحت کی ہے۔جی ایٹ کانفرنس نے بھی اپنے تازہ اعلامیے میں کہا ہے کہ پاکستان اپنی سرزمین پر کام کرنے والے دہشت گردوں کے خلاف مزید اقدامات کرے جو خاص طور پر بھارت کو نشانہ بنا رہے ہیں۔''فرانس کے وزیر خارجہ

Marfat.com

نے بھی اسی مضمون کا خط ارسال کیا ہے۔ دنیا کے کسی ملک کے کسی حاکم نے دبے لفظوں میں بھی یہ نہیں کہا کہ ''کشیدگی کے مستقل حل کے لئے کشمیر کے دیرینہ مسئلے کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں کشمیری عوام کی امنگوں کے مطابق حل کیا جائے۔'' خود ہماری عزت مآب حکومت کے کسی اہلکار نے اس نوع کی یاددہانی ضروری نہیں سمجھی۔ اس وقت عالمی کٹہرے میں کھڑے ''مجرم'' کا نام پاکستان ہے۔ فرد جرم عائد ہو چکی ہے امریکہ معتبر عینی گواہ کے طور پر موجود ہے۔ کسی عالمی فورم سے ایک ایسی درخواست اپیل یا قرارداد آیا چاہتی ہے جس میں دہشت گری کے خلاف ہمارے بھرپور عزم اور ہماری امن دوستی کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد ہم سے ہر وہ بات مان لینے کے لئے کہا جائے گا جو بھارت چاہتا ہے اس کے جواب میں ہمیں اتنی رعایت ملے گی کہ بھارت ہماری کنپٹی پر رکھی بندوق ہٹا لے گا۔

اور ہم اس عالمی مطالبے کے جواب میں کیا کریں گے؟ اس سوال کا جواب کچھ ایسا مشکل نہیں۔

[30-12-2001]

Marfat.com

مال غنیمت

جب قانون، ضابطے، قاعدے، بین الاقوامی اصول، اخلاقی اقدار اور انسانیت کے قرینے بے مہار طاقتوں کی فرعونیت کے باجگزار بن جائیں اور ساری مہذب دنیا ٹک ٹک تماشا دیکھتی اور تماشا گر کے ہنر کی داد دیتی رہے تو وہی کچھ ہوتا ہے جو ان دنوں ہو رہا ہے۔ امریکی مہم انوکھے انوکھے ٹھکانے تلاش کرتی، نگر نگر کے ''دہشت گردوں'' کا لہو پیتی، تہذیب کی لغت کو معنی ومفہوم کی نئی رفعتیں دیتی، مسلسل سفر میں ہے۔ جارج بش اور ان کے حواری مرصع الفاظ میں اسلام کو امن و عافیت اور انسان دوستی کا مذہب قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''سارے مسلمان دہشت گرد نہیں'' لیکن عجب اتفاق ہے کہ اب تک تلاش کئے جانے والے سارے ''دہشت گرد'' مسلمان ہیں۔ امریکی لشکر کے شہسوار رنگ رنگ کے لیکن سب کی آستینوں پر فرزندان حجاز ہی کا لہو ہے۔

طالبان ایک ریاست کے حکمران تھے۔ ایسی ریاست جو اقوام متحدہ کی رکن تھی۔ جس نے سلامتی کونسل کی تمام اہم قراردادوں کو تسلیم کر رکھا تھا۔ جس نے اقوام متحدہ کے تمام عہد ناموں پر دستخط کر رکھے تھے۔ وہ اپنی ریاست کی باضابطہ فوج تھے جس نے جبر کے سامنے سر جھکانے کے بجائے، اپنی بے سروسامانی کے باوجود دفاع وطن کا حق استعمال کیا لیکن امریکہ ہاتھ لگنے والے طالبان اور ان کے پہلو بہ پہلو لڑنے والوں کو جنگی قیدی ماننے پر تیار نہیں۔ وارلارڈز کی دستبرد میں آنے والے تمام قیدی، موسمی سوغات کی طرح ملکوں ملکوں تقسیم ہو رہے ہیں۔ بستی بستی بانٹے جا رہے ہیں، گلی گلی آوازیں لگ رہی ہیں۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ سفاکی کا پہلا شرمناک مظاہرہ، قلعہ جنگی میں امریکی درندوں کی منصوبہ سازی کے تحت ہوا جہاں ایک ہزار سے زائد انسانوں کو بے دردی سے بھون ڈالا گیا۔ مزار شریف، قندوز، کابل، قندھار اور ہرات میں پکڑے گئے افراد کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا، اس کے

Marfat.com

تذکرے سے بھی گھن آتی ہے لیکن امریکہ نازاں رہا کہ اس کی خوئے بیمار کو تسکین مل رہی تھی۔ اب خبر آئی ہے کہ قیدیوں کی ایک بڑی کھیپ کیوبا میں امریکہ کے ایک بحری اڈے پر منتقل کی جارہی ہے۔ یہ اڈا ایک سو سال قبل امریکہ نے پٹے پر لیا تھا اور دو ہزار سونے کی اشرفیاں اس کا سالانہ کرایہ مقرر ہوا تھا۔ آج اس کی مالیت تقریباً چار ہزار ڈالر ماہانہ بنتی ہے لیکن صدر کاسترو نے آج تک کرائے کا کوئی چیک کیش نہیں کرایا۔ کیوبا چیخ رہا ہے کہ امریکہ یہ اڈا فی الفور خالی کردے اور اسے غیر انسانی مقاصد کے لئے ہرگز استعمال نہ کرے لیکن ڈونلڈ رمزفیلڈ نے کہا ہے کہ ''ہمیں کیوبا کے واویلے سے کچھ واسطہ نہیں۔''

اس وقت 139 قیدی قندھار کے صحرائی مرکز میں بنائے گئے خصوصی تفتیشی مرکز میں ہیں۔ جانی واکر سمیت آٹھ قیدی خلیج عمان میں کھڑے ایک بحری جہاز میں ہیں۔ 14 قیدی شبرغان سے کسی نامعلوم منزل کی طرف منتقل ہورہے ہیں۔ 75 قیدی ننگرہار کے پولیس چیف اور ''فاتح تورا بورا'' حضرت علی کی تحویل میں ہیں۔ درجنوں ننگرہار کے گورنر کے بھائی اور کور کمانڈر زمان خان کے حجرے میں بند ہیں۔ 63 کیوبا پہنچنے والے ہیں۔ دو بگرام کے ہوائی اڈے پر کسی پنجرے میں بند ہیں۔ ایک مزار شریف میں کولیشن کے زیر تفتیش ہے۔ ایک سو سے زائد کوہاٹ میں سی آئی اے اور ایف بی آئی کے نرغے میں ہیں۔ دو سو کے لگ بھگ قیدیوں کا تحفہ واجپائی کو بھیجا جاچکا ہے۔ شمالی اتحاد نے جن ساڑھے سات ہزار قیدیوں کی خبر دی ہے نہ جانے وہ کہاں ہیں اور کس کی تحویل میں ہیں۔ دو دن قبل نیویارک کی ڈسٹرکٹ کورٹ نے ملا ضعیف کے نام وارنٹ جاری کرکے چھ ماہ کے اندر اندر پیش ہونے کا حکم جاری کیا ہے۔ برسوں سے افغانستان میں مقیم عربوں کی بیویاں اور بچے کس حال میں ہیں، کوئی نہیں جانتا۔ وارلارڈز کے ہاتھ جو لگا، وہ اسے غلاموں اور کنیزوں کی طرح نیلام کررہے ہیں۔

امریکہ اپنے من پسند قیدیوں کو کیوبا کے بحری اڈے پر اس لئے ڈھیر کررہا ہے کہ یہ جگہ میامی سے صرف 850 کلومیٹر دور ہے۔ یہاں عالمی پریس کی رسائی نہیں۔ ہر آنے جانے والے کو خصوصی اجازت نامہ لینا پڑتا ہے۔ یہاں نہ امریکہ کا قانون لاگو ہوتا ہے نہ کیوبا کا، صرف جنگل کے قانون کی رسائی ہے۔ مرضی کی عدالت بٹھانا اور مرضی کا فیصلہ لینا سہل ہے۔ کوئی قیدیوں کی حالت زار کا نوٹس بھی نہیں لے سکتا۔ امریکہ نے 1949ء کے اس جنیوا کنونشن پر دستخط کررکھے

Marfat.com

ہیں جو جنگی قیدیوں کے ساتھ انسانی سلوک کی ضمانت دیتا ہے۔ 1998ء میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے افغانستان ہی کے حوالے سے قرارداد نمبر 1193 منظور کی تھی جس کا مقصد افغانستان میں سرگرم عمل جنگی گروپوں کو اس بات کا پابند بنانا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے قیدیوں سے جنیوا کنونشن کے مطابق برتاؤ کریں۔ امریکہ نے شدومد سے اس قرارداد کی حمایت کی تھی اور اب وہ افغانستان کے قیدیوں کو جنگی قیدی (POWS) ماننے پر تیار نہیں۔ ان کے لئے اس نے ''میدان جنگ میں زیر حراست افراد'' (Battlafield detainees) کی نئی اصطلاح ایجاد کی ہے اور بلاشبہ وہ کسی بھی شے کو کوئی بھی نام دینے پر قادر ہے۔

مال غنیمت، غنیم کے لشکریوں میں بٹ رہا ہے۔ جگر لخت لخت کی تقسیم جاری ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے پر لگا کر اونچی ہواؤں میں اڑنے والی مہذب دنیا خاموش ہے۔ چھپن اسلامی ممالک کی زبانیں گنگ ہیں اور سوا ارب مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والی اسلامی کانفرنس چپ چاپ اپنے جگر کی قاشیں سر بازار نیلام ہونے کا تماشا کر رہی ہے۔ کون بولے اور کیوں بولے؟ ان کا کسی سے کیا رشتہ ہے؟

[01-01-2002]

Marfat.com

پہلا قدم

بے یقینی اور مایوسی کی پت جھڑ کچھ اس انداز سے آتی ہے کہ امید اور آس کے سارے شجر ٹنڈ منڈ ہو جاتے ہیں۔ ننگی شاخیں سوا نیزے پر کھڑے سورج کی ایک کرن بھی نہیں روک پاتیں اور وجود کا ایک ایک مسام تنور کی طرح دہکنے لگتا ہے۔ ناسازگار موسموں میں بھی دلوں کے اندر اعتماد و یقین کا کوئی شگوفہ ضرور کھلا رہتا ہے۔ ایسے میں اپنے گھر کے کمزور در و دیوار کے باوجود اتنا یقین ضرور رہتا ہے کہ طوفانی ہوائیں سارے روشندانوں اور سارے دریچوں کو اڑا دینے کے باوجود گھر کے پھاٹک کا کچھ نہیں بگاڑ پائیں گی۔ ہر طرح کے حالات میں کمزور قومیں بھی اپنے اندر کچھ دفاعی لائنیں بنائے رکھتی ہیں اور بے بس لوگ بھی کسی نہ کسی موڑ پر کھڑے ہو کر پورے اعتماد سے سینہ پھلا کر کہتے ہیں کہ ''بس! اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا'' اس خود اعتمادی کے پیچھے ہتھیار کی طاقت سے کہیں زیادہ غیرت وحمیت، عزت نفس اور قومی خودداری کا وہ جوہر ہوتا ہے جو افراد کو یقین و اعتماد کی قوت عطا کرتا ہے۔ انہیں کامل بھروسہ ہوتا ہے کہ بڑے فیصلوں پر قادر قوتیں سب کچھ کر سکتی ہیں لیکن فلاں لکیر سے پیچھے ہٹنے یا فلاں مطالبے کے سامنے سپر انداز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن جب ہر کھونٹا اکھڑ جائے اور ہر مورچہ تاراج ہو جائے تو چودہ کروڑ افراد بھی صحرا میں کھڑے چودہ کروڑ بے برگ و بار، ٹنڈ منڈ پیڑوں کی طرح تیز دھوپ میں سلگنے اور چٹخنے رہنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔

امریکی کولیشن کا حصہ بن کر دہشت گردی کی عالمی مہم کا دست و بازو بننا یقیناً قرین مصلحت تھا لیکن قوم کے ایک بڑے حصے کو یقین تھا کہ پاکستان، طالبان کے افغانستان کے خلاف کسی غارت گری کا موثر آلہ نہیں بنے گا۔ جب ایسا ہو گیا تو پھر بہت کچھ ہوتا چلا گیا۔ کسے یقین تھا کہ پاکستان کے ہوائی اڈے امریکہ کی تحویل میں ہوں گے اور اس کے رنگا رنگ طیارے ان اڈوں کی زینت

Marfat.com

بنیں گے؟ کون یہ تصور کرسکتا تھا کہ اس کے جاسوسی سیارے ہماری فضاؤں میں گردش کریں گے؟ کون یہ کہہ سکتا تھا کہ ہماری انٹیلی جنس تک ان کی رسائی ہوگی؟ کس کی پرواز تخیل اس بلندی تک جاسکتی تھی کہ قومی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہزاروں غیر ملکی فوجی ہماری سرزمین پر خیمہ زن ہوں گے؟ کس کو یہ گمان بھی تھا کہ ہمارے ایٹمی پروگرام کی تعمیر کرنے والے سائنس دان مجرموں کی طرح تفتیشی مراحل سے گزر رہے ہوں گے؟ کون باور کرسکتا تھا کہ ہم ہر اس تنظیم، ادارے اور فرد کے اکاؤنٹس فی الفور منجمد کردیں گے جس کا حکم واشنگٹن سے آئے گا؟ کون یہ قیاس آرائی کرسکتا تھا کہ ہم افغانستان میں جانیں دینے والے پاکستانیوں کی لاشیں تک وصول نہیں کریں گے؟ کون یہ بات سوچ سکتا تھا کہ عالمی نیلام گھر میں پاکستانی قیدیوں کی بولی لگتی رہے گی اور ہم خاموش رہیں گے؟ کون کہہ سکتا تھا کہ ہمارے لئے افغانستان میں سفارت خانہ کھولنا بھی مشکل ہو جائے گا؟ کون یہ پیشین گوئی کرسکتا تھا کہ ملا عبدالسلام ضعیف کو پاکستان میں پناہ نہیں ملے گی؟

یہ سب کچھ پچھلے پونے چار ماہ میں ہو گیا۔ کئی ہری بھری کھیتیاں اجڑ گئیں لیکن دل کے شاداب گوشوں میں اعتماد کی یہ رمق موجود تھی کہ یہ ذرا دور کا معاملہ ہے لیکن اب تو آگ صحن گلستان تک آپہنچی ہے۔ کشمیر کے چنار اور اسلام آباد کے در ودیوار بہ یک وقت زد میں ہیں۔ معاملہ اس دشمن سے ہے جس کے سامنے سر جھکانے کا تصور ہی جانکنی کی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ یقین کے آئینہ خانے ایک بار پھر کرچی کرچی ہو رہے ہیں۔ اسباب ومحرکات کو جانے دیجئے۔ حقائق یہ ہیں کہ جیش محمد، لشکر طیبہ اور حرکت المجاہدین کے اثاثے منجمد کر دیئے گئے ہیں۔ مولانا مسعود اظہر اور حافظ محمد سعید گرفتار ہو چکے ہیں۔ ان کی تنظیموں کے دفاتر سیل کر دیئے گئے ہیں۔ جہاد فنڈ کے بکسوں کے ڈھیر پولیس کے قدموں میں پڑے ہیں۔ جارج بش سے ٹونی بلیئر اور کوفی عنان سے واجپائی تک سب نے پاکستان کے اقدامات کو مثبت اور خوش آئند قرار دیا ہے۔ جسونت سنگھ نے اسے ''درست سمت کی طرف اچھا قدم'' کہا ہے۔

گزشتہ شام تندیٔ جذبات سے برہمی کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے میرے ایک دوست نے کہا تھا ''بھارت ہمیں کوئی فہرست دینے کی جرأت نہیں کرسکتا اور پاکستان کی طرف سے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ ایسی کسی فہرست پر کوئی رسمی کارروائی بھی کرے۔''

سرکاری ترجمان نے تصدیق کر دی ہے کہ فہرست آ چکی ہے اور ثبوت ملنے کے بعد

Marfat.com

مزید کارروائی کا فیصلہ کیا جائے گا۔ وزیر خارجہ عبدالستار نے کھٹمنڈو میں اعلان کیا ہے کہ ''سارک معاہدے کے تحت قانونی تقاضے پورے کئے گئے تو مطلوب افراد بھارت کے حوالے کئے جا سکتے ہیں'' گمان ہے کہ آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے اس بیان کی کوئی وضاحت، کوئی تردید نما تشریح یا اس نوع کی کوئی رسمی شے سامنے آ جائے گی۔ لیکن یقین کی فصیل میں اتنی دراڑیں آ چکی ہیں کہ کوئی واقعہ، کوئی سانحہ اور کوئی المیہ، حد گماں سے پرے دکھائی نہیں دیتا۔

آج صبح، کل شام والے برہم دوست سے ملاقات ہوئی تو اس کا چہرہ خزاں رسیدہ پتے کی طرح زرد تھا۔ میں نے اسے کوئی طعنہ نہیں دیا۔ کوئی کچوکا نہیں لگایا لیکن جونہی میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

میں نے اسے کل ہی بتا دیا تھا کہ پہاڑ کی چوٹی سے اگر کوئی قدم اٹھا لیا جائے تو اگلے قدم خود بخود اٹھتے چلے جاتے ہیں۔

[03-01-2002]

Marfat.com

دباؤ اور قوت مدافعت

تقسیم ہند کے تاریخ ساز لمحات میں جنوبی ایشیا کو مسئلہ کشمیر کا تحفہ پیش کرنے والی سلطنت برطانیہ کے عالی مقام وزیر اعظم، صلح صفائی کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔

پاک بھارت کشیدگی کی موجودہ فضا میں امریکہ سمیت کم و بیش دنیا بھر کے سارے اہم ممالک نے عجیب و غریب رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ تاثر یہ دیا جا رہا ہے جیسے سارا قصور پاکستان کا ہے جو دہشت گردی کو ہوا دینے اور جنگ کے شعلے بھڑکانے میں مصروف ہے۔ بھارت جو کچھ بھی کر رہا ہے وہ پاکستان کے پیدا کردہ محرکات کا فطری ردعمل ہے بلکہ اس میں مجبوری کا عنصر بھی شامل ہے۔ ساری غضبناک نگاہوں کا مرکز پاکستان۔ امن، شانتی اور ماحول کو سازگار بنانے کا سارا بوجھ پاکستان کے کندھوں پر، بھارت کی خوشنودیِ خاطر کے لئے اپنے اصولی موقف کی تراش خراش کرنے کا ناروا مطالبہ پاکستان سے۔ طالبان کو سپرد خاک کرنے کے بعد مجاہدین کشمیر کی تجہیز و تکفین کی نامطلوب خواہش پاکستان سے۔ جارحیت کے عریاں مظاہرے کے سامنے محض حفاظتی اقدامات کرنے پر بھی صبر و تحمل کی تلقین پاکستان کو۔ اور وہ جو جنوبی ایشیا کا ''امریکہ'' بننے کے زعم میں مبتلا پاکستان کے وجود کو نابود کرنے کے جنون میں ہلکان ہوا جا رہا ہے۔ کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں کہ تمہاری آنکھوں سے شعلے کیوں برس رہے ہیں؟ دنیا کے اسی رویئے سے بھارت کو شہ مل رہی ہے اور وہ آپے سے باہر ہوا جا رہا ہے۔

برطانیہ کے وزیر خارجہ نے حافظ محمد سعید اور دیگر کارکنوں کی گرفتاری کا خیر مقدم کرتے ہوئے ہمارے وزیر خارجہ سے کہا ہے کہ ''برطانیہ جہادی گروپوں کے خلاف اٹھائے جانے والے پاکستانی اقدامات کا خیر مقدم کرتا ہے اور اس حوالے سے مزید اقدامات کی حوصلہ افزائی کے علاوہ زور دیتا ہے کہ پاکستان بھارت کے ساتھ مذاکرات کرے۔''

Marfat.com

تازہ تازہ نوبل امن پرائز حاصل کرنے والے کوفی عنان فرماتے ہیں "ہم پاکستانی حکام کی جانب سے اب تک اٹھائے گئے اقدامات کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اس طرح کے اقدامات خطے میں کشیدگی کم کرنے میں مدد دیں گے۔"

جارج بش کے تمام تر بیانات کا ہدف صرف صدر مشرف ہیں۔ دباؤ ڈالنے کے سارے حربے صرف انہی پر آزمائے جا رہے ہیں۔ کسی بھی ٹھوس ثبوت کے بغیر انہوں نے جیش محمد اور لشکر طیبہ کو بھارتی پارلیمنٹ پر حملے کا مجرم قرار دے ڈالا ہے۔ وہ ایسا کرخت اور کھردرا لب ولہجہ اختیار کر رہے ہیں جسے تلقین کے بجائے تنبیہ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ٹیکساس میں صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا "یہ مثبت بات ہے کہ پاکستانی صدر دہشت گردوں کے خلاف کریک ڈاؤن کر رہے ہیں۔ میں وزیراعظم واجپائی کے جذبات سمجھ سکتا ہوں۔ اگر کوئی بھارتی پارلیمنٹ کی طرح امریکی کانگرس پر حملہ کرے تو مجھے بھی اتنا ہی غصہ آئے گا۔ صدر مشرف، حافظ محمد سعید سے پہلے جیش محمد کے لیڈر کو بھی گرفتار کر چکے ہیں اور ہم صدر کے ان اقدامات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔" قدر کی یہ نگاہیں شرق و غرب سے امڈی چلی آ رہی ہیں اور ہم پر مسلسل تحسین و آفرین کے لالہ وگل برسا رہی ہیں۔ بھارت دنیا کے اس رویئے کو اپنی سفارتی کامیابی سے تعبیر کرتے ہوئے اپنے اسلوب کی تلخی اور لہجے کی زہرناکی میں پیہم اضافہ کر رہا ہے۔ کھٹمنڈو روانہ ہونے سے ایک دن قبل آتشیں ماحول کی حدت کو "کم" کرنے کے لئے بھارتی وزیراعظم واجپائی نے آریہ سماج کی ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "بھارت دہشت گردی کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے تیار ہے۔ پاکستان بھی اسی انجام سے دوچار ہوگا جس انجام سے افغانستان دوچار ہو چکا ہے۔"

آخر عالمی دباؤ کا سیلاب بلا صرف اسلام آباد ہی کی طرف کیوں بڑھا چلا آ رہا ہے؟ دنیا ہماری نرم گفتاری، ہماری مصلحت آمیزی، ہماری ملائمت، ہماری امن پسندی اور ہماری صلح جوئی کو کیا معنی پہنا رہی ہے؟ شاید یہ تاثر قوی ہو گیا ہے کہ ہم مضبوطی سے زمین پر پاؤں جما کر کھڑے رہنے اور تیز ہواؤں کے سامنے اپنے اصولی موقف پر ڈٹے رہنے کا عزم و حوصلہ کھو بیٹھے ہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو ہمارے حالیہ اقدامات کو گریز پائی بلکہ پسپائی پر محمول کیا جا رہا ہے۔ بیرونی ذرائع ابلاغ اس پہلو کو بھی نمایاں کر رہے ہیں کہ بھارت کو رعائتیں دینے کا پاکستان میں اتنا ردعمل بھی نہیں ہوا

Marfat.com

جتنا طالبان کے خلاف کارروائی کا فیصلہ کرتے وقت ہوا تھا۔ اس سے یہ مفہوم نکالا جا رہا ہے کہ پاکستانی عوام بھی شاید یہی کچھ چاہتے ہیں۔

اس سوال کا جواب بہر حال تلاش کرنا ہوگا کہ بیرونی دباؤ کے سامنے ہماری قوت مدافعت کمزور کیوں پڑ گئی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ داخلی محاذ کا فاتحانہ پن، حکومت کے لئے خارجی محاذ پر سب سے بڑی کمزوری بن چکا ہو؟ سیاسی حکومتیں خارجی دباؤ سے معاملہ کرتے وقت درجنوں جواز پیدا کر لیتی ہیں۔ داخلی محاذ پر مورچہ زن قوتیں، انہیں کم از کم حیلہ سازی کا موقع ضرور فراہم کر دیتی ہیں۔ عوام کا دباؤ، پارلیمنٹ کا دباؤ، مخالف سیاسی قوتوں کا دباؤ، مستحکم قومی اداروں کا دباؤ، میڈیا کا دباؤ، فوج کا دباؤ، یہ ڈھیر سارے داخلی دباؤ، خارجی دباؤ کی منہ زور یلغار کے سامنے حکومتوں کا موثر دفاعی ہتھیار بن جاتے ہیں۔ وہ رعائتیں دیتے وقت بھی لڑھکنے کے بجائے زینہ زینہ نیچے اترتی ہیں۔ داخلی قوتوں کے سامنے اپنی کمزوری کا احساس اور بطور ہتھیار اس کمزوری کا اظہار انہیں خارجی پریشر برداشت کرنے کی صلاحیت اور بہتر سودا بازی سے بہرہ مند کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس جوابدہی کے احساس سے بے نیاز، ہر نوع کے داخلی دباؤ سے آزاد اور اپنے آپ کو ناقابل تسخیر حد تک قوی سمجھنے والی حکومتوں کے پاس کوئی ایک بھی ایسی دلیل باقی نہیں رہتی جو خارجی دباؤ کے سامنے ان کا دفاعی ہتھیار بن سکے۔ جسے ڈھال بنا کر وہ دوسروں کی غضبناکی کسی قدر کم کر سکیں۔

[04-01-2002]

Marfat.com

جرم ضعیفی

ایک محترم قاری نے مجھ سے عجب مطالبہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں ''میری آپ سے گزارش ہے کہ یا تو آپ ''نوائے وقت'' میں لکھنا چھوڑ دیں یا پھر مجھے کوئی ایسا اخبار بتائیں جو ''نوائے وقت'' جیسا ہو۔ مجھے کوئی دوسرا ''نوائے وقت'' نہیں ملے گا مگر آپ کو بہت سے اخبار مل جائیں گے۔ کسی زمانہ میں ''زمیندار'' پڑھتا تھا پھر اب عرصہ دراز سے ''نوائے وقت'' پڑھ رہا ہوں۔ میری آپ سے گزارش کا سبب یہ ہے کہ افغانستان اور عالم اسلام کے حالات پر آپ جو کچھ لکھ رہے ہیں، وہ پڑھ پڑھ کر اتنا رو چکا ہوں کہ اب میری بوڑھی اور کمزور آنکھوں میں رونے کی سکت ہے نہ آنسو۔ ''زمیندار'' کے حوالے سے آپ کو میری عمر کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ طالبان کے دور میں آپ کے دورہ افغانستان کے واقعات اور موجودہ دور میں شمالی اتحاد اور کولیشن کے کرتوت پڑھ کر کوئی سنگدل بھی اپنے آنسوؤں پر ضبط نہیں کر سکتا۔ ملا عمر کے قندھار چھوڑنے کا نقشہ ''مرد جری'' میں جو آپ نے کھینچا ہے، اسے پڑھ کر ایسی کیفیت طاری رہی کہ قلم کی زبان سے بیان نہیں کر سکتا۔ 16 ردسمبر کا ''عید مبارک'' رہی سہی کسر پوری کر گیا اور میں آپ سے یہ درخواست کرنے پر مجبور ہو گیا۔ صدیقی صاحب! یہ کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ افغانستان کے بعد (خاکم بدہن) پاکستان پر بھی آپ کو ایسے ہی کالم نہ لکھنے پڑ جائیں۔ اس وقت ابتلاء کا دور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کے گناہ معاف فرمائیں۔''

میرے پاس اسی نفس مضمون کے سینکڑوں خطوط کا ایک انبار جمع ہو گیا ہے۔ ان کے علاوہ ای میل اور ٹیلی فون پر رابطہ کرنے والے احباب بھی اسی سے ملتے جلتے جذبات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ میں شعوری کوشش کرتا ہوں کہ دل کی شریانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے وقت ''اوپن ہارٹ سرجری'' سے گریز کروں لیکن کانپتے ہاتھوں کی گرفت میں نہ آنے والا نشتر بے قابو ہو کر خود

Marfat.com

ہی اپنا راستہ بنانے لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ چمن کی ویرانی سے پہلو بچا کر کسی ایسی پگڈنڈی کی طرف نکل جاؤں جس میں لالہ وگل نہ سہی، گھاس کی کچھ ہری پتیاں ہی نظر آ جائیں لیکن آنکھیں سنگریزوں کی چبھن سے سلگنے لگتی ہیں تو قلم شگوفے کھلانا بھول جاتا ہے۔

حادثے، سانحے اور المیے ایک سے نہیں ہوتے۔ بعض ناگہانی افتاد کی طرح یکلخت آن گھیرتے ہیں اور آتش فشاں کا لاوا سنبھلنے ہی نہیں دیتا۔ بعض دستک دے کر داخل ہوتے ہیں۔ بعض کے قدموں کی چاپ برسوں پہلے سے سنائی دینے لگی ہے۔ ناگہانی افتاد کا زخم بڑا کاری ہوتا ہے لیکن اس کا ''اچانک پن'' ہی اس کا مرہم بن جاتا ہے۔ سنبھلنے کا محدود وقت دینے والے عذاب بھی کسی حد تک قابل برداشت ہو جاتے ہیں لیکن برسوں سے سنائی دینے والی آہٹیں اور سالہا سال پر پھیلے خدشات بھی مزاحمت کا جذبہ اور مدافعت کا احساس بیدار نہ کر پائیں تو حساس دلوں کی دھڑکنوں کا غیر متوازن اور آنکھوں کا بے خواب ہونا یقینی ہے۔ یہ کرب اس وقت اور بھی ناقابل برداشت ہو جاتا ہے جب ناسازگار موسموں کے سامنے دیوار کھڑی کرنے کی سبیل نکالنے کے بجائے چمن بندی کے ذمہ داروں پر رضا کارانہ خود سپردگی کی کیفیت طاری ہو جائے اور وہ طوفان کو بھی اپنی حکمت کاری کا شاہکار سمجھ کر دستِ قاتل کو دستِ مسیحا سمجھنے لگیں۔ اذیت اور بھی اعصاب کش ہونے لگتی ہے جب پاکستان کی روحِ تخلیق میں رچی بسی قدریں، روایتیں، مروتیں، محبتیں اور چاہتیں بھی خس وخاشاک کی طرح آگ میں جھونک دی جائیں اور سب کچھ بدلا بدلا سا نظر آنے لگے۔

آج میں اندوہ کی کسی کہانی سے گریز کا پختہ ارادہ کئے بیٹھا تھا لیکن ایک سادہ ومعصوم سی خبر نے سب کچھ درہم برہم کر دیا۔ خبر یہ ہے کہ ''پاکستان میں افغانستان کے سابق سفیر ملا عبدالسلام ضعیف کو گرفتار کر کے پشاور پہنچا دیا گیا ہے۔ انہیں گزشتہ روز اسلام آباد میں ان کی رہائش گاہ سے گرفتار کیا گیا۔ مقامی پولیس، انتظامیہ کے افسروں اور اہلکاروں کی بھاری نفری نے ان کے گھر پہ چھاپہ مارا۔ ان کے اہل خانہ نے بی بی سی کو بتایا کہ ملا ضعیف کو چلتے وقت اپنا موبائل فون ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی گئی لیکن اب تک انہوں نے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ اہل خانہ کے مطابق سرکاری اہلکار بدھ کو بھی آئے تھے اور کہا تھا کہ ملا ضعیف تین گھنٹے کے اندر اندر پاکستان چھوڑ کر افغانستان چلے جائیں۔ سفارتی ذرائع کے مطابق اقوام متحدہ کے کمشن برائے مہاجرین (یو این

Marfat.com

ایچ سی آر) نے بھی ملا ضعیف کو افغان مہاجر کے طور پر پاکستان میں قیام کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے۔ دریں اثناء یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ملا ضعیف کی طرف سے ''سیاسی پناہ'' کی درخواست پر حکومت پاکستان نے کیا حتمی فیصلہ کیا ہے۔''

میرا ملا عبدالسلام ضعیف سے کوئی رسمی تعلق ہے نہ رشتہ نہ دوستی نہ میل جول۔ میں نے اس کے بارے میں کوئی حکم بھی صادر نہیں کیا۔ لیکن خبر پڑھنے کے بعد سے میرا دل اس ناکردہ گناہ کی اذیت سے پھٹا جا رہا ہے۔ گردن ندامت کے بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی ہے۔ سوچوں کا ایک گرداب ہے کہ میرے اعصاب کو آہنی شکنجے میں کس رہا ہے۔ وہ سادہ و درویش، فقیر منش سا شخص شاید افغانستان دھکیلا جا چکا ہو۔ شاید شمالی اتحاد کے منچلے لشکری اس کی ڈاڑھی سے کھیل رہے ہوں۔ ممکن ہے وہ پشاور ہی کے کسی عقوبت خانے میں ایف بی آئی کے چرکے کھا رہا ہو۔ ممکن ہے اسے صرف ''انڈرویئر'' پہنا کر کیوبا جانے والے کسی جہاز میں پھینک دیا گیا ہو۔ کچھ بھی ہو، وہ میرا کیا لگتا ہے؟ لیکن نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے ٹھٹھرتی رات کے آخری پہر، تیز بارش اور برفباری کے دوران اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا ہو۔ ایک عجیب سا نفسیاتی روگ مجھے قطعی لاتعلق سے مسئلے میں الجھا رہا ہے۔ میں اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ رہا کہ جو ملّا بھی ہو، ضعیف بھی ہو، عبدالسلام جیسا اسلامی لاحقہ اس کے نام کا حصہ بھی ہو، جس کے کندھے پر چادر، سر پر پگڑی اور چہرے پر ڈاڑھی آراستہ ہو، وہ کسی بھی بھٹی کا ایندھن بن سکتا ہے۔ جرم ضعیفی بہرحال مرگ مفاجات کی سزا پاتا ہے۔

میں اپنے بزرگ قاری اور بہت سے دوسرے کرم فرماؤں سے معذرت چاہتے ہوئے التجا کروں گا کہ وہ فولاد کے دلوں اور پتھر کی آنکھوں کا اہتمام کر رکھیں۔ ابھی عشق کے کئی امتحان باقی ہیں۔ وہ کس کس کی جلاوطنی پر آنسو بہائیں اور کس کس کی جواں مرگی کا ماتم کریں گے؟

[05-01-2002]

Marfat.com

پاکستانیت

جب احوال و معاملات مستقلاً ایک ہی رنگ روپ اختیار کرلیں اور واقعات ایک ہی انداز سے ظہور پذیر ہونے لگیں تو ”تکرار“ سے گریز مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک ہی طرح کے مسائل پر ایک ہی طرح کے تبصروں سے پہلو بچانے کی شعوری کوشش کے باوجود کچھ دائروں سے باہر نکلنا ممکن نہیں رہتا۔

برادرم عباس اطہر نے گزشتہ روز امریکہ میں قید پاکستانیوں کا ذکر کیا ہے جو اپنی جیبوں میں سبز رنگ کا پاکستانی پاسپورٹ رکھنے کے باوجود بے ننگ و نام اجنبیوں کی طرح زندان خانوں میں بند ہیں یا تھانوں میں پیشیاں بھگت رہے ہیں۔ کئی ایک کی افسوسناک کہانیاں اخباروں کی زینت بن چکی ہیں۔ زیرعتاب پاکستانیوں کی صحیح تعداد اب تک معلوم نہیں ہوسکی۔ پاکستانی سفارت خانے کے ذرائع کا کہنا ہے کہ ”11 رستمبر کے بعد سے اب تک دوسو پاکستانی قید ہیں۔“ حیرت ہے کہ ان کے مکمل کوائف کا بھی علم نہیں ہوسکا۔ ان میں سے کم وبیش چالیس، گیارہ ستمبر کے واقعات کے حوالے سے زیرحراست ہیں۔ ڈیڑھ سو سے زائد امیگریشن کی الجھنوں کا شکار ہیں۔ ایک انیس سالہ نوعمر پاکستانی صرف اس لئے جیل میں سڑ رہا ہے کہ اس نے ایک ایسے دفتر کی فیکس مشین استعمال کی تھی، جسے 11 رستمبر کے حملوں کا ایک ملزم محمد عطا بھی استعمال کرتا رہا تھا۔ کئی دن حراست میں رہنے اور اذیتیں سہنے والے تین پاکستانی رہائی پاتے ہی وطن واپس آ گئے ہیں۔ درجنوں خاندان خوف و ہراس کی عمومی فضا اور امریکیوں کے غیرانسانی رویوں سے تنگ آکر پاکستان کی راہ لے رہے ہیں۔ ایف بی آئی جن پانچ ہزار مسلمانوں کو تفتیشی مراحل سے گزار کر اذن رہائی دے چکی ہے ان میں بھی ایک بڑی تعداد پاکستانیوں کی تھی۔

آج ایک اور اذیت ناک خبر کھٹمنڈو سے آئی ہے جہاں ایک پاکستانی سفارت کار سراج احمد

Marfat.com

سراج کو گرفتار کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔جعلی کرنسی کے کسی نام نہاد کیس کا بہانہ بنا کر سراج کی گرفتاری اور تشدد کا یہ واقعہ عین اس دن پیش آیا جس دن سارک ممالک کے تمام سربراہ صدر پرویز مشرف سمیت کھٹمنڈو میں موجود تھے۔ نیپال کی طرف سے رسمی معافی تلافی کے باوجود یہ سوال اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ پاکستان کے ایک معزز سفارت کار کو بھرے میلے میں تماشا بنانے کا مکروہ خیال کس دماغ سے پھوٹا اور عالمی میڈیا کے سامنے پاکستان کی رسوائی کا سوانگ رچانے کا حوصلہ کس نے کیا؟

اس سے قبل بھارت ایک پاکستانی سفارت کار کو تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد ملک چھوڑنے کا حکم دے چکا ہے اور پاکستانی ہائی کمشنر کی حرکات وسکنات پر ناروا پابندیاں لگا کر مسلسل تذلیل کر رہا ہے۔ادھر افغانستان میں ہزاروں پاکستانی الیوں کی چتا میں جل رہے ہیں۔ یہ بحث بے محل ہے کہ وہ کس سے پوچھ کر وہاں گئے تھے؟ ان کے ذہنوں میں جہاد کا تصور کس نے راسخ کیا اور ان کے دلوں میں کٹ مرنے کی امنگ کس نے بیدار کی؟ بنیادی حقیقت یہ ہے کہ وہ پاکستانی ہیں۔وہ اس نظریئے کے وارث ہیں جو پاکستان کی روحِ تخلیق ہے اور اس مٹی کے فرزند ہیں جس میں ایسے ہی سرپھروں کے لہو کی مہک رچی بسی ہے۔ان کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا گیا اور مسلسل ہو رہا ہے، اس کے تذکرے سے بھی جگر خون ہوتا ہے۔ان کی راہ دیکھتی ماؤں کی آنکھیں تیزی سے بے نور ہو رہی ہیں۔ان کے باپ، سالوں کا سفر مہینوں اور دنوں میں طے کرتے بڑھاپے کی منزلوں سے گزرتے، موت کی دہلیز تک آن پہنچے ہیں۔ان کی بہنیں، بیویاں اور ان کے بچے، مسلسل آزار کی صلیب پر لٹکے ہوئے ہیں۔افغانستان جانے والے پاکستانیوں نے یقیناً اسے اپنی غیرت کے لئے ایک چیلنج سمجھا ہوگا کہ امریکہ، برطانیہ، فرانس، آسٹریلیا، چین، چیچنیا، بنگلہ دیش، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، عراق، لبنان اور شام کے مسلمان، افغانستان تک آن پہنچے ہیں تو وہ پڑوس کی اس آگ سے کیسے لاتعلق رہیں؟ مان لیجئے کہ وہ غلطی پر تھے کہ انہوں نے وقت کی آواز پر کان دھرنے اور اسے سمجھنے میں ٹھوکر کھائی۔ وہ بھول گئے کہ زندگی جیسی نعمت کو ایک ''لاحاصل جنوں'' کی نذر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ''سب سے پہلے پاکستان'' کی افادیت کو سمجھے بغیر ایمان اور یقین کی پکار پر لبیک کہہ اٹھے۔ان ڈھیر سارے گناہوں کے باوجود وہ پاکستانی ہیں۔دشت ظلمت میں بے چارگی کی موت مر جانے والوں کی میتیں تو اپنے دیس آنے دیجئے۔ جو اس قیامت سے بچ کر زخم زخم

Marfat.com

جسموں کے ساتھ سرحد تک آ گئے ہیں ان پر اپنے پھاٹک تو بند نہ کیجئے۔ انہیں بے شک گرفتار کیجئے اور اسی نوع کے انصاف کی بھٹی میں ڈال دیجئے جس نوع کا انصاف امریکہ نے متعارف کرایا ہے لیکن اپنی مٹی سے دور کی زمینوں پر انہیں بے بسی اور کسمپرسی کی آگ میں تو نہ جھونکئے۔ ''پاکستانیت'' کو رسوا تو نہ ہونے دیجئے۔

امریکی کولیشن کا ساتھ دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم نے چودہ کروڑ پاکستانیوں کو بھی امریکہ کی تحویل میں دے دیا ہے۔ وہ جہاں بھی ہیں، ان کے حقوق کی نگہداشت، ان کی عزت و آبرو کا تحفظ، انہیں دیار غیر میں تماشا گری سے بچانا اور ان کے لئے پوری قوت سے آواز اٹھانا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ خود پاکستان کے اندر غیر ملکی ٹیمیں پاکستانیوں سے باز پرس کرتی پھریں اور بیرون ملک پاکستان کا حوالہ رکھنے والے منہ چھپاتے پھریں تو یہ کسی فرد کی نہیں، ریاست کی کمزوری ہے۔ یہ احساس ہی بڑا اذیت ناک ہے کہ کوئی بھی ملک اور کوئی بھی ادارہ، کسی بھی پاکستانی کے ساتھ جو سلوک چاہے روا رکھ سکتا ہے، اس اطمینان کے ساتھ کہ حکومت پاکستان اپنے کسی شہری کی کسی تذلیل کا کوئی نوٹس نہیں لے گی۔ اتنا کچھ لکھنے کے بعد میں نے بی بی سی پر صدر مشرف کے دوستانہ مصافحے کے جواب میں واجپائی کے ردعمل کا جو منظر دیکھا، وہ اس تاثر کو مزید قوی کر گیا کہ ''پاکستانیت'' جنس ارزاں ہوتی جا رہی ہے۔

[06-01-2002]

Marfat.com

دوستی کا ہاتھ

دوستی کا ہاتھ، دوستی کے جذبے سے تھاما جائے تو کدورتیں مٹانے اور جذبہ اخلاص کے ساتھ ایک نئے عہد بہاراں کی بنیاد ڈالنے کا ذریعہ بن سکتا ہے اور اگر دوستی کے ہاتھ کو گہرے پانیوں میں ڈبکیاں کھاتے دشمن کا ہاتھ سمجھ کر رعونت کے ساتھ جھٹک دیا جائے تو آنے والے وقت کی وحشتیں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں۔

صدر مشرف نے یقیناً نیک توقعات اور اچھی تمناؤں کے ساتھ پیش قدمی کا ایک مشکل فیصلہ کیا۔ اس طرح کے مصافحے کسی وقتی ابال یا ہنگامی جذباتی رو کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ ان کے پیچھے غور و فکر اور حکمت و مصلحت کا ایک مکمل دفتر ہوتا ہے۔ کسی ملک کے سربراہ کا ہاتھ، ایک شخص کا نہیں، ایک آزاد خود مختار اور غیرت مند قوم کا ہاتھ ہوتا ہے اور اس ''ہاتھ'' سے معاملہ کرتے وقت یہ پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ اس کے اثرات و نتائج کیا ہوں گے۔ بھارتی وزیر اعظم واجپائی کے مشہور دورہ لاہور سے قبل میاں نواز شریف نے کابینہ کے سینئر رفقاء کا اجلاس بلا کر ان کے سامنے یہ سوال رکھا تھا کہ جناب واجپائی کے انداز استقبال کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ گھنٹوں کی بحث کے بعد طے پایا تھا کہ جب واجپائی بس سے اتریں گے تو نواز شریف آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملائیں گے۔ ''جپھی'' ڈالنے کے تصور کو مسترد کر دیا گیا تھا۔ واجپائی بس سے اترے تو دونوں بازو پھیلا کر ''جپھی'' ڈالنے کے انداز میں آگے بڑھے نواز شریف نے طے شدہ پلان کے مطابق ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ گرمجوشی سے مصافحہ ہوا۔ نواز شریف مصافحے سے فارغ ہو کر معزز مہمان کا تعارف، پہلو میں کھڑے ایک سینئر پاکستانی عہدیدار سے کرانے لگے تو واجپائی نے موقع غنیمت جانتے ہوئے جپھی ڈال لی۔ آج بھی اگر اس ''ویڈیو'' کو دیکھا جائے تو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ جس طرح نواز شریف صرف مصافحہ کرنے کا فیصلہ لے کر آئے تھے اسی طرح واجپائی نے بھی جپھی ڈالنے

Marfat.com

کے مینڈیٹ کے ساتھ سرزمین پاکستان پر قدم رکھا تھا۔

اس اعتبار سے صدر مشرف کے مصافحے کو بھی پاکستان کی سوچی سمجھی حکمت عملی سے تعبیر کرنا چاہئے جس کا مقصد بھارت کو یہ پیغام دینا تھا کہ پاکستان کشیدگی کے موجودہ ماحول میں بھی معاملات کو باہمی مذاکرات اور اچھے جذبے کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ صدر مشرف نے مصافحہ سے قبل اپنی تقریر میں کہا کہ ''میں بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کی طرف مخلصانہ اور حقیقی دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ آیئے مل کر جنوبی ایشیاء میں امن، ہم آہنگی اور ترقی کا سفر شروع کریں۔''

صدر مشرف کی پیش رفت پر وزیراعظم واجپائی نے جس بوجھل دل اور سپاٹ چہرے کے ساتھ ہاتھ آگے بڑھایا وہ پوری کہانی بیان کر رہا ہے۔ یہ کہانی صدیوں پرانی ہے اور جنوبی ایشیاء کی سرزمین اس کہانی کے سارے کرداروں اور سارے منظروں سے اچھی طرح واقف ہے۔ سابق صدر جناب محمد رفیق تارڑ بیرون ملک سے آنے والے معزز مہمانوں سے ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ''ہندو کی ذہنیت کو صرف برصغیر کا مسلمان ہی سمجھتا ہے'' وہ یہ جملہ بھی اکثر دہراتے تھے کہ ''ہندو برہمن بہترین ماتحت اور بدترین حکمران ہے'' بھارت اور ہندو کے بارے میں قائم کی گئی یہ رائے صدیوں پر محیط تجربے کا نچوڑ ہے اور سارک کانفرنس نے ایک بار پھر اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ صرف طاقت کی زبان سمجھنے والے بھارت سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ وہ ہمارے جذبہ خیر سگالی کا کوئی مثبت جواب دے گا۔ امریکہ نے طاقت اور رعونت کے جس مہلک منشور کو رواج دیا ہے وہ ہندو کی نفسیات سے گہری قربت رکھتا ہے۔ بھارتی قیادت یہ تہیہ کئے بیٹھی ہے کہ وہ اس بہار آفریں موسم کو بے ثمر نہیں جانے دے گی۔ عالمی طاقتیں ہماری ''کولیشن نوازی'' کو کتنا ہی کیوں نہ سراہیں، کیسے کیسے مرصع الفاظ میں خراج تحسین کیوں نہ پیش کریں، ان کے دلوں میں اسلام اور پاکستان کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں۔ القاعدہ اور طالبان قیدی یا ملا ضعیف جیسے قیمتی تحائف وصول کرنے پر امریکہ ہمیں شاباش تو ضرور دے سکتا ہے لیکن اپنے وسیع تر مفادات اور دوررس مقاصد کے لئے بھارت کی خفگی مول نہیں لے سکتا۔ یہ بات طے ہے کہ دینی جماعتوں کو غیر موثر کرنے، جہادی تنظیموں کی گردن دبوچنے، اسلام کے حرکی تصور کے خاتمے اور ایٹمی صلاحیت کو لگام ڈالنے کے حوالے سے بھارت اسرائیل، امریکہ، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک کی سوچ ایک ہے۔ ان

Marfat.com

کے نقشے میں صرف ایسا پاکستان ہی فٹ آتا ہے جو مکمل طور پر بے بال و پر ہو کر جنوبی ایشیاء میں امریکی عزائم کا کارندہ بن کر موجود رہے۔ اسی ہزار کشمیریوں کے قاتل کا ہاتھ تھام لینے کے باوجود ہم عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار نہیں کر سکتے اور تمام تر سفارتی اخلاقیات کو ٹھکرا کر بھی بھارت ٹونی بلیئر کی نظر میں سلامتی کونسل کی رکنیت کا ''اہل ترین'' امیدوار ہے۔

فوج اور سیاست یکجا ہو جائیں...... دفاع وطن اور سیاسی مصلحت آمیزی کے تقاضے ایک ہی ادارے کے سر آپڑیں، جنگ کی تیاری اور جنگ سے گریز کی حکمت کاری ایک ہی فیصلہ ساز قوت کو کرنا پڑے تو بعض قباحتوں کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ صدر مشرف کے اخلاص نیت میں کلام نہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ سفارتی مصلحتیں، تعلقات عامہ کی نزاکتیں اور بین الاقوامی رائے عامہ کی حکمتیں سیاسی عناصر ہی کو زیب دیتی ہیں۔ ان کے مصافحے اور ان کی چھپیاں معنی و مفہوم کی سو سو پرتیں رکھتی ہیں۔ سرحدوں کے پاسبان ہاتھ ملاتے نہیں، پنجہ لڑاتے ہی اچھے لگتے ہیں۔

[07-01-2002]

Marfat.com

تماش بینوں کی بھیڑ

پاکستان قدم رنجہ فرمانے سے ایک دن قبل برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر نے اٹل بہاری واجپائی کے ساتھ ایک اعلامیے پر دستخط ثبت فرمائے ہیں جو کہتا ہے کہ "ہم دہشت گردی سے تعاون کرنے والوں کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ دہشت گردوں کو مالی وسائل فراہم کرنے، انہیں تربیت دینے اور ان کی مدد کرنے والے، دہشت گردی کے جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو ہر قیمت پر انصاف کے حوالے کیا جانا چاہئے۔"

نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ٹونی بلیئر نے کہا "جو کچھ کیا جانا چاہئے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ دہشت گردی کی کارروائیاں، چاہے وہ کسی بھی نوعیت کی اور کسی بھی شکل میں ہوں مکمل طور پر ختم کی جانی چاہئیں۔ اس معاملے میں ادھورے اقدامات کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب ایک مرتبہ یہ بات واضح ہوگئی کہ واقعی دہشت گردی کا قلع قمع کر دیا گیا ہے تو مجھے یقین ہے کہ بھارت بامعنی مذاکرات کے لئے تیار ہوگا۔" اس سے تین دن پہلے بنگلہ دیش کے دورے کے لئے ڈھاکہ ایئرپورٹ پر قدم رکھتے ہی ٹونی بلیئر صاحب نے فرمایا "جی ہاں! ہم پاکستان سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ دہشت گردوں کے خلاف موثر کارروائی کرے اور بھارت سے اس بات کے خواہش مند ہیں کہ وہ جس حد تک بھی ممکن ہو کشیدگی میں کمی لائے۔" امریکی وزیر خارجہ کولن پاول، بی بی سی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں "ہمارے خیال میں پاکستان اور بھارت کے درمیان حالیہ بحران کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ پاکستان کو دہشت گرد تنظیموں کے خلاف کارروائی کے لئے کہا جائے۔ صدر مشرف پہلے ہی یہ کام کر رہے ہیں لیکن وہ اس سے زیادہ بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ مزید اقدامات کریں گے۔"

مقتدر عالمی لیڈروں کے یہ بیانات اس امر کا ثبوت ہیں کہ ساری قربانیوں، بھرپور جذبہ

Marfat.com

ایثار، تمام تر وفا کیشی، اور کمال درجے کی اطاعت گزاری کے باوجود ہم دشت تنہائی میں بے یار و مددگار کھڑے ہیں۔ اب ہمیں اپنی حکمت عملی ترتیب دیتے وقت اپنے ''اکیلے پن'' کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ماضی میں ہم خود فریبی کے کئی جان لیوا زخم کھا چکے ہیں۔ جب ہمارے وجود کا قلعہ زمین بوس ہو رہا تھا تو فصیلوں پر بیٹھے خوش گمانوں کی نظریں سمندروں کی لامتناعی ویرانیوں میں امریکی بحری بیڑے تلاش کر رہی تھیں۔ موجودہ صورت حال کو بھی صدر مشرف 1971ء کے آشوب سے تشبیہ دے چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دشت بے اماں میں دور دور تک کوئی نخلستان دکھائی نہیں دیتا۔ کشمیر کا معاملہ دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم میں یوں الجھا دیا گیا ہے کہ اصل مسئلے کی ڈور کا سرا مل نہیں رہا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ سارک کانفرنس کے زعماء کی تقریروں، غیر رسمی گفتگوؤں، پریس کانفرنسوں اور اعلامیوں میں کہیں ''کشمیر کا لفظ ڈھونڈ نکالوں'' لیکن ناکام رہا۔

گزشتہ کچھ عرصے سے بھارت مسلسل یہ راگ الاپ رہا ہے کہ جب تک ''سرحد پار سے دہشت گردی'' کا سلسلہ بند نہیں ہو جاتا، پاکستان کے ساتھ مذاکرات نہیں کئے جا سکتے۔ وہ کشمیر کی تحریک حریت کو اس کے تاریخی، سیاسی، نظریاتی اور جغرافیائی پس منظر سے کاٹ کر مسئلے کے حل کے لئے نتیجہ خیز مذاکرات کے بجائے سرحد پار دہشت گردی ختم کرنے کی شرط لگاتا چلا آیا ہے۔ ہمارے لئے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ آج دنیا کی تمام موثر طاقتیں اور ان کی باجگزار ریاستیں بھارتی موقف کی ہمنوا بن چکی ہیں۔ ستم ظریفی دیکھئے کہ بھارت کی سات لاکھ فوج (جو پاکستان کی مجموعی فوج سے بھی زیادہ ہے) پچھلے بارہ سال سے کشمیریوں کا قتل عام کر رہی ہے۔ انسانی حقوق کی پامالی، درندگی کی اتھاہ پستیوں تک آن پہنچی ہے۔ بستیاں قبرستانوں میں بدل گئی ہیں اور اسی ہزار شہداء کی قبریں بربریت کی داستانیں کہہ رہی ہیں۔ بھارت اقوام متحدہ کی قراردادوں کو فرسودہ اور ناکارہ کہہ کر مسترد کر چکا ہے۔ اس کے باوجود وہ ہر خطا اور گناہ سے پاک ہے۔ معصومیت کی ردا اور مظلومیت کی قبا لپیٹے، پاکستان کی طرف انگلی اٹھائے، دہائی دے رہا ہے کہ مجھے اس کی ''دہشت گردی'' سے بچاؤ اور دنیا اس کی دہائی پر لبیک کہتی نہ صرف لپکتی چلی آ رہی ہے بلکہ بھارت کی آواز میں آواز ملا کر ہم سے کہہ رہی ہے۔ ''پہلے دہشت گردی ختم کرو پھر اگلی بات ہوگی۔''

ہمارے پاس دہشت گردی نام کی کوئی شے نہ تھی نہ ہے، لیکن جابر تھانیدار کے خوف سے اپنی

Marfat.com

''محنت مشقت کی کمائی'' اور جان سے زیادہ عزیز اثاثے کو ''مال مسروقہ'' مان کر نہ صرف ایک ناکردہ جرم کا اعتراف کر رہے ہیں بلکہ اپنوں کی نگاہوں میں بے اعتبار اور غیروں کی نظر میں فتنہ شعار قرار پا رہے ہیں۔

''امریکی کولیشن'' کی آغوش کی حرارت اور گداز اپنی جگہ، یہ کہنے میں کیا ہرج ہے کہ ''دنیا کے منصفو! آؤ بھارت کو ہمارے ساتھ بٹھاؤ، بیک وقت دہشت گردی کے خاتمے اور مسئلہ کشمیر کے منصفانہ حل کو ایجنڈے پر لاؤ۔ نہتے کشمیریوں کو مشکیں کس کر سات لاکھ سفاک درندوں کی ''کھرلی'' میں ڈال دینے کے بعد کون سا مسئلہ کشمیر اور کہاں کے مذاکرات؟ کشمیر میں جذبہ حریت کا الاؤ ایک بار ٹھنڈا پڑ گیا تو راکھ کے ڈھیر سے کوئی چنگاری تلاش کرنے اور سلگانے میں جانے کتنے برس لگ جائیں۔

لیپا پوتی جاری رہے گی۔ ٹونی بلیئر تحسین وستائش میں کوئی بخل نہیں کریں گے۔ ایک عدد بے ضرر سا اعلامیہ یہاں بھی جاری ہو جائے گا۔ لیکن سچ یہی ہے کہ ہم بھرے میلے کا ساتھ دینے کے باوجود بھرے میلے میں تنہا کھڑے ہیں۔ ہمیں ہر قدم اٹھاتے وقت اپنے وقار اور اپنی دستار کا تحفظ خود کرنا ہوگا۔ میلہ تو بس تماش بینوں کی بھیڑ ہے۔

[08-01-2002]

Marfat.com

پام ہاربر اور مٹا چینا

امریکیوں نے سرکاری طور پر بتایا ہے کہ اس کا القاعدہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اس کا نام بھی مسلمانوں جیسا نہیں تھا۔ اس نے کبھی اسلامی تعلیمات سے آگاہی کی کوشش کی نہ کسی اسلامی مرکز میں گیا۔ طالبان کے فلسفہ فکر سے اس کی آشنائی تک نہ تھی۔ اسامہ بن لادن اور ملا عمر سے اس کا کوئی رابطہ نہ تھا۔ لشکر طیبہ کے حافظ محمد سعید اور جیش محمد کے مسعود اظہر کا نام بھی اس نے نہیں سنا تھا۔ افغانستان میں قائم ''دہشت گردی'' کا کوئی کیمپ اس نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ امریکہ نے جن سینکڑوں تنظیموں اور افراد کے گلے میں دہشت گردی کی تختیاں لٹکا رکھی ہیں، ان میں سے کسی ایک سے اس کا تعارف تک نہ تھا۔

امریکی ریاست فلوریڈا کے قصبے پام ہاربر کا پندرہ سالہ چارلس بشپ، اسلامی بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے مفہوم سے کلی طور پر نابلد تھا۔ ایسٹ لیک ہائی سکول میں نویں جماعت کا یہ ہونہار طالب علم ذہین بھی تھا اور خوبرو بھی۔ وہ کسی بھی اعتبار سے ابنارمل نہ تھا۔ اس کے اساتذہ اور والدین کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی۔ کھیل کود اور ہوابازی کا شوق رکھنے والا یہ نوعمر لڑکا کبھی ایسی صحبت میں نہیں پڑا جو اس کے بڑوں کے لئے باعث تشویش ہوتی۔

ہفتہ 5 / جنوری کو وہ اپنی دادی کے ہمراہ گھر سے نکلا اور سینٹ پیٹرس برگ کلیر فائیر انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہنچا جہاں وہ گزشتہ گیارہ ماہ سے ہوابازی کی تربیت لے رہا تھا۔ اس نے معمول کے عین مطابق اپنے انسٹرکٹر کو سلام کیا جس نے اسے جہاز پر چلنے اور انتظار کرنے کے لئے کہا۔ چارلس، دادی کو الوداع کہہ کر چار سیٹوں والے سیسنا 172 طیارے کی کاک پٹ میں جا بیٹھا اور چند لمحوں بعد جہاز رن وے پر دوڑتا ہوا فضا میں بلند ہو گیا۔ علاقے میں موجود فوجی تنصیبات کے نگہبان چوکنا ہو گئے۔ ایک غیر قانونی ٹیک آف نے ہر طرف خوف و ہراس کی لہر دوڑا دی۔ چند ہی منٹ میں بشپ کا طیارہ میکڈل ایئرفورس بیس کے اوپر پہنچ گیا جہاں افغانستان میں ''انصاف کی

Marfat.com

فرمانروائی'' کے لئے سرگرم، امریکی سینٹرل کمانڈ کے دفاتر واقع ہیں۔ فوری طور پر ایک قریبی کوسٹل گارڈ ہیلی کاپٹر کو حکم ملا کہ اس طیارے کا راستہ روکو۔ چند ہی منٹوں میں تیز رفتار ہیلی کاپٹر نے سیسنا کو جالیا اور اسے اپنا رخ موڑنے کے لئے کہا۔ ہیلی کاپٹر نے محفوظ لینڈنگ کے لئے رہنمائی کی لیکن سیسنا ایک طے شدہ راستے پر آگے بڑھتا رہا جیسے اس کی کمان کسی کہنہ مشق پائلٹ کے ہاتھوں میں ہو۔ اس دوران ایئر فورس کے ایک قریبی ہوائی اڈے سے دو ایف 15 جیٹ لڑاکا طیارے چڑیا جتنے سیسنا کو روکنے کے لئے فضا میں بلند ہوئے۔ ہیلی کاپٹر مسلسل مزاحمت کرتا رہا۔ اس کے پائلٹ لیفٹیننٹ پیٹرک کا کہنا ہے'' یہ بتانا مشکل ہے کہ لڑکا کیا سوچ رہا تھا لیکن طیارہ یقیناً اس کے قابو میں تھا اور وہ شعوری طور پر کسی طے شدہ ٹارگٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔'' ہیلی کاپٹر کے معاون پائلٹ بیکر نے صحافیوں کو بتایا کہ وہ'' سیدھا نشانہ باندھ کر آ رہا تھا۔'' ابھی ایف 15 اس تک پہنچ بھی نہ پائے تھے کہ بشپ نے طیارہ ٹمپا میں واقع بینک آف امریکہ کی بیالیس منزلہ پر شکوہ عمارت سے جا ٹکرایا۔ چھوٹا سا سیسنا عمارت کی 26ویں اور 29ویں منزل کے قلب میں تیر کی طرح پیوست ہو گیا۔

ہفتہ وار تعطیل کے سبب عمارت خالی تھی۔ کوئی جانی نقصان نہ ہوا۔ کھلونا سا طیارہ عمارت پر بھی کوئی کاری ضرب نہ لگا سکا، نہ آگ بھڑکی، نہ دھماکہ ہوا۔ پندرہ سالہ پائلٹ اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے گہری نیند سو گیا۔ اس کی دادی اسے لینے آئی تو معلوم ہوا کہ وہ کسی لمبے سفر پر نکل گیا ہے۔ ایف بی آئی کی ٹیم پہنچی تو نوخیز بشپ کی جیب سے ایک خط برآمد ہوا۔'' میرا کسی دہشت گرد تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔ میں اسامہ بن لادن کے ساتھ ہمدردی اور 11 ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر حملے کرنے والوں سے اظہار یکجہتی کے طور پر اپنی جان دے رہا ہوں۔''

جس دن پام ہاربر کے پندرہ سالہ چارلس بشپ نے اسامہ بن لادن سے اظہار ہمدردی کے لئے جان دی اور گیارہ ستمبر کے حملوں کی یاد میں اسی نوع کا ایک'' تمثیلچہ'' پیش کیا، عین اسی دن افغانستان میں خوست کے ایک ویران سے گاؤں'' مناچینا'' کے چودہ سالہ بچے نے اسلحہ سے لدے پھندے ایک امریکی کمانڈو کا سینہ چھلنی کر دیا۔ ریاست ٹیکساس کے علاقے سان انتونیو کا 31 سالہ سارجنٹ ناتھن راس چیمپ مین اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عرب طالبان کی قبروں کی تصویریں بنا رہا تھا کہ کسی قریبی ٹیلے کی اوٹ میں چھپے چودہ سالہ افغان بچے نے

Marfat.com

اچانک رائفل کا فائر کھول دیا۔ چیمپ مین وہیں ڈھیر ہوگیا۔ سی آئی اے کا ایک اہلکار شدید زخمی ہوا۔ دو افغان معاونین کو بھی زخم آئے۔ 25 رکنی امریکی ٹیم بچے کا تعاقب کرنے کی بجائے فرار ہوگئی۔ اس شام سے امریکی طیارے علاقے پر مسلسل بمباری کر رہے ہیں۔ بھرپور کوششوں کے باوجود زردان قبیلے کے جرگے نے ٹھوس شواہد نہ ہونے کے باعث بچہ امریکیوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

''پام ہاربر'' اور ''مٹا چینا'' کے دو نوعمر بچوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں۔ ایک جدید ترین سکول میں تعلیم حاصل کرنے والے زندگی کی تمام تر سہولیات سے بہرہ مند، مراعات یافتہ طبقے کے بچوں کی طرح ہوا بازی کے شائق، ایک آسودہ امریکی خاندان کے خوشحال بیٹے کا ایک تباہ حال ملک کے فاقہ کش، ان پڑھ اور خستہ جاں افغانی بچے سے کیا رشتہ و تعلق ہو سکتا ہے۔ لیکن کون ہے جو ہزاروں میل دور بیٹھے ہوؤں کے دلوں میں ایک جیسے جذبے، ایک جیسے اشتعال اور ایک جیسے انتقام کے بیج بو رہا ہے؟

بے پناہ عسکری ٹیکنالوجی اور لامحدود مشینی قوت سے بستیوں کو تورا بورا بنانے والوں نے کبھی سوچا ہے کہ کچھ قلعے ایسے بھی ہوتے ہیں جو کبھی تسخیر نہیں کئے جا سکتے؟ اسامہ بن لادن کی تلاش میں ہلکان ہونے والوں نے کبھی غور کیا ہے کہ ظلم و ناانصافی کی آگ کے بطن سے کونپلیں کس طرح پھوٹتی، چمن کس طرح لہلہاتے اور اسامے کس طرح وجود میں آتے ہیں؟

''پام ہاربر'' اور ''مٹا چینا'' کے فاصلے معدوم ہو جائیں اور ہزاروں ٹن گولہ بارود کی غارتگری کے باوجود، مشرق سے مغرب تک، ابابیلوں کی طرح پر پھڑ پھڑاتے، ننھے منے بچے، فرعونیت کے قلعوں پر کنکریاں برسانے لگیں تو اپنے گریبان میں جھانک لینے میں کیا ہرج ہے؟

[10-01-2002]

Marfat.com

امتحان کی گھڑی

ایک معرکہ سر ہو چکا ہے۔ جو عالمی میڈیا ڈیورنڈ لائن پر افغانستان کی طرف رخ کئے کھڑا تھا اس نے اچانک اسلام آباد اور نئی دہلی کی طرف دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ 11 ستمبر کو ہم عالمی کولیشن کی جس بنی سنوری بگھی پر سوار ہوئے تھے، تیز ہوائیں اس کا سارا بار سنگھار اڑا کر لے گئی ہیں۔ ہماری بلائیں لینے والی بارات کسی اجنبی قبیلے کی طرح ہمیں گھیرے کھڑی ہے اور کہار آراستہ پیراستہ دلہن کی پالکی اٹھائے نئی دہلی کی راہ پر چل پڑے ہیں۔ یہ بات 11 ستمبر کو بھی اتنی ہی واضح تھی جتنی آج ہے کہ اسامہ کا بہانہ بنا کر شکاریوں کا جو قافلہ ہمارے پڑوس میں اترا ہے، اس کی اگلی شکارگاہ کشمیر ہوگی۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ خوشنما تصور تھا کہ اب کی بار موسم کے سارے شیریں پھل ہماری جھولی میں پڑیں گے اور برسوں کی نا آسودہ آرزوؤں کی کھیتی ہری ہو جائے گی۔ وہ شاید نئی رت کے نئے تیوروں سے مایوس ہوئے ہوں لیکن معاملات کو ماضی کے تلخ تجربات کی روشنی میں دیکھنے والوں کو معلوم تھا کہ کوا کب وہ نہیں ہوتے جو دکھائی دیتے ہیں اور بازی گر کھلا دھوکا دینے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔

اب جب کہ شکاری عین ہمارے گھر کے صحن میں رقص کر رہے ہیں، ہمارا سب کچھ ان کی دسترس میں ہے اور ہم اپنی آبرو کے تحفظ کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، کوئی نہیں جو آگے بڑھ کر امریکہ اور برطانیہ سے کہے کہ ہمیں رسوا کرنے کے بعد ہماری عمر بھر کی کمائی پر تو ہاتھ نہ ڈالیں۔ ابھی تو ہم اپنی افغان پالیسی کی جوانمرگی کے ماتم سے فارغ نہیں ہوئے کہ کشمیر پالیسی کی گردن پر چھری چلانے اور بھارتی عزائم کے قدموں تلے اپنی قومی حمیت کا سرخ قالین بچھانے کا تقاضا کیا جا رہا ہے۔ کھٹمنڈو میں صدر مشرف کا مصافحہ ہمارے ہاں استحسان وخراج کے کیسے ہی سنہری حاشیوں میں کیوں نہ سجایا جائے، بھارت اسے اپنی عسکری بالادستی اور سفارتی کامرانی سے تعبیر کر رہا ہے۔ ٹونی بلیئر تشریف لائے تو ہمیں ''دہشت گردی'' ختم کرنے ورنہ سنگین نتائج کی دھمکی دے کر چلے گئے۔

Marfat.com

جارج بش امریکہ میں بیٹھ کر کہتے ہیں'' صدر مشرف کو دہشت گردوں کے خلاف ٹھوس اقدامات کرنا ہوں گے۔'' کولن پاؤل، بھارتی وزیر داخلہ ایڈوانی کو پہلو میں کھڑا کر کے فرماتے ہیں'' پاکستان بھارت میں دہشت گردی کرنے والوں کے خلاف فوری اقدام کرے'' وہ واشنگٹن پوسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں'' جنگ کو ٹالنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ چین نے اس معاملے میں غیر جانبدار رہنے کا یقین دلایا ہے''ہمیں باور کرایا جارہا ہے کہ ہم مکمل طور پر بے دست و پا ہو چکے ہیں۔ کشیدگی کے ان اعصاب شکن رات میں چینی وزیر اعظم کا دورہ بھارت ہمارے لئے بہر طور اچھا اشارہ نہیں۔

کولن پاؤل نے منگل کو فون پر صدر مشرف سے بات کی۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ باقاعدگی سے فون کرتے اور کشیدگی ختم کرنے کے لئے امکانات پر تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان رچرڈ باؤچر کا کہنا ہے کہ'' حالات انتہائی سنگین ہیں اور صدر مشرف کی تقریر کا شدت سے انتظار ہو رہا ہے''اس تقریر کا بھید کھلنے میں نہیں آرہا کہ اس کی ضرورت کیسے محسوس ہوئی؟ کون اس کے نفس مضمون کے خدوخال تراش رہا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا مخاطب کون ہے؟ صدر سے ملاقات کرنے والے امریکی سینٹرز نے اس تقریر کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا ہے اور عالمی ذرائع ابلاغ نے کچھ اس نوع کی توقعات کے تاج محل کھڑے کئے ہیں کہ دل ابھی سے بیٹھے جارہے ہیں۔

یہ تقریر امریکہ اور برطانیہ کی دھمکیوں سے فیض پاتی، بھارت کی برسوں پر محیط تشنہ آرزوؤں کو آسودگی عطا کرتی یا اہل پاکستان کے دل داغ داغ پر کوئی نیا چرکہ لگاتی ہے، اس کا اندازہ بہت جلد ہو جائے گا۔ سامنے کی حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ ایک نازک موڑ پر دم سادھے کھڑی ہے اور فیصلے کا سارا بوجھ ایک فوجی حکمران کے کندھوں پر ہے۔ ماضی کے ایسے ہی لمحات کی طرح آج بھی جمہوری ادارے نابود ہیں۔ عوام کی تمناؤں اور جذبوں کی ترجمانی کرنے والی آوازیں گنگ ہیں یا خوف اور مصلحت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں۔

ایک بات طے ہے''اگر تاریخ کا دھارا بدل ڈالنے والی'' یہ تقریر، امریکہ، برطانیہ اور بھارت کی توقعات پر پورا اترتی ہے تو اہل وطن اپنے آپ کو ایک طویل اور کٹھن آزمائش کی دہلیز پر کھڑا سمجھیں اور اگر یہ تقریر پاکستانیوں کی جھلسی تمناؤں کے لئے ابر نو بہار بن کر آتی ہے، تو بھی ایک کڑے امتحان کو ناگزیر جانیں۔

آگ، نمرود اور اولاد ابراہیم کی موجودگی میں، امتحان کو کب تک ٹالا جا سکتا ہے؟

[11-01-2002]

Marfat.com

خوداذیتی

کوہاٹ کے سابق رکن قومی اسمبلی جناب جاوید ابراہیم پراچہ کی باغ و بہار اور دبنگ شخصیت سے کسی بھی بات کی توقع کی جاسکتی ہے۔ میرے دوستوں اور کرم فرماؤں میں سے ہیں اس لئے یہ کہنے کی جسارت کررہا ہوں کہ جب وہ عشق وجنوں کے دشت پرخار میں جانکلتے ہیں تو سامنے کی ٹھوس اور اٹل حقیقتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ تجربے اور مشاہدے کا وسیع خزانہ رکھنے کے باوجود وہ ایک طفل شیرخوار کی طرح کبھی کھیلنے کو چاند مانگتے اور کبھی عین پت جھڑ میں تازہ گلابوں کے لئے مچلنے لگتے ہیں۔ ان دنوں بھی ان پر بیتابی جنوں کی کچھ ایسی ہی کیفیت طاری ہے۔ طالبان اور القاعدہ کے لاوارث قیدیوں کے لئے خواہ مخواہ ہلکان ہورہے ہیں۔ کبھی قانون، کبھی انصاف، کبھی انسانی حقوق اور کبھی اسلامی اخوت کے نام پر مختلف دروازوں پر دستک دے رہے ہیں۔ ''کوئی ہے'' کی صدا، صحرا کی گونج بن کر پلٹ پلٹ کر آرہی ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ خلق خدا ان کے جذبوں کے ہم رکاب اور ان کے جنوں سے ہم قدم ہے۔

اگر وہ اسلام آباد تشریف لاسکتے یا مجھے کوہاٹ بلا سکتے ہوں تو میں انہیں بتاؤں کہ وہ اجنبی اور گمنام لوگوں کے لئے اتنے مضطرب نہ ہوں۔ نہ ان سے کوئی رشتہ نہ قرابت داری، نہ زبان کا حوالہ، نہ نسل نہ قبیلے کا تعلق۔ ہزاروں سینکڑوں میل دور سے افغانستان آنے والے ''دہشت گردوں'' کے لئے اپنے قیمتی وقت، سرمائے اور وسائل کی قربانی دینا کہاں کی دانش ہے؟ یوں بھی علم وحکمت کی ارفع ترین بلندیوں پر فائز دنیا کو جو جمہوریت، آزادی اور انسانی حقوق کے بارے میں بے حد حساس ہے ان ''وحشیوں'' سے کوئی ہمدردی نہیں۔ کتوں اور بلیوں کے حقوق کے لئے تنظیمیں بنانے اور جنگلی درندوں کے تحفظ کے لئے ضابطے وضع کرنے والے اگر طالبان اور القاعدہ کو حشرات الارض سے بھی حقیر وکمتر سمجھ رہے ہیں تو یقیناً اس میں کوئی حکمت اور منطق ہوگی۔

Marfat.com

اگلے دن جناب اشفاق احمد، ٹیلی ویژن پر خطبہ دیتے ہوئے بتا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی جاندار مخلوق میں انسان بھی شامل ہیں اور حیوان بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ چرند و پرند اور حیوانات، جان رکھتے ہیں جبکہ انسان کے اندر روح ہوتی ہے۔ اشفاق صاحب کے خیال میں جاندار یا جانور، دوسرے جانوروں کی ہلاکت و مظلومیت دیکھ کر بھی چارے کی کھرلی پر منہ مارتا رہتا ہے جبکہ انسان سربریدہ لاشوں کے ہجوم میں بیٹھ کر اطمینان وسکون کے ساتھ ایک نوالہ بھی نہیں لے سکتا۔ لاہور جانا ہوا تو میں ماڈل ٹاؤن کی ''داستان سرائے'' میں اشفاق صاحب سے پوچھوں گا کہ کیا امریکہ انسانوں سے خالی ہوگیا ہے؟ وہ تو علم کا بادشاہ، حکمت کا شہنشاہ، سائنس کا تاجدار اور ٹیکنالوجی کا شاہسوار ہے۔ وہ کس طرح انسان کشی سے لذت کشید کرسکتا ہے؟ دو چار دن قبل اخبارات میں ایک شیرنی اور چھوٹے سے ہرن کی تصویر چھپی تھی۔ شیرنی مادرانہ شفقت سے لبریز نظروں کے ساتھ پہلو میں کھڑے چھوٹے سے ہرن کو دیکھ رہی ہے۔ خبر میں بتایا گیا تھا کہ شیرنی نے ایک عرصے تک اس ہرن کو پناہ میں لئے رکھا۔ اشفاق صاحب کے فلسفے پر یقین کیا جائے تو روح، سے عاری ایک درندے کے رویّے کو کیا نام دیا جائے اور تہذیب کے ان پیشواؤں کے طرز عمل کو کس عارضے سے تعبیر کیا جائے جو زندہ انسانوں کو، جانوروں اور درندوں سے روا رکھے جانے والے سلوک کا مستحق بھی نہیں سمجھتے۔

تازہ ترین مثال القاعدہ اور طالبان قیدیوں کی قندھار سے کیوبا کے سمندروں میں ''گوانتانامو'' نامی امریکی بحری اڈے پر منتقلی ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ نے بتایا ہے کہ قندھار کے بندی خانے میں قید، تین سو اکاون قیدیوں میں سے بیس منتخب قیدیوں کو امریکی جیٹ ٹرانسپورٹ طیارے کے ذریعے گوانتانامو منتقل کرتے وقت ''مناسب حفاظتی تدابیر'' اختیار کی گئیں۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ پھر دو دو قیدیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے باندھ دیا گیا۔ ان کی آنکھوں پر سیاہ پٹیاں باندھ دی گئیں۔ ان کے کانوں میں روئی ٹھونس دی گئی پھر انہیں جہاز کی سیٹوں کے ساتھ جکڑ دیا گیا۔ تقریباً بیس گھنٹے کے سفر کے دوران انہیں حرکت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ انہیں ''ستر پوشی'' کے لئے مخصوص لباس دیا گیا۔ ان کی داڑھیاں صاف کردی گئیں پھر انہیں تیز خواب آور دواؤں کے انجکشن دیئے گئے۔ گوانتانامو میں ان کے لئے کھلے آسمان کے نیچے پنجرے بنائے گئے ہیں۔ ''ایکسرے'' نامی اس کیمپ میں سو

Marfat.com

قیدیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے جو بہت جلد دو سو بیس تک پہنچادی جائے گی۔ ہر قیدی الگ پنجرے میں ہوگا۔ ''فلڈ لائٹس'' رات بھر روشن رہیں گی۔ قیدی زمین پر بچھی چٹائی پر سوئیں گے اور بارش کی صورت میں پنجرے کے اندر نہا بھی سکیں گے۔ ممکن ہے ان بیس قیدیوں نے اپنے میزبانوں سے کہا ہو کہ اس بستی میں ہماری جان پہچان کا ایک شخص پہلے سے موجود ہے۔ اس کا نام ملا ضعیف ہے۔ اس کے پنجرے کا کچھ اتہ پتہ ہو تو ہمارا اسلام پہنچادو۔

اب دنیا کے ہر ضابطے اور ہر قانون کی گرفت سے آزاد جزیرہ نمائے گوانتانامو پر امریکی عدالتیں لگیں گی۔ ''مجرم'' سزا پائیں گے۔ پتہ نہیں ان کی قبریں کہاں بنیں گی؟ ایک ٹیلی ویژن نیٹ ورک نے یہ خبر بھی دی ہے کہ ''گوانتانامو'' کے سمندری ساحل خونخوار شارک مچھلیوں کے لئے بہت مشہور ہیں۔ پلوں کے نیچے سے نہ جانے کتنا پانی بہہ چکا ہے۔ داستان سرائے کا بوڑھا ''داستان گو'' ابھی تک ''جان اور روح'' کے فرق کی نزاکتیں بیان کر رہا ہے۔ وبائے کا آشفتہ مزاج پراچہ دستکیں دیتا اور آوازیں لگاتا پھر رہا ہے۔ انہیں اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ 11 ستمبر کے بعد وجود میں آنے والی دنیا نے اخلاقیات کا ہر قرینہ اور انسانیت کا ہر ضابطہ بدل دیا ہے۔ زندہ رہنا ہے تو دنیا کو جارج بش کی آنکھ سے دیکھنے اور ٹونی بلیئر کے دل سے محسوس کرنے کا ہنر پیدا کیجئے۔ خود اذیتی کے ان زیاں کار مشغلوں سے کیا حاصل؟

[12-01-2002]

Marfat.com

ایک سوال

تقریر تو ہو چکی۔ اس کے کیا اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں؟ یہ جاننے کے لئے آنے والے دو چار دن ہی کافی ہوں گے۔ آگے کی بات کل۔

فی الحال مسئلہ بھارت کا ہے جس کے ساتھ ایک جہان یکجہتی، ہمدردی، خیر سگالی، رفاقت اور اپنائیت کا اظہار کر رہا ہے۔ زمانے بھر کی محبتیں اس پر نچھاور ہو رہی ہیں اور وہ گربہ مسکین بنا ٹسوے بہا رہا ہے۔ کوئی اس کے آنسو پونچھ رہا ہے، کوئی تسلی دے رہا ہے۔ کوئی تحمل کی تلقین کر رہا ہے۔ کوئی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے صبر سے کام لینے کی نصیحت کر رہا ہے۔ بھارت جواں سال بیوہ کی طرح اجڑی مانگ، ویران کلائیوں اور سیاہ ماتمی لباس کے ساتھ نڈھال ہوا جا رہا ہے اور ساری دنیا اسے پرسا دے رہی ہے۔ اس کے وزیر داخلہ ایل کے ایڈوانی امریکہ کے دورے پر ہیں۔ عجب اتفاق ہوا کہ جب وہ صدر کی مشیر قومی سلامتی کنڈولیزا رائس سے ملاقات کر رہے تھے تو اچانک جارج بش ادھر آ نکلے۔ ایسے عجیب و غریب اتفاقات کئی دوسرے بھارتی لیڈروں کے حصے میں بھی آ چکے ہیں۔ جسونت سنگھ دو مرتبہ اس خوشگوار تحیر کا مزا چکھ چکے ہیں۔ جب بھی کوئی دوسرے درجے کا بھارتی اہلکار امریکہ جاتا ہے اور سفارتی آداب کے سبب صدر سے اس کی ملاقات ممکن نہیں ہوتی تو صدر بش خود وائٹ ہاؤس کی بھول بھلیوں میں مٹرگشت کرتے اس کمرے میں آ نکلتے ہیں جہاں بھارتی اہلکار اپنے کسی ہم منصب سے مصروف گفتگو ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ بھی یہی ہوا۔ ایل کے ایڈوانی نے رسمی ملاقات کا آغاز ہی کیا تھا کہ جارج بش دھڑام سے دروازہ کھول کر اندر آ گئے اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے بھارتی وزیر داخلہ کو تسلی دی۔ اظہار ہمدردی کیا، کچھ یقین دہانیاں کرائیں۔ چنانچہ ملاقات سے فارغ ہوتے ہی ایڈوانی صاحب نے اخبار نویسوں کو مژدہ دیا کہ "صدر بش نے موجودہ بحران میں بھارت کو اپنی تائید و حمایت کا یقین دلایا ہے۔"

Marfat.com

ادھر کولن پاول نے بھی بھارت سے کہا ہے کہ وہ صبر سے کام لے۔ کم از کم صدر مشرف کی تقریر کو غور سے سن لے اور اس کے بعد کسی اگلے اقدام کا فیصلہ کرے۔ امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان نے بھی ایسی ہی تلقین فرمائی ہے۔ ٹونی بلیئر نے بھی بھارت کو یقین دلایا ہے کہ ''تقریر'' اس کے دل پُر درد کی تسکین کا سامان بن جائے گی۔ اگر بھارت کی غمگساری اور دلداری کرنے والی دنیا، اسی تک محدود رہتی تو درگزر کیا جا سکتا تھا۔ ہو یہ رہا ہے کہ سب کی خشمگیں نگاہیں ہم پر لگی ہیں اور سب کے ہاتھ ہمارے گریبان پر ہیں۔ تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ بھارت کو انتہائی مجبوری کی حالت میں اپنی اتنی بڑی فوج کو متحرک کرنا پڑا ہے اور شاید مجبوری و معذوری کی اس کیفیت میں اسے پاکستان پر حملے کی کڑوی گولی بھی نگلنا پڑ جائے۔ پچھلے کئی سالوں سے حالات کے اسی جبر کے سبب بھارت کو بادل ناخواستہ بعض کارروائیاں کرنا پڑی ہیں۔ کئی بستیوں کو راکھ کا ڈھیر بنانا پڑا۔ بہ امر مجبوری کئی عصمتوں کو برباد کرنا پڑا۔ دل پر پتھر رکھ کر لگ بھگ اسی ہزار انسانوں کے سینے چھلنی کرنا پڑے اور اب عین ممکن ہے کہ پاکستان پر حملہ کرنے اور ایٹم بم آزمانے کا زخم بھی کھانا پڑے۔

پاکستان اس صورتحال میں ایک مجرم کی طرح منہ چھپاتا پھر رہا ہے۔ اپنا گریبان چھڑانے کے لئے ایک ایک کر کے اپنی ساری جیبیں خالی کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے گھر کے اندر والی تجوری میں رکھا اثاثہ بھی ڈھیر کرنے پر آمادہ دکھائی دیتا ہے۔ مطالبہ صرف ایک ہی ہے کہ ''ہمارا گریبان چھوڑ دو'' آج صبح ایک زیر تعمیر گھر میں کام کرتے ایک مزدور نے سیمنٹ کی بوری ایک طرف رکھتے ہوئے مجھ سے عجیب سا سوال کیا ''سر جی! ہماری حکومت یہ کیوں کہہ رہی ہے کہ بھارت کی فوجیں واپس چلی جائیں'' میں نے کہا ''اس لئے کہ ہم امن پسند لوگ ہیں اور جنگ نہیں چاہتے۔'' ''وہ تو ٹھیک ہے جی پر جنگ تو بھارت چاہتا ہے نا۔ اور اگر بھارت ہم کو للکار رہا ہے تو ہم کیوں ڈر رہے ہیں؟'' میں نے ایک مصنوعی قہقہہ لگا کر یہ تاثر دیا کہ تم جیسے جاہل کو کیا منہ لگاؤں۔ لیکن سوال اپنی جگہ موجود رہا۔ جب بھارت جنگ چاہتا ہے تو ہم کیوں مرے جا رہے ہیں؟ ہماری قیادت کے ہر چھوٹے بڑے اہلکار کا سارا زور اس بات پر کیوں ہے کہ ''بھارت اپنی فوجیں ہٹا لے؟'' بھارت کی فوجوں کو اپنی سرحدوں سے دور رکھنے کے لئے ہم تقریروں، تفسیروں اور تعبیروں کے رنگین غبارے کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ ہمارا موقف تو یہ ہونا چاہئے کہ ''ہاں۔ ہم جنگ نہیں چاہتے۔ لیکن اگر بھارت اپنی فوجیں ہماری سرحدوں پر لگا کر اور اپنی بندوق ہماری کنپٹی

Marfat.com

پر رکھ کر ہم سے شرائط منوانا چاہتا ہے تو ہم ایک ادنیٰ ترین رعایت سے بھی انکار کرتے ہیں۔ہم وسیع تر ملکی مفاد کے لئے جن اقدامات کا ارادہ رکھتے ہیں انہیں فی الحال ملتوی کر رہے ہیں تاکہ یہ تاثر نہ ملے کہ ہم بزدل قوم ہیں اور بھارت سے خوفزدہ ہو کر منت سماجت پر اتر آئے ہیں۔بھارت چونکہ لڑنے آیا ہے اس لئے یہ حساب بے باق کر لے۔''

اس تاثر کی حد یں کہ ہم بہرطور جنگ نہیں چاہتے، بزدلی اور بے حمیتی سے جاملتی ہیں۔اگر ہمارا سارا زورِ بیان جنگ ٹالنے کے لئے ناروا رعائتوں اور نامطلوب پسپائیوں تک محدود رہا تو نہ جنگ ٹلے گی اور نہ ہمارے سروں پر کوئی دستار سلامت رہے گی۔آبرو بہرحال جان سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

[13-01-2002]

Marfat.com

جہادِ اکبر (1)

تقریر کی لذت سے کس کے دل پر کتنی شبنم گری؟ کس نے تسکین قلب کی کتنی سرشاری سمیٹی، کس کے سوکھے دھانوں پر کتنا مینہ برسا اور کس کی بے قراری کو قرار آیا؟ اس کا اندازہ لگانے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ یہ تقریر کتنے ذہنوں میں وسوسوں اور اندیشوں کی نئی فصل بوگئی، کتنے دلوں کی دھڑکنیں غیر متوازن کرگئی، کتنی آنکھوں کے خواب چھین لے گئی اور کتنے اہل درد کو زخموں کی تازہ سوغات دی گئی، اس کا گوشوارہ بھی جلد مرتب ہو جائے گا۔

امریکہ اور مغرب نے اس تقریر کو خوش آمدید کہا ہے اور ''میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا'' کے انداز میں اس کی پذیرائی کی ہے۔ صدر بش نے اسے بڑی توجہ اور انہماک سے سنا۔ فوراً بعد ان کی انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں نے اسے "Good Speech" یعنی ''اچھی تقریر'' قرار دیا اور توقع ظاہر کی کہ اس سے جنوبی ایشیا فوجی تناؤ سے نکل آئے گا۔ امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے کہا کہ ''صدر مشرف نے پاکستان کے اندر اور باہر دہشت گردی کے خاتمے کا عزم ظاہر کر کے ایک دلیرانہ اور اصولوں پر مبنی قدم اٹھایا ہے۔'' دفتر خارجہ کی طرف سے جاری ہونے والے بیان میں کولن پاول نے مزید کہا کہ ''امریکہ جیش محمد اور لشکر طیبہ پر پابندی کے اقدامات کو خراج تحسین پیش اور دہشت گردی کے خلاف صدر مشرف کے دوٹوک اعلانات کا خیر مقدم کرتا ہے۔ ہم نے بطور خاص صدر کے اس عزم کو نوٹ کیا ہے کہ پاکستان کسی طور، کشمیر سمیت کہیں پر بھی دہشت گردی برداشت نہیں کرے گا۔'' برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر نے صدر کی تقریر پر اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اسے ''جرأت مندانہ'' قرار دیا۔ ٹین ڈاؤننگ سٹریٹ سے جاری ہونے والے بیان میں ٹونی بلیئر نے کہا کہ ''ہم ہر قسم کی دہشت گردی کو مسترد اور اس کی پرزور مذمت کرنے کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ہم صدر کے اس عزم کو بھی خوش آمدید کہتے

Marfat.com

ہیں کہ وہ پاکستانی حدود کے اندر کسی بھی دہشت گردی کے خلاف سخت کارروائی کریں گے۔‘‘یورپی یونین کے سکیورٹی چیف جیویر سولانا (Javier Solana) نے اپنے بیان میں کہا کہ’’ میں صدر مشرف کے ان اقدامات کا خیر مقدم کرتا ہوں جو انہوں نے دہشت گردی کے خاتمے کے لئے اٹھائے ہیں۔‘‘ چین، جرمنی، روس اور متعدد دوسرے ممالک نے بھی اسی نوع کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

اور وہ جس کے لئے یہ ساری بزم طرب سجائی گئی ابھی تک منہ بسورے بیٹھا ہے۔ جزوی طور پر بعض اقدامات پر نیم دلانہ مثبت ردعمل کے باوجود وہ اپنی خوئے بد میں کوئی تبدیلی لانے پر آمادہ نہیں۔ جسونت سنگھ نے سپاٹ پتھریلے لہجے میں صدر مشرف کے اقدامات کو اپنی سفارت کاری اور خارجی دباؤ کا نتیجہ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ’’ ہمیں اعلانات کی نہیں عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔‘‘ جسونت سنگھ نے نکتہ اٹھایا کہ کشمیر کی تحریک حریت کو دہشت گردی تسلیم کر کے پاکستان نے ہمارا موقف مان لیا ہے۔ طنز سے بھرے لہجے میں بار بار’’ جنرل ایکسی لینسی‘‘ کا خطابیہ دہراتے ہوئے انہوں نے فوجیں ہٹانے یا کشیدگی میں کمی لانے کے کسی اور اقدام سے انکار کر دیا۔ کشمیر کے بارے میں اقوام متحدہ کی قراردادوں کو فرسودہ اور لایعنی قرار دے کر مسئلہ کشمیر کو شملہ معاہدے اور اعلان لاہور کے شکنجے میں کس دیا۔ ثالثی یا کسی بھی تیسرے فریق کی مداخلت کو ہمیشہ کے لئے مسترد کر دیا۔

بھارت کا یہ ردعمل بتا رہا ہے کہ وہ بھرپور سفارتی دباؤ برقرار رکھے گا اور عسکری پریشر میں بھی کمی نہیں لائے گا۔ بہت جلد واضح ہو جائے گا کہ امریکہ کا روئے سخن اب کس کی طرف ہوتا ہے اور وہ کس نوع کا لب ولہجہ اختیار کرتا ہے۔ اتنا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ہم شاید’’ سربازاری رقصم‘‘ کے بعد بھی یار دلدار کو منا نہ پائیں۔

مکتب و مسجد کے حوالے سے جن اصلاحات کا اعلان کیا گیا ہے، ان پر خیال آرائی ہوتی رہے گی لیکن بالعموم انہیں مثبت ہی قرار دیا جائے گا۔ دینی مدارس کی ملک گیر تنظیم’’ وفاق المدارس‘‘ نے تعمیری تجاویز کو ہمیشہ کھلے دل کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ میں ذاتی طور پر ایسے کئی مدارس سے آگاہ ہوں جہاں جدید عصری علوم اور کمپیوٹر کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے اور یہ سلسلہ مسلسل پھیل رہا ہے۔ مساجد کے حوالے سے ضابطہ بندی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ فرقہ واریت اور

Marfat.com

دہشت گردی کی بیخ کنی کے سارے اقدامات بادی النظر میں قومی مفاد میں ہیں۔ پاکستانی قوم کا شعور ان کی مخالفت نہیں کرے گا۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ علمائے کرام کی بھاری تعداد اور ان کی تنظیمیں عمومی طور پر ان اقدامات کو سراہیں گی۔ یہ سارے اعلانات ایک نہایت ہی سازگار اور خوشگوار ماحول میں اس طرح بھی ہو سکتے تھے کہ صدر مشرف علماء کے جھرمٹ میں ہوتے اور تمام مکتبہ ہائے فکر کے رہنماؤں کی تائید و حمایت کے ساتھ ان اصلاحات کا اعلان کرتے۔ عمومی اتفاق رائے کا اہتمام کرنے کا معتبر راستہ چھوڑ کر، ان اقدامات کو عالمی دباؤ اور بھارتی پریشر کے کھاتے میں ڈالنا اچھی حکمت کاری کا مظاہرہ نہیں۔

پانچ تنظیموں پر پابندی لگانے کا عمل واضح طور پر خارجی عوامل کا مرہون منت ہے اور اسے طے شدہ معمولات کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ جیش محمد اور لشکر طیبہ کا رشتہ جہاد کشمیر سے تھا۔ بھارت نے انہیں براہ راست مجرم قرار دے رکھا تھا۔ امریکہ نے پہل کرتے ہوئے ان پر پابندی لگائی اور اب ہم نے بھارت کے مطالبے پر صاد کر دیا ہے۔

اندرون ملک منافرت سے پاک ایک روشن خیال ذہنی، فکری اور مذہبی فضا کی تخلیق کے لئے صدر مشرف کے سارے اقدامات کو بھارت نے ''داخلی معاملہ'' قرار دے ڈالا ہے۔ اس کی خوشنودی اور کولیشن کے بڑوں کی دلجوئی کے لئے ہم اپنے تند و تیز جذبوں کے پر کاٹ کر جس ''جہاد اکبر'' کی طرف لوٹ آنا چاہتے ہیں، وہ اسے کوئی اہمیت دینے پر آمادہ نہیں۔ ہمارے مرنے پر بھی راضی نہ ہونے والے ستمگر کے تقاضوں کا پیٹ جانے کب اور کیسے بھرے گا۔

[14-01-2002]

Marfat.com

جہاد اکبر (2)

صدر مشرف کی تازہ تقریر کا حتمی مسودہ شاید 12 رجنوری کی سہ پہر کو تیار ہوا ہو لیکن اس کے نفس مضمون کے تقریباً تمام اہم نکات چار ماہ قبل، 11 رستمبر کو ہی طے پا گئے تھے۔ اب خبر ناموں میں جہادی اور دیگر اسلامی تنظیموں کے مراکز سربمہر کرنے کی جو جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں اور ان کے دفاتر پر چھاپوں اور ان کے متعلقین کی گرفتاری کی جو تفصیل بیان کی جا رہی ہے، اس کی پیش بینی اور پیش گوئی انہی کالموں میں کی جا چکی ہے۔ یہ مان لینے میں کوئی ہرج نہیں کہ ہم نے جس خشوع وخضوع کے ساتھ دہشت گردی کے خاتمے کی عالمی مہم میں شمولیت کی اور جبر وقہر کے ایک ناقابل دفاع وار کو اپنی سیاسی وسفارتی ہنرمندی سے تعبیر کر بیٹھے، اسے بہرحال اس موڑ تک آنا تھا۔ جس لمحے ہم نے مصلحت، حکمت، تقاضائے وقت اور نظریہ ضرورت کی دلیل کے سہارے طالبان کا سینہ چھلنی کرنے والی بندوق کے لئے اپنا کندھا پیش کر دیا، اسی لمحے ہم نے اس دستاویز پر بھی دستخط کر دیئے تھے کہ اب یہ کندھا ہر استعمال کے لئے حاضر ہے۔

عصبیت اور جانبداری کو جھٹک کر صورت حال کا معروضی جائزہ لیں تو بات شیشے کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ ہم یہ سوچ کر مطمئن اور مسرور تھے کہ گیارہ ستمبر کو امریکی خوشنودی کی جو ٹرین برصغیر کے پلیٹ فارم پر رکی تھی ہم کمال چابکدستی سے اس پر سوار ہو گئے ہیں لیکن بھارت پوری دوڑ لگانے کے باوجود پائیدان تک بھی نہیں پہنچ پایا۔ ہم نے اقتصادی خوشحالی، سیاسی کامرانی، سفارتی مقبولیت، کشمیر کاز کی سربلندی اور ایٹمی صلاحیت کے تحفظ کی ساری خوش گمانیاں اس مفروضے پر قائم کیں کہ بھارت کی گاڑی ہمیشہ کے لئے چھوٹ گئی ہے اور ہم مرجع خلائق بن چکے ہیں۔ یہ مفروضہ درست ثابت نہیں ہوا۔ ایک ایک کر کے گنتے جایئے۔ بھارت اور پاکستان دونوں ایٹمی قوتیں ہیں لیکن جنس بازار صرف ہمارا پروگرام بنا۔ 13 ردسمبر کو بھارتی پارلیمنٹ پر حملے کے بعد صرف بھارت کے موقف کو پذیرائی ملی۔ جارج بش نے سب سے پہلے اس کارشتہ 11ر

Marfat.com

ستمبر اور اسرائیل میں فلسطینیوں کے خودکش حملوں سے جوڑا۔ امریکہ نے بلا تاخیر جیش محمد اور لشکر طیبہ کو دہشت گرد تنظیمیں قرار دے ڈالا۔ ہم تصویر حیرت بنے یہ سب کچھ دیکھتے رہے اور بھارت نے آگے بڑھ کر توہین آمیز سفارتی جارحیت کے پیہم حملے شروع کر دیئے۔ سب نے بھارت کو حق بجانب قرار دیا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی فوجیں ہماری سرحدوں پر آ بیٹھیں اور واجپائی نے جارج بش کے سے فرعونی لہجے میں اعلان کیا ''ہم پاکستان کا حشر افغانستان جیسا کریں گے'' دنیا پھر بھی اس کے کندھے سے کندھا ملائے کھڑی رہی۔

پھر تقاضا ہوا کہ'' پاکستان خیر چاہتا ہے تو'' کراس بارڈر ٹیررازم'' ختم کرے۔ جیش محمد اور لشکر طیبہ سمیت جہادی تنظیموں پر پابندی لگائے۔ جہاد کشمیر کی عسکری پشت پناہی سے دستبردار ہو جائے۔'' ہمارا نقطہ نظر معلوم کئے بغیر امریکہ اور برطانیہ نے وہی راگ الاپنا شروع کر دیا۔ ٹیلی فون کالوں کا تانتا بندھ گیا کہ ہم وہ کر گزریں جو بھارت کہہ رہا ہے۔ پھر ایک تقریر کی نوید دے کر بھارت سے کہا گیا کہ وہ تسلی رکھے اور صبر سے کام لے۔ تقریر ہو گئی۔ شرق و غرب کا کوئی ملک ایسا نہیں جس نے اس تقریر کو خراج تحسین پیش نہ کیا ہو، یہاں تک کہ خود بھارت کو بھی '' محتاط پذیرائی'' کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی بھارت کی گردن تنی ہوئی ہے۔ اب وہ اعلانات کو عملی اقدامات میں ڈھالنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ پھر ان اقدامات کی حقیقی افادیت کا جائزہ لیا جائے گا۔ پھر ہماری کارکردگی پر فتویٰ صادر ہو گا۔ سیدھا سادہ حساب یہ ہے کہ بھارت نے کوئی ایک بھی مثبت پیش رفت نہیں کی اور ہم قدم بہ قدم پسپا ہو رہے ہیں۔

بی بی سی کے مبصر نے کہا ہے کہ'' پندرہ بیس سال پہلے ایک فوجی حکمران نے پاکستان کو جو سمت دی تھی، آج ایک دوسرا فوجی حکمران اسے مکمل طور پر دوسری سمت دے رہا ہے۔'' ان دو فوجی حکومتوں کے درمیان آتی جاتی سیاسی حکومتوں کو اپنے طور پر نہ تو کوئی مستحکم پالیسی بنانے کی اجازت ملی اور نہ ہی وہ پہلے سے موجود کسی پالیسی کا ناک نقشہ تبدیل کر سکیں۔ اگر انہوں نے کسی منزل یا سمت کے تعین کی جسارت کی تو انہیں گھر کی راہ دکھا دی گئی۔ اسلامی عسکریت، ایک مخصوص ماحول اور آب و ہوا میں پروان چڑھی۔ اس کا سارا الزام جنوں زدہ مولوی پر لگا دینا ناانصافی ہوگی۔ اگر ہم نے سچائی کا سامنا کرنے اور خلوص دل سے ملک کو ایک نیا رخ دینے کا عزم کر لیا ہے تو مسئلے کے حقیقی اسباب و محرکات سے چشم پوشی مناسب نہ ہوگی۔ جس طبقے کو آج مطعون کیا جا رہا ہے اس

Marfat.com

کی نقش گری میں کس نے کیا کردار ادا کیا اور اس کے بازوئے صف شکن کی رگوں میں کون لہو بن کر رواں رہا؟ کون ہے جس نے کئی برسوں سے ''تراشیدم، پرستیدم، شکستم'' کا مشغلہ اپنا رکھا ہے؟

صدر نے ''رٹ آف دی گورنمنٹ'' یعنی حکومت کے تحکم و اختیار کو ہر قیمت پر نافذ کرنے کے عزم کا اعلان فرمایا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ''بین الاقوامی ایشوز پر سٹینڈ لینا کسی ایک فرد، ادارے یا سیاسی جماعت کا نہیں، حکومت کا کام ہے۔'' اصولی طور پر یہ باتیں سو فیصد درست ہیں لیکن ''رٹ آف دی گورنمنٹ'' کو مؤثر اور محترم بنانے کے لئے ''رٹ آف دی کانسٹی ٹیوشن'' کو یقینی بنانا ضروری ہوتا ہے۔ بلاشبہ تمام بین الاقوامی اور داخلی مسائل پر حتمی موقف حکومت وقت ہی اختیار کرتی ہے لیکن اگر وہ عوام کی اجتماعی قوت کی مظہر، منتخب جمہوری علامت ہو تو اس کے فیصلے زیادہ معتبر ٹھہرتے ہیں۔

''جہاد اکبر'' کی فضیلت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن اسے ''جہاد اصغر'' سے گریز کا بہانہ بہرحال نہیں بننا چاہئے۔ اسوہ رسول ﷺ سے تو یہی سبق ملتا ہے کہ جہاد اصغر سرحدوں پر کھڑا پکار رہا ہو تو جہاد اکبر خود بخود ساقط ہو جاتا ہے۔

[15-01-2002]

Marfat.com

اک ذرا صبر

جی تو یہ چاہتا ہے کہ بے نام ونشان وادیوں میں گم ہو جانے والوں کو بھول جاؤں۔ یہ جان لوں کہ وہ کسی جابر جادوگر کے طلسم کا شکار ہو کر پتھر کے ہو گئے ہیں۔ اب کسی سرائے میں حسن بانو کے عشق میں آہیں بھرتے ''منیر شامی'' سے کسی حاتم طائی کی ملاقات ہوگی۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر منیر شامی کے سوالوں کا جواب تلاش کرنے کٹھن راستوں پر نکلے گا۔ ''حمام بادگرد'' کا جادو توڑنے کے بعد ممکن ہے وہ ''خلیج گوانٹانامو'' کی طرف جا نکلے اور کھلے آسمان تلے آہنی پنجروں میں بند انسانوں کو دیکھ کر انہیں رہائی دلوانے کا عزم کرے۔ لیکن تب تک جانے کتنی قیامتیں گزر جائیں۔ ممکن ہے اکیسویں صدی کا سامری، منیر شامی کو بھی گائے بھینس بنا کر ملا ضعیف کے پڑوس والے پنجرے میں ڈال دے۔

امریکہ اور یہودیوں کے زیر اثر میڈیا اس غیر انسانی سلوک پر پردہ ڈال رہا ہے جو قندھار سے گوانٹانامو پہنچائے جانے والے قیدیوں کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے۔ اس درندگی کا نشانہ بالخصوص افغانی، پاکستانی اور عرب قیدی بن رہے ہیں جن کے بارے میں یقین کر لیا گیا ہے کہ وہ بے نام ونسب لوگ ہیں۔ نہ ان کا کوئی وطن ہے، نہ شناخت، نہ کوئی بستی، نہ کوئی شہر نہ کوئی شہریت۔ سنا ہے پاکستانیوں کا ایک ''ریوڑ'' کوہ ہندوکش کی اترائیوں میں بنے کسی ''باڑے'' میں بھی پڑا ہے۔

امریکہ جیسے مرکز علم وفضل، امیر تہذیب وتمدن اور سالار حکمت وفن ملک کے قائدین کرام اور جدید علوم سے آراستہ عالی نسب عوام نے ایک ایسا انسانی سرکس سجا رکھا ہے جس کے تذکرے سے پتھر کے زمانے کے انسانوں کو بھی پسینہ آ جائے۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں دبے دبے لفظوں میں بولنے لگی ہیں لیکن ''نقار خانے'' میں کوئی ان کی سننے والا نہیں۔ نیویارک میں قائم ''ہیومن رائٹس واچ'' نامی تنظیم نے کہا ہے کہ امریکہ ضابطوں اور قاعدوں کے اندر رہے۔ تنظیم کے سینئر عہدیدار

Marfat.com

کینتھ راتھ (KENNATH RATH) نے کہا ہے کہ ''ہمیں ان قیدیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جو ہم دوسروں کے ہاتھوں امریکی قیدیوں کے ساتھ چاہتے ہیں۔'' امریکن مسلم کونسل نے قیدیوں کی ڈاڑھیاں صاف کر دینے پر شدید تنقید کی ہے لیکن امریکیوں نے جواز پیش کیا ہے کہ جوئیں پڑ جانے کے خدشے کے پیش نظر تمام قیدیوں کی گھنی داڑھیاں صاف کردی گئیں۔ اب تک پچاس قیدی قندھار سے گوانتانامو کے ایکس رے کیمپ میں لائے جا چکے ہیں اور کم و بیش پانچ سو مزید قندھار ائرپورٹ کے بندی خانے میں انتظار کر رہے ہیں۔ ''ایکسرے کیمپ'' لائے جانے والے قیدیوں میں ایک برطانوی قیدی بھی ہے جس کے بارے میں جان کر برطانوی حکومت اچانک سرگرم ہوگئی ہے۔

کولیشن کا اہم رکن اور صدر بش کا کفش بردار ہونے کے سبب برطانیہ شعوری طور پر کوشش کرتا ہے کہ امریکہ کے خلاف کسی نوع کا حرف شکایت اس کے ہونٹوں پر نہ آئے۔ لیکن برطانوی قیدی کا علم ہونے کے بعد امریکہ میں برطانوی سفارت خانہ متحرک ہوگیا ہے اور سرکاری طور پر امریکہ سے کہا ہے کہ وہ برطانوی شہری کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کرے اور سفارتی عملے کو اس سے رابطے کا موقع فراہم کرے۔ برطانوی وزارت خارجہ کی خاتون ترجمان نے کہا ہے کہ ''ہم نے امریکہ سے پوری تفصیلات مانگ لی ہیں اور یہ بھی پوچھا ہے کہ مزید کتنے برطانوی قیدی کہاں اور کس حال میں ہیں؟ لندن میں قائم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے کہا ہے کہ قیدی کسی بھی نوعیت کے ہوں ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک اور این جی او، فیئر ٹرائلز ابراڈ (FAIR TRIALS ABROAD) کے ڈائریکٹر سٹیفن جیکوبی نے الزام لگایا ہے کہ ''امریکہ بین الاقوامی قانون کی کھلی خلاف ورزی کر رہا ہے'' انہوں نے کہا کہ ''میں اگلے چند دنوں میں یورپی پارلیمنٹ سے خطاب کر کے تمام یورپی ممالک پر زور دوں گا کہ وہ امریکہ کے اس غیر انسانی طرز عمل کا نوٹس لیں۔ یہ پوری کولیشن کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ امریکہ کو سرعام انسانی حقوق پامال کرنے کی اجازت نہ دے۔'' برطانیہ کی اس سرگرمی کو دیکھتے ہوئے امریکہ نے سرکاری طور پر یقین دلایا ہے کہ مذکورہ برطانوی قیدی سے اچھا سلوک کیا جا رہا ہے اور برطانیہ کو کوئی شکایت پیدا نہیں ہوگی۔

''ایکس۔رے کیمپ'' کے ایک قیدی جان واکر (عبدالحمید) کے بارے میں امریکی اٹارنی

Marfat.com

جنرل نے اعلان کیا ہے کہ اس پر عام امریکی عدالت میں، عام قانون کے تحت مقدمہ چلایا جائے گا اور اسے کسی فوجی ٹریبونل کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ نیشنل سیکورٹی کونسل کے اجلاس میں کیا گیا جس میں وزارت دفاع، وزارت خارجہ اور جسٹس ڈیپارٹمنٹ کے نمائندوں نے شرکت کی۔ چونکہ بیس سالہ جان واکر امریکی شہری ہے اس لئے اسے خصوصی سلوک کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ اب وہ گوانٹاناموکی سرزمین بے قانون کے بجائے ورجینیا کی ڈسٹرکٹ کورٹ کے سامنے پیش ہوگا۔ اگر اس پر عائد کئے گئے سارے الزامات ثابت ہو گئے تو بھی اسے زیادہ سے زیادہ عمر قید کی سزا ہو سکتی ہے۔

میں بہت کوشش کرتا ہوں کہ کیوبا کا سمندر، امریکی کیمپ، اس کیمپ کے آہنی پنجرے، ان پنجروں کے سنگلاخ فرش پر پڑے بے ریش قیدی، پنجروں کے ارد گرد خاردار تاروں کا گھنا جنگل، سب کچھ بھول جاؤں لیکن یہ سخت جان قیدی خوابوں اور خیالوں میں بھی ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں۔

عرب قیدیوں کے وارث اپنے طور پر معلومات جمع کر رہے ہیں۔ طالبان کا قانونی وارث ''شمالی اتحاد'' ہے جس کے اپنے عارض و رخسار ان قیدیوں کے لہو کے مرہون منت ہیں۔ رہے پاکستانی..... تو ان کے بارے میں کچھ علم ہی نہیں کہ وہ کہاں کہاں پڑے ہیں۔ علم ہو بھی جائے تو ہم معذور ہیں۔ بس وہ کچھ دن اور صبر کر لیں۔ انشاءاللہ جہاد اکبر، کی عظیم ذمہ داریوں سے فارغ ہوتے ہی ہم ان کی خیر خبر لینے آئیں گے۔

[18-02-2002]

Marfat.com

اصلاحات

حکمرانی اپنے ساتھ ''خود انکشافی'' کا جوہر بھی لاتی ہے۔ صاحبِ حکومت پر اچانک انکشاف ہوتا ہے کہ وہ بے پناہ ذہنی وفکری صلاحیتوں کا مالک ہے اور قدرت نے اسے تاریخ کا دھارا موڑ دینے کے مینڈیٹ کے ساتھ اس منصب جلیلہ پر فائز کیا ہے۔ اس کے دسترخوان کے خوشہ چیں، اس کی ذات میں ایسی ایسی لاثانی خصوصیات اور لافانی صفات تلاش کر لیتے ہیں جو خود حکمران کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ رفتہ رفتہ وہ ملک کی ترقی وخوشحالی، بقاوسلامتی اور استحکام واستقلال کو اپنی ذات کے ساتھ وابستہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ قوم کی عظمت وسربلندی کی تمام روشن صبحیں اسے اپنے ماتھے سے طلوع ہوتی محسوس ہوتی ہیں۔ وہ دل کی گہرائی اور خلوص کی پختگی کے ساتھ اپنے آپ کو ناگزیر محسوس کرنے لگتا ہے۔ اسے اپنے حاشیہ خیال سے پھوٹتے افکار اور ان افکار سے نمو پاتی اصلاحات ایک عظیم انقلاب نو کا دیباچہ دکھائی دینے لگتی ہیں۔ کروڑوں انسان اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود اسے محض حشرات الارض دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنی اصلاحات کی راہ میں مزاحم قوتوں کو، پوری نیک نیتی کے ساتھ، ملک کا غدار اور قومی مفادات کا دشمن خیال کرنے لگتا ہے۔ یہ معاملہ کسی خاص نظام، طریق انتخاب یا واردات کے ذریعے کرسی نشین ہونے والوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جو بھی جس انداز سے بھی آیا، اس نے اپنے آپ کو اوتار جانا اور اصلاحات اس اعتماد کے ساتھ متعارف کرائیں جیسے وہ کسی ''صحیفے'' کی صورت میں نازل ہوئی ہوں۔ گزشتہ نصف صدی پر محیط تاریخ میں شخصی اور سیاسی حکمرانوں نے اپنے اپنے طور پر قوم کا مقدر بدلنے کی بڑی کاوشیں کیں لیکن ہر ''انقلاب'' ایک نیا بحران دے گیا۔

اک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

Marfat.com

سیاسی حکمرانوں کا ''زعم مسیحائی'' بہر حال کچھ حدوں کے اندر رہتا ہے۔ وہ نہ پارلیمنٹ کو پس پشت ڈال سکتے ہیں نہ رائے عامہ کو اور نہ شمشیر برہنہ بنے پریس کو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں اپنی من پسند اصلاحات کا ناقوس بجاتے وقت ملک کے سب سے مضبوط ادارے کی حساسیت کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ آئین میں کسی بھی نوع کی ترمیم کرتے وقت وہ بہر حال طے شدہ طریقہ کار کے پابند ہوتے ہیں اور اس بات کا امکان موجود رہتا ہے کہ ان کی خواہشات پارلیمنٹ میں پذیرائی نہ پا سکیں۔ شریعت بل کا معاملہ ہمارے سامنے ہے۔

فوجی حکمرانوں کی اصلاحات اور ان کے نتیجے میں ہونے والی آئینی ترامیم زیادہ مستحکم اور پائیدار ہوتی ہیں۔ وہ کسی ضابطے کے محتاج نہیں ہوتے۔ وہ ہر قسم کے پریشر اور ہر نوع کی مشاورت سے بے نیاز ہو کر صرف اپنے افکار بلند اور جبلت انقلاب کی بدولت ایسی ''دور رس اصلاحات'' کی بنیاد رکھتے ہیں کہ آنے والی پارلیمنٹ بھی ان کی بے ادبی نہیں کر سکتی اور اگر کوئی کرے تو خود عبرت کا نشان بن جاتی ہے۔ آئین میں سات ترامیم تو بھٹو مرحوم کے دور میں ہو گئیں۔ لگ بھگ اتنی ہی 1988ء کے بعد کی سیاسی حکومتوں نے کر ڈالیں لیکن جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں کی جانے والی آٹھویں ترمیم کو بجا طور پر ''ام الترامیم'' یعنی تمام ترمیموں کی ماں کہا جا سکتا ہے۔ یہ ترمیم 1973ء کے آئین کی حقیقی روح قرار پا چکی ہے۔ نواز شریف اور بے نظیر بھٹو، دونوں دو دو بار اس سوارخ سے ڈسے گئے اور جب انہوں نے مومنانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے تیسری بار ڈسے جانے کے خطرے کا سدباب کر دیا تو آٹھویں ترمیم کی سخت جان روح نے بہ انداز دگر شب خون مارا۔ پہلے تو گستاخی کا ارتکاب کرنے والے نابکار صرف حکومتوں سے خارج ہوتے تھے، اب کے ملک سے بھی نکال دیئے گئے۔

این آر بی کی طرف سے انتخابی اصلاحات کا جو خاکہ سامنے آیا ہے اس کا نفاذ بنیادی آئینی ترامیم کے بغیر ممکن نہیں لیکن فوجی حکومتیں اصلاحاتی پیکیج کے لئے کسی سہارے کی محتاج نہیں ہوتیں۔ اس کا پر جوش جذبہ اصلاح خود بخود حکمت عملی کے پیکر تراشتا، قواعد کی شکل پاتا، فرمان کا روپ دھارتا اور اطلاق کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ قومی اسمبلی کی نشستوں میں اضافہ، امیدواری کے لئے گریجوایشن کی شرط، خواتین اور ٹیکنو کریٹس کے لئے خصوصی نشستیں، مخلوط طرز انتخاب اور جزوی طور پر متناسب نمائندگی کے بارے میں کوئی نعرہ تحسین بلند کرے یا صدائے

Marfat.com

احتجاج، کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بہت سے دوسرے ثمرات کی طرح اصلاحات کو بھی نئے موسم کی سوغات سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے۔ احتجاج، ٹکراؤ، تصادم اور مزاحمت سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ انتخاب کی منزل تک صبر شکر سے کام لینے اور پتہ مار کر ہر تلخ گھونٹ خندہ پیشانی سے پی جانے کی ضرورت ہے۔ سیاستدانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ دو تہائی اکثریت کی حامل مضبوط و مستحکم جمہوری حکومت کا دفتر لپیٹنے کے لئے نوابزادہ نصر اللہ خاں جیسے مرد بزرگ کی ایک مریل سی زقند بھی کافی ہوتی لیکن فوجی حکومت کے سنگ خارا سے جمہوریت کے چند قطرے کشید کرنے کے لئے بھی کوہکن کا جگر چاہئے۔

بہتر یہی ہے کہ اکتوبر 2002ء تک این آر بی کا ہر فرمان مقدس جانتے ہوئے اسے من و عن قبول کر لیا جائے۔ آئین کے تقدس، مثالی جمہوریت یا اس نوع کے دوسرے خرخشوں سے دل جلانے اور اپنی منزل کھوٹی کرنے سے کیا حاصل؟ یوں بھی یہ وہ موسم نہیں جب پارلیمنٹ کے اتفاق رائے سے منظور ہونے والی دستوری ترامیم ''شاہراہ دستور'' کا خس و خاشاک بنا دی جائیں۔

جلسوں کے جلوے، جلوسوں کا جل تھل، ریلیوں کی ریل پیل اور دھرنوں کے دھارے اس طرح کے موسموں میں اچھے نہیں لگتے۔ آخر کبھی نہ کبھی جمہوری حکومت تو بننی ہی ہے۔ یار زندہ صحبت باقی۔

[19-01-2002]

Marfat.com

قندھار کا نو آباد قبرستان

ملا یار محمد اخوند بھی ایک خونخوار ڈیزی کٹر کا نشانہ بن گیا اور مجھے خبر ہی نہ ہوئی۔ خبر کون دیتا؟ افغانستان میں امن وانصاف اور جمہوری اقدار کا بول بالا ہے۔ برسوں بعد مہذب دنیا کے بڑے بڑے راہنما کابل کا دورہ کر رہے ہیں۔ حامد کرزئی چغے بدل بدل کر مرصع انگریزی میں انہیں خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ کروڑوں ڈالر کے منجمد اکاؤنٹس واگزار ہو رہے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی، علم و حکمت اور ترقی وخوشحالی کے سحر میں مبتلا اہل پاکستان کو اس بات سے کیا واسطہ کہ طالبان سے محروم افغانستان کس حال میں ہے؟ لیکن معتبر امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ نے اپنی ایک مفصل رپورٹ میں بتایا ہے کہ قندھار کے کوچہ و بازار اداس ہیں اور لوگ ابھی تک اپنے مرد جری کو نہیں بھولے۔ گئے دنوں کی یادیں انہیں اب بھی ستاتی اور خون کے آنسو رلاتی ہیں۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ شہر سے ذرا دور، ایک گلی کے سرے پر کبھی ایک وسیع میدان ہوتا تھا لیکن اب وہ تازہ قبروں سے بھر گیا ہے۔ یہ قبریں عربوں، پاکستانیوں اور دیار غیر سے آنے والے ان ''دہشت گردوں'' کی ہیں جو پچھلے دو تین ماہ میں امریکی انصاف کی بھینٹ چڑھ گئے۔ نئی نویلی 74 قبروں میں سوئے ان اجنبیوں کو کبھی غیریت اور تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔ وہاں ہمہ وقت ایک جشن کا سماں رہتا ہے۔ لوگ اپنے بیمار بچوں اور عزیزوں کو لے کر یہاں جمع ہوتے، مغفرت کی دعائیں مانگتے، قبروں پر رکھے چھوٹے چھوٹے خوبصورت گول پتھروں کو نسخہ شفا جان کر اپنے جسموں سے مس کرتے اور نیک پاک روحوں کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ دن طلوع ہوتے ہی قندھار کے لوگ اس مقدس قبرستان کا رخ کرتے، سنگ ہائے مزار کو بوسے دیتے اور تسکین پاتے ہیں۔ نوعمر لڑکوں کے غول پاس پڑوس کی گلیوں میں گھات لگا کر بیٹھے رہتے ہیں۔ جونہی کوئی غیر ملکی تصویریں بنانے اس قبرستان میں آتا ہے، اس پر نامعلوم سمتوں سے پتھروں کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

ایک عرب "دہشت گرد" کی قبر کے سرہانے بیٹھے، پینسٹھ سالہ بوڑھے، شیر محمد نے روتے ہوئے کہا" یہ ساری قبریں میرے بچوں کی ہیں۔ ساری کی ساری۔ میرا اور ان کا رشتہ اللہ اور اس کے رسول نے قائم کیا ہے۔"

قندھار میں تین ہزار امریکی سپاہیوں کی موجودگی کے باوجود امن و امان کی صورت حال انتہائی تشویشناک ہے۔ گہرے خوف کے سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں۔ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال۔ مختلف وارلارڈز کے مسلح دستے دندناتے پھر رہے ہیں۔ گورنر گل آغا فرعونیت اور بربریت کی علامت کے طور پر مشہور ہے۔ پینتیس سالہ عبدالہادی کا کہنا ہے" ہمیں آزادی یقیناً اچھی لگتی ہے لیکن جان اور مال کا تحفظ اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ طالبان کے زمانے میں ہم اور ہماری عورتیں بلا خوف و خطر جہاں جی چاہے آتے جاتے تھے۔ چاہے دن ہو چاہے رات۔ اب ہم اپنی کلاشنکوفیں اپنے سرہانے رکھ کر سوتے ہیں۔ اب ہم موسیقی سن سکتے اور ڈاڑھیاں منڈوا سکتے ہیں لیکن گانوں سے پیٹ نہیں بھرتا۔ کوئی ہم سے پوچھے کہ انتہا پسندی بہتر ہے یا بے یقینی اور عدم استحکام؟ تو ہم کہیں گے" انتہا پسندی۔"

میرولیس ہسپتال کے نرسنگ سکول کی ایک طالبہ نے کہا" طالبان کے زمانے میں ہمارے سکول کی لڑکیاں پردے میں رہتی تھیں۔ انہیں ایسی بسوں میں لایا جاتا تھا جن کی کھڑکیوں پر بھی پردے تھے۔ موسیقی اور پارٹیوں کی بھی اجازت نہ تھی۔ اب سکول کے اندر کا ماحول کافی کھلا ہے لیکن باہر کے حالات انتہائی خوفناک ہیں۔ ہم بے حد پریشان ہیں۔ چاروں طرف مسلح غنڈے پھر رہے ہیں اور افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" اٹھارہ سالہ نرس طالبہ فاطرہ نے کہا" مجھے ان بندوق برداروں سے نفرت ہے۔ میں تو صرف پڑھنا چاہتی ہوں۔ میں نے اپنی عمر میں طالبان کے دور سے زیادہ مستحکم اور اچھا دور نہیں دیکھا۔" انتہا پسندی" کے اس دور میں، میں کسی خوف و خطر کے بغیر پڑھ سکتی تھی۔ اب ایسا نہیں۔" مجھے" واشنگٹن پوسٹ" ہی کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ ملا یار محمد اخوند بھی شہید ہو گیا۔ اس کی قبر بھی قندھار کے اسی نو آباد قبرستان میں ہے جس پر مختلف رنگوں کے چھوٹے بڑے چمکیلے پتھر رکھے ہیں۔ قبر کے آس پاس لکڑی کے کھمبوں پر گوٹے کناری والے رنگا رنگ پرچموں کا جھرمٹ ہے۔ ایک بڑے سے پرچم پر پشتو زبان میں لکھا ہے" یہ یار محمد خان اخوند کی آخری آرام گاہ ہے..... اس نے بچپن ہی سے مذہبی تعلیم حاصل

Marfat.com

کی..... وہ سال ہا سال تک روسیوں سے لڑتا رہا..... اس نے قید و بند کی سختیاں جھیلیں..... وہ سٹنگر میزائل چلانے کے فن میں یکتا تھا..... اس نے طالبان کے ساتھ مل کر اسلام دشمنوں کے خلاف جہاد کیا..... اس نے ہرات میں بیس مدرسوں کی بنیاد رکھی..... وہ کافروں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا..... اللہ اس کی مغفرت کرے۔''

ملا یار محمد خان اخوند کا سرخ و سپید چہرہ اس طرح میری نگاہوں کے سامنے ہے جیسے وہ ابھی ابھی مجھ سے مل کر رخصت ہوا ہو۔ سات سال قبل فربہی مائل جسم والے گورے چٹے پٹھان نے ہرات کے ائرپورٹ پر ہمارا استقبال کیا تھا۔ تب وہ ہرات کا گورنر تھا۔ باغ آزادی کے وسیع سبزہ زار میں فرشی نشست پر رات کا کھانا اس نے ہمارے ساتھ کھایا تھا۔ کم کم بولنے والے اس مجاہد کا نشانہ بلا کا تھا۔ اس نے سٹنگر میزائلوں، توپوں، ٹینکوں اور آر پی جی گنوں کی مدد سے روس کے ایکس طیارے مار گرانے کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ جب روسیوں نے دھاوا بولا تو اس کی عمر پچیس چھبیس سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ گھر سے نکلا اور پھر گھر کا راستہ بھول گیا۔ برسوں مولوی نبی محمد محمدی کی حرکت انقلاب اسلامی اور مولوی یونس خالص کی حزب اسلامی کے پرچم تلے لڑتا رہا۔ ایک جری اور زور آور کمانڈر کی حیثیت سے اسے زبردست شہرت حاصل ہوئی۔ سنگلاخ پہاڑوں میں کھو جانے والے دنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ باغ آزادی میں محفل جمی تھی کہ مجھے ایک ضروری ٹیلی فون کرنے گورنر ہاؤس جانا پڑا۔ ملا یار محمد نے اپنی واسکٹ کی جیب سے ٹیلی فون کے بکسے کی چابی نکال کر میرے حوالے کی۔ درجنوں ٹیڑھی میڑھی گلیوں سے گزرنے کے بعد میں جس کوارٹر نما مکان میں پہنچا وہ گورنر ہاؤس تھا۔ نہ کوئی گارڈ، نہ سپاہ، نہ پرچم، نہ نیزہ بردار، نہ دربان نہ نگہبان۔ چھیالیس سال کی عمر میں شہادت پانے والا یہ مجاہد قندھار کے نئے قبرستان میں ''مانوس اجنبیوں'' کے کندھے سے کندھا ملائے گہری نیند سو رہا ہے۔ ''بتان رنگ وخوں'' سے پاک یہ قبرستان قندھار والوں کی آماجگاہ ہے۔ وہ ساری قبروں پر جھاڑو لگاتے، سب کو خوبصورت پتھروں کی مالائیں پہناتے، سب کو پرچموں سے سجاتے، سب کے لئے دعائیں مانگتے، سب کی پاک روحوں کی خوشنودی چاہتے ہیں لیکن عرب نوجوانوں کی قبریں انہیں بہت زیادہ عزیز ہیں۔ ریڑھا کھینچنے والے بوڑھے شیر محمد نے کہا ''یہ میرے رسول ﷺ کے گھر سے آئے ہوئے مہمان تھے۔''

[20-01-2002]

Marfat.com

جبر واختیار(1)

سابق وفاقی وزیر اور معروف دانشور جناب مشاہد حسین نے ادارہ نوائے وقت رنیشن کے زیر اہتمام پروگرام ''ایشو آف دی ڈے'' میں تقریر کرتے ہوئے بعض اہم نکات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انہوں نے فوجی اور سول حکومتوں کی کارکردگی کا بھی مختصراً موازنہ کیا ہے اور قومی معاملات کے حوالے سے وسیع تر مشاورت پر زور دیا ہے۔ اسی سے ملتا جلتا مطالبہ اے آر ڈی نے بھی اپنے حالیہ اجلاس میں کیا ہے لیکن آثار کچھ اس طرح کے ہیں کہ حکومت ایک طے شدہ پالیسی پر سختی سے کاربند رہنے کا پختہ ارادہ کئے بیٹھی ہے اور رویئے تبدیل ہوتے دکھائی نہیں دیتے۔ رویوں میں تبدیلی کی دو ہی ممکنہ شکلیں ہیں۔ ایک یہ کہ قوم کی اجتماعی دانش جب کسی نتیجے پر پہنچے تو مقتدر قوتیں اپنی محدود بصیرت کو انا کا مسئلہ بنا کر اس دانش کے تقاضوں کا راستہ نہ روکیں۔ فطری عوامل کو فطری انداز سے بروئے کار آنے اور منطقی نتائج تک پہنچنے میں مدد دیں۔ دوسرا محرک غیر اختیاری اور جبری نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہ محرک، قوموں کی زندگی کے کسی اہم موڑ پر اچانک سامنے آ کھڑا ہوتا ہے اور گریز وفرار کے سارے راستے بند کر دیتا ہے۔ کڑی آزمائش کی اس گھڑی میں نازک مزاج قوتوں کو بھی اپنی انا کی کلغی جھکانا پڑ جاتی ہے اور دل پر پتھر رکھ کر ایسے فیصلے کرنا پڑ جاتے ہیں جن کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ہم ان مراحل سے کئی بار گزر چکے ہیں۔ مشرق پاکستان میں جو اضطراب سال ہا سال پرورش پاتا رہا، اس کا حقیقت پسندانہ ادراک کرنے اور جرأت مندانہ اقدامات اٹھانے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ کی گئی۔ چھوٹے چھوٹے مطالبات کو حب الوطنی اور قومی مفاد کے ترازو میں اس طرح تولا گیا کہ ذرا سی کم وزنی، غداری قرار پائی۔ ایک عشرے پر محیط مارشل لاء نے سیاسی جذبات و احساسات کو اس طرح کچلا کہ محاذ آرائی اور تصادم کے سوا ساری راہیں مسدود ہو گئیں۔ 1970ء

Marfat.com

میں جو کچھ ہوا اسے صرف مجیب الرحمٰن کے بے لچک رویئے، ذوالفقار علی بھٹو کی ہوس اقتدار اور اندرا گاندھی کی خوئے بد کے کھاتے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ یہ برسوں پر محیط ان غیر سیاسی اور غیر حکیمانہ رویوں کا منطقی نتیجہ تھا جو ایک آمرانہ نظام کی آغوش میں پلتے رہے۔ جو معاملات افہام و تفہیم، ایک دوسرے کے نقطہ نظر کے احترام اور اپنی اپنی انا کی قربانی سے طے پا سکتے تھے، وہ تلوار زنی کا بہانہ بن گئے۔ یہاں تک کہ قائداعظم کا پاکستان دولخت ہو گیا۔ ستم ظریفی دیکھیئے کہ جس وقت ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں پاک فوج ہتھیار ڈال رہی تھی اس وقت صدر جنرل یحیٰی خان قوم کو ایک نیا آئین عطا کرنے کی تقریر دلپذیر کی مشق فرما رہے تھے۔

سقوط ڈھاکہ کی المناک داستان ایک ایسے افسانے کی طرح بھلا دی گئی جس کا کوئی حتمی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا اور جسے محض تفریح طبع یا ضیافت فکر کا سامان خیال کیا جاتا ہے۔ گاڑی تو چل پڑی لیکن گاڑی بانوں کے تیور نہ بدلے۔ سقوط ڈھاکہ کے محرکات و اسباب اور نتائج و اثرات کی تفصیلات افق تا افق پھیلی ہوئی ہیں لیکن ایک بات ہر محرک پر حاوی ہے کہ سیاسی مسائل بندوق سے حل نہیں کئے جا سکتے۔ مقبول سیاسی قیادتوں کو نابود کر کے پائیدار جمہوری نظام قائم نہیں کیا جا سکتا اور شفاف عوامی رائے کی اجلی قبا میں اپنی مرضی و منشا کے پیوند نہ لگائیں، چاہے وہ ریشم کے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ سقوط ڈھاکہ کے قومی المیے کا عنوان جلی ہے لیکن ہماری دشت نوردی کا عالم آج بھی وہی ہے۔ وہی پاؤں، وہی کانٹے، وہی آبلہ پائی۔

11 ستمبر کو امریکہ اپنی تاریخ کا المیہ خیال کرتا ہے لیکن یہ دن پاکستان کے نظریاتی خمیر اور قومی ضمیر کے لئے بھی کسی المیے سے کم نہیں۔ تاویلات کو ایک طرف رکھئے۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہ کسی دل میں بھی اطمینان و سکون اور کسی ذہن میں بھی سرخوشی کی کیفیت پیدا نہیں کر رہا۔ خود صدر مشرف ان خوفناک نتائج کا بھیانک نقشہ قوم کے سامنے رکھ چکے ہیں جو امریکی کولیشن کا حصہ نہ بننے کی صورت میں ہمارا مقدر بنتے۔ یہ آہنی جبر کے نتیجے میں اختیار کیا جانے والا راستہ ہے۔ ان سوالوں کا جواب سوچنے کا وقت ہی نہ تھا کہ ہمارے کون کون سے قومی اہداف پر کس کس نوع کی ضرب لگی ہے۔ جداگانہ نظریاتی تشخص کس کرب سے دوچار ہوتا ہے۔ افغان پالیسی اور کشمیر کاز پر کیا گزرتی ہے اور اس قومی بانکپن میں کتنی دراڑیں پڑتی ہیں جو آج تک بھارت کے سامنے ہر پاکستانی کا سرمایۂ افتخار تھا۔

Marfat.com

یہ ہماری قومی تاریخ کا اہم موڑ ہے۔ تلخیوں کا جوز ہر ہمارے حلق سے اتر رہا ہے اور جسے ہم اپنے چہرے کے تاثرات کے ذریعے شہد سے زیادہ شیریں اور لذیذ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، درحقیقت ہمارے سروں پر لٹکتی ننگی تلوار کا کرشمہ ہے۔ شدید نوعیت کے خارجی دباؤ اور جبر کے تحت ہم بعض نامطلوب اقدامات پر مجبور ہو گئے ہیں لیکن داخلی طور پر کیفیت مختلف ہے۔ حکومت کسی جبر، دباؤ، ہلکی سی تشویش بلکہ ذرا سی خفگی کے احساس سے بھی بے نیاز ہے۔ دینی جماعتیں سیلابی ریلے سے بچاؤ کی فکر میں ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں۔ سیاسی محاذ پر سکوتِ مرگ طاری ہے اور عوام لاتعلقی کا لحاف اوڑھے سو رہے ہیں۔ اس داخلی صورتحال کی سازگاری نے حکومت کو ایسی راہ پر ڈال دیا ہے جو نئے مسائل کے گھنے جنگل کو نکلتی ہے۔ قومی معاملات کے اہم حصے کو خارجی جبر کے سپرد کرنے اور اسی جبر کی ڈکٹیشن پر بعض ناگوار اقدامات کرنے پر مجبور حکومت، داخلی سیاسی آئینی، تہذیبی اور معاشرتی منصوبہ بندی کے لئے اپنے آپ کو ہر نوع کے جبر یا جوابدہی سے آزاد خیال کرتی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح معاملات کا ایک حصہ اس نے خارجی جبر کے سپرد کر دیا ہے، بالکل اسی انداز میں معاملات کا ایک حصہ وہ اپنے جبر کی دستبرد میں رکھنا چاہتی ہے۔ گویا اس نے قومی اصلاح کے جذبہ بے اختیار شوق کو اپنے انداز و اسلوب کے مطابق پوری قوت سے نافذ کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

[21-02-2002]

Marfat.com

جبر و اختیار (2)

حالات و واقعات کا جبر "کاتب تقدیر" کی طرح ایسے فیصلے رقم کرتا یا کراتے چلا جاتا ہے جن میں کسی طرح کی تراش خراش کسی کے بس میں نہیں ہوتی۔ جب اس جبر کے ڈانڈے خارجی محرکات سے ملتے ہوں تو بے چارگی اور بھی بڑھ جاتی ہے لیکن جن مسائل کے بارے میں کوئی دکھائی دینے والا جبر نا روا موجود نہیں ہوتا، ان کی نزاکت کو محض اس لئے نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے کہ جواب طلبی یا باز پرس کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ آزادانہ اختیار، ذمہ داری کا بہت بڑا بوجھ ہوتا ہے جسے سہارنے کے لئے بے پناہ صبر و تحمل اور زبردست توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

پاکستان داخلی اعتبار سے پھر ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ آئین موجود ہے لیکن موثر نہیں۔ ملک اسلامی جمہوریہ ہے لیکن "اسلام" اصلاحات کی کھائی میں پڑا ہے اور "جمہوریت" نئے تجربات کی بھٹی میں سلگ رہی ہے۔ سیاسی جماعتیں حکومت سے فاصلے پر کھڑی ہیں اور عوام کے جذبہ و احساس کی سچی ترجمانی کرنے والا کوئی فورم موجود نہیں۔ ملک کے ایک اہم اور بنیادی ادارے کی حیثیت سے فوج کے کردار کو نظر انداز کرنا یقیناً حقیقت پسندی نہیں۔ پاکستان مستقلاً جس طرح کی صورتحال سے دوچار چلا آ رہا ہے، اس کا اولین تقاضا ہے کہ فوج اپنی بھرپور توجہ ملکی دفاع پر مرکوز رکھے اور اس کی توانائیوں کی ایک ایک رمق اس مقدس فریضے کے لئے وقف ہو۔ پاکستان کے عوام کی بھرپور اکثریت فوج کے ساتھ ذہنی و جذباتی وابستگی رکھتی ہے اور یہ تعلق ہی فوج کی قوت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔ سیاست کی آلائشیں فوج کی بیرکوں سے جتنی دور رہیں، اتنی ہی یہ وابستگی پختہ اور مضبوط تر ہوتی ہے۔

ہماری آئینی تاریخ تلخ تجربوں سے بھری پڑی ہے۔ پہلا آئین ایک مارشل لاء کی نذر ہوا۔ دوسرا آئین دوسرے مارشل لاء نے ہڑپ کر لیا۔ تیسرا آئین قائداعظم کے پاکستان کے ملبے سے

Marfat.com

برآمد ہوا۔ سقوط ڈھاکہ کے گہرے دکھ اور قومی تاریخ کی سب سے افسوسناک ہزیمت سے پیدا ہونے والے احساسِ غم نے 1973ء کے آئین کو عمومی اتفاق رائے کا جامہ پہنایا۔ گویا ہم بہت بڑے زیاں اور بہت بڑی قربانی کے بعد ایک متفقہ آئین کی منزل مراد تک پہنچے لیکن آدھے ملک کی قیمت پر حاصل کیا جانے والا یہ تیسرا آئین، تیسرے مارشل لاء نے الماری میں مقفل کر دیا اور آج بھی کسی تہہ خانے کے تاریک گوشے میں پڑا یہ آئین، اکیسویں صدی کے سورج کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔

فوج خلوص دل سے اصلاح احوال کے جو عزائم رکھتی ہے، ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں لیکن بہتر ہوگا کہ ماضی کے تجربات کو پیش نظر رکھا جائے۔ مولانا مودودی مرحوم نے ایک دفعہ فرمایا تھا ''ہمارے حکمران پرانی غلطیاں نہیں دہراتے، وہ نئی غلطیاں کرتے ہیں۔'' مولانا کو رخصت ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں اور شاید نئی غلطیوں کی گنجائش بھی تمام ہو چکی ہے لہٰذا خدشہ ہے کہ پھر سے انہی غلطیوں کو دہرانے کا عمل شروع نہ ہو جائے جو سیاسی عدم استحکام، جمہوری اداروں کی غارت گری اور قومی تشخص کے ضعف کا سبب بنتی رہی ہیں اور ایک مستحکم دستوری نظام کو بار بار جھٹکے دے رہی ہیں۔ مولانا ہی کا قول ہے کہ ''غلطی کبھی بانجھ نہیں رہتی۔ وہ مسلسل بچے دیتی رہتی ہے۔'' یوں لگتا ہے کہ ماضی کی کثیر العیال غلطیوں کی اولاد اب جوان ہو کر نسل کشی کے قابل ہو چکی ہے اور ہمارے قومی امور چاروں طرف سے ان کے نرغے میں ہیں۔

پاکستان کے عوام جمہوری نظام کا سب سے نحیف عنصر خیال کئے جاتے ہیں۔ ان کی آزادانہ مرضی ومنشا کو آزاد فضا میں پھولنے پھلنے کا موقع کبھی میسر نہیں آیا۔ اس کے اسباب سب کے سامنے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ جمہوری عمل کی بحالی کو اکھاڑ پچھاڑ سے الگ رکھتے ہوئے عوام پر اعتماد کیا جائے اور انہیں کسی قدغن کے بغیر یہ دستوری حق دیا جائے کہ وہ اپنے حکمران خود چنیں اور مسلمہ جمہوری روایات کے تحت خود ہی ان کا محاسبہ کریں۔ پسند کے سیاستدانوں کی سرپرستی، پسند کے انتخابی اتحادوں کی صورت گری، پسند کی آئینی ترامیم، پسند کے الیکشن کمیشن، پسند کے انتخابی قواعد اور پسند کے نتائج کا پرانا کھیل ترک نہ کیا گیا تو ساری آلائشیں جوں کی توں موجود رہیں گی۔ اگر قواعد وضوابط کا مقصد کچھ کا راستہ بند اور کچھ کی راہیں کشادہ کرنا ہوا تو آنے والا وقت ہمیں اسی آشوب کی دلدل میں دھکیل دے گا جس سے نکلنے کی تگ ودو کی جا رہی ہے۔ انتخابی

Marfat.com

اصلاحات کے عمل کو سیاسی عناصر کی مشاورت سے دور رکھا گیا تو افہام وتفہیم کی وہ فضا پیدا نہیں ہو سکے گی جو ایک ہموار، پائیدار اور سازگار جمہوری عمل کے لئے ناگزیر ہوتی ہے۔ گملوں میں لگائی گئی پنیری کبھی تناور درخت نہیں بنتی۔ اسے زرخیز مٹی اور فطری آب وہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر ہم نے خارجی جبر کے تحت بعض تلخ اور ناگوار ذائقوں کو گوارا بنالیا ہے تو کسی داخلی جبر کا انتظار کئے بغیر قومی تقاضوں کے بارے میں بھی حقیقت پسندانہ طرز عمل اختیار کر لینا چاہیے سب کچھ ''کاتب تقدیر'' کے رحم وکرم پر چھوڑ دینے کے بجائے خود اپنی تقدیر سازی پر کھلے دل ودماغ کے ساتھ توجہ دینی چاہئے۔ ''کاتب تقدیر'' کا حکم بھی یہی ہے۔

شعوری اور اختیاری فیصلوں کو زیادہ سے زیادہ معقول، زیادہ سے زیادہ قابل قبول، اور زیادہ سے زیادہ معتبر بنانے کیلئے تھوڑی سی لچک، تھوڑی سی فراخ قلبی اور تھوڑی سی وسعت نظر، پاکستان کا مقدر سنوار سکتی ہے۔ یہ سبق بہرحال نہیں بھولنا چاہئے کہ غلام گردشوں کا طواف کرنے والے سیاستدان اور دوسروں کی گردنیں اڑا کر اپنا قد اونچا کرنے والے ''رہنما'' بھنور میں پھنسی کشتی کنارے تک لانے کے بجائے اس کا بوجھ بن جاتے ہیں۔

سچی اور مخلصانہ حکمت کاری کا مرکزی نکتہ صرف ایک ہی ہونا چاہئے۔ ''عوامی رائے کے آزادانہ اظہار کے منصفانہ مواقع فراہم کرنا اور اس کے فیصلے کو دل وجان سے تسلیم کر لینا۔''

[22-01-2002]

Marfat.com

ہم کہاں کھڑے ہیں؟

اپنی پسند کا جواب تراشنے کی بے پناہ صلاحیت رکھنے کے باوجود اپنے آپ سے یہ سوال پوچھتے رہنے میں کوئی ہرج نہیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟

بھارت 11 ستمبر کے بعد سے سفارت کاری کی فتنہ پرور حسینہ کے خدوخال سنوارنے اور اسے عالمی توجہ کا مرکز نگاہ بنانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ یہ کوششیں ایک منصوبہ بند پلان کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہیں۔ یکم اکتوبر کو سفارت کاری کی اس دلہن کے رخسار سری نگر اسمبلی پر حملے کے غازے سے آراستہ کیے گئے۔ 13 دسمبر کو اس کے ماتھے پر نئی دہلی کی واردات کا جھومر سجایا گیا اور 22 جنوری کو اس کی مانگ میں کول کتہ کے ڈرامے کا سیندور بھرا گیا۔ ابھی بہت کچھ ہونا ہے۔ ابھی تو اس کے ہاتھوں میں مہندی رچے گی، اس کی آنکھوں میں کاجل بسے گا اور اس کی پلکوں پر ستارے جھلملائیں گے۔

مان لینا چاہئے کہ ہماری انقلاب آفریں قیادتوں نے وسیع تر اصلاحات اور اپنے من پسند فلسفہ حکمرانی کے زیر اثر جو کچھ کیا، اس نے ہماری قومی زندگی کے ہر شعبے کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں شاہراہیں، پل، ڈیم، کارخانے، فلاحی ادارے اور رفاہی منصوبے سیاست زدگی کا شکار ہو کر برسوں پیچ و تاب کھاتے اور اکثر جاں بحق ہو جاتے ہیں، اسی طرح قومی عظمت و سربلندی کے ضامن ادارے بھی کوئی کار خیر کرنے کے بجائے ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور خود اپنی بقاء کے مسئلے سے دوچار رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ ہم خسارے میں ہیں۔ کشمیر ہماری اس بے حکمتی کا شاہکار ہے۔ بھارت ہزاروں عصمتیں غارت کرنے، اسی ہزار انسانوں کے سینے چھلنی کرنے اور انسانی حقوق کی بدترین پامالی کے باوجود ''دہشت گردی'' کا شکار ہے اور ہم کشمیر کا مضبوط ترین مقدمہ رکھتے ہوئے بھی بے چارگی سے تماشائے اہل کرم دیکھ رہے ہیں۔ مذمت بھی کرتے ہیں تو اس ہڑبڑاہٹ کے ساتھ کہ کوئی دوسرا بازی نہ لے جائے۔ کول کتہ کے ڈرامے کے سارے عناصر

Marfat.com

ترکیبی بھی طے شدہ انداز میں جلوہ افروز ہو رہے ہیں۔ امریکن سینٹر پر حملہ اور بھارتی سیکورٹی گارڈز کی ہلاکت کا سین لکھنے والے ''سکرپٹ رائٹر'' نے بڑی مہارت کے ساتھ بھارت اور امریکہ کو بیک وقت ہدف بنا کر، پاکستان کو دونوں کے مشترکہ مجرم کے طور پر کٹہرے میں کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے۔

نئی دہلی میں کابینہ کی سیکورٹی کمیٹی نے ایک ہنگامی اجلاس میں سرکاری ردعمل کے نقوش تیار کئے ہیں۔ وزیر داخلہ ایل کے ایڈوانی نے فرمایا ہے کہ ''واردات کا کھرا ایسی مسلم دہشت گرد تنظیموں تک جاتا ہے جو پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسی آئی ایس آئی کی گود میں پروان چڑھ رہی ہیں۔'' انہوں نے مزید کہا ہے کہ ''امریکن سینٹر پر حملے سے واشنگٹن اور نئی دہلی کے درمیان دہشت گردی کو کچلنے کے لئے تعاون اور اشتراک عمل میں مزید اضافہ ہوگا۔'' بھارتی وزارت خارجہ کا کہنا ہے کہ ''واردات کے پیچھے دبئی میں مقیم فرحان عرف آفتاب ملک نامی شخص کا ہاتھ ہے جس کا تعلق حرکت جہاد اسلامی اور حرکت المجاہدین سے ہے اور یہ دونوں تنظیمیں آئی ایس آئی کے زیر اثر ہیں۔'' نائب وزیر داخلہ آئی ڈی سوامی نے فرمایا ہے کہ ''ہمارا اندازہ ہے کہ اس طرح کے واقعات کے پیچھے بھارت کے خلاف پراکسی وار لڑنے والوں کا ہاتھ ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ مشرف کے اعلان کے بعد صورت حال بہتر ہو جائے گی لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا۔''

ذرا صورت حال ملاحظہ فرمایئے۔ امریکہ کا ''شاہ دماغ'' ہنری کسنجر، دس اہم مفکرین کے ساتھ بھارت میں بیٹھا امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کی نوک پلک سنوار رہا ہے۔ پاک ہند بارڈر کو سیل کرنے اور بھارتی موقف کے مطابق ''پاکستانی مداخلت کاروں'' کا راستہ بند کرنے کے لئے سینئر امریکی مشیروں کی ایک اور ٹیم نئی دہلی میں بیٹھی ہے۔ دہشت گردی کے خاتمے کے لئے امریکی وزارت خارجہ کے کوآرڈی نیٹر فرانسس ٹیلر (Francis Tayior)، بھارت کے مشیر سلامتی برجیش مشرا سے ملاقاتوں میں مصروف ہیں۔ ایف بی آئی کے ڈائریکٹر رابرٹ ملر (Robert Mueller) نے بھی نئی دہلی میں ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ درجنوں امریکی کار پردازان کے ہمراہ ہیں۔ انڈو یو ایس جوائنٹ ورکنگ گروپ (JWG) شب و روز کام کر رہا ہے۔ پاکستان سے مطلوب بیس افراد کی فہرست اس کے ایجنڈے پر ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ پاک بھارت کشیدگی کے نقطۂ عروج پر چینی وزیر اعظم نے بھارت کا چھ روزہ دورہ کیا اور دہشت

Marfat.com

گردی کے خاتمے کے لئے اپنے بھرپور عزم کا اظہار کیا۔ اسرائیل کے لئے بھارت ''خالہ کا گھر'' بن چکا ہے۔ امریکہ اور اسرائیل دونوں بھارت سے فوجی معاہدے کر رہے ہیں۔ مشترکہ مشقیں ہونے والی ہیں۔ روس پوری طرح بھارت کے پہلو میں کھڑا ہے۔ برطانوی وزیراعظم کا دورہ جنوبی ایشیا اپنی کہانی خود سنا رہا ہے۔ کولن پاول اپنے لب ولہجہ کی تمام تر نزاکتوں کے باوجود دل کی دھڑکنیں چھپا نہیں پا رہے۔

کیا عجب تماشہ ہے؟ دنیا بھر کا کوئی ملک ایسا نہیں جو بیک وقت امریکی عزائم کا دست وبازو بھی ہو، عالمی کولیشن کا سرگرم رکن بھی ہو اور اسے خود اپنے آپ سے لڑنے پر بھی مجبور کیا جا رہا ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے اسامہ اور طالبان قصہ پارینہ بن چکے۔ اب پاکستان کا کس بل نکالنے کی نئی مہم کا آغاز ہو چکا ہے جس کی فرنٹ لائن سٹیٹ بھارت ہے۔ بھارت کی للکار، دوغلے دوستوں کی پچکار، اپنوں کا پیار سب کا مطلوب ومقصود ایک ہی ہے کہ ہم اچھے بچے بن جائیں۔ بھارت وقفوں وقفوں سے ڈرامے کر رہا ہے اور دنیا اس کی ہمدردی میں اُمڈی چلی آ رہی ہے۔ سفارت کاری کی فتنہ پرداز دلہن بن سنور رہی ہے اور ایک عالم کی نگاہیں خیرہ ہو رہی ہیں۔ لیکن ہم کہاں کھڑے ہیں؟

[24-01-2002]

Marfat.com

”نیویارک زندہ باد“

جارج بش کا انصاف معرکے پہ معرکے سر کرتا، انسانی بستیوں، راہگیروں کے قافلوں، ریڈ کراس کے مراکز، خوراک کے گوداموں، اقوام متحدہ کے ذخیروں، مہاجرین کے کیمپوں، نمازیوں سے بھری مسجدوں، قلعہ جنگی کے تہہ خانوں اور تورا بورا کے غاروں سے ہوتا ہوا قندھار کے میرواعظ ہسپتال تک آن پہنچا ہے۔ پیر کی یخ بستہ صبح ابھی پہاڑوں سے بہت دور کھڑی تھی اور ٹھٹھرتی رات اپنا سامان سفر سمیٹنے کی تیاریاں کر رہی تھی جب دنیا کی سب سے ہولناک عسکری قوت نے قندھار کے ہسپتال کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کرائے کے افغان سپاہیوں کی اوٹ میں امریکی میرین دستے دبے پاؤں آگے بڑھے۔ زخموں اور فاقوں سے نیم جاں چھ قیدی اپنے کھردرے بچھونوں پر پڑے تھے۔ ان میں سعودی عرب، یمن، سوڈان اور الجزائر کے علاوہ آسٹریلیا سے آیا ہوا ایک نومسلم مجاہد بھی شامل تھا۔ گذشتہ کئی ہفتوں سے امریکہ کی شیر دل سپاہ نے ان کا دانہ پانی بند کر رکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ القاعدہ کے ان جنگجوؤں کے پاس ہتھیار تھے اور کچھ نے دھماکہ خیز مواد اپنے جسموں سے باندھ رکھا تھا۔ انہوں نے زخمی ہونے کے باوجود ہتھیار ڈالنے اور اپنے آپ کو امریکیوں کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ آپنے وارڈ میں اس طرح قلعہ بند ہو گئے کہ اگر ہمیں پکڑنے کی کوشش کی گئی تو ہم اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے لیکن جہاد کے بانکپن پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔

تب دنیا کی واحد سپر پاور نے فیصلہ کیا کہ ایک ہسپتال میں پڑے چھ مضمحل، زخمی، نڈھال اور فاقہ زدہ انسانوں کو فتح کیا جائے۔ ریڈ کراس کے نمائندے کا کہنا ہے کہ امریکیوں نے پیشگی اطلاع کے بغیر اس طرح کا کوئی اقدام نہ کرنے کا پختہ یقین دلایا تھا لیکن اسے یہ اطلاع ہسپتال میں خوفناک دھماکوں کے ذریعے ملی۔ قندھار ائرپورٹ کے بیس کیمپ پر متعین امریکی سپاہ کے

Marfat.com

افسر رابطہ میجر راپر کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

دم توڑتی رات کے آخری لمحات میں گل آغا شیرزئی کے سپاہیوں کو ڈھال بناتے ہوئے امریکی سورماؤں نے ہسپتال پر دھاوا بول دیا۔ مجاہدین سے کہا گیا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں۔ ہتھیار نہ ڈالنے کی قسمیں کھائے قیدیوں نے خودسپردگی کی ذلت سے انکار کر دیا۔ آخری سانس کو ایک دو سانسوں کے فاصلے پر دیکھتے ہوئے بھی انہوں نے لڑتے ہوئے جان دینے کا فیصلہ کیا۔ جب امریکی گن شپ ہیلی کاپٹر بھی ہسپتال پر منڈلانے لگے تو ایکشن شروع ہوا۔ اس وقت صبح کے پونے چار بجے تھے۔ وارڈ کی کھڑکیوں سے ہینڈ گرنیڈ پھینکے جانے لگے۔ خودکار ہتھیاروں سے در و دیوار چھلنی ہونے لگے۔ جوابی فائرنگ سے اندازہ ہوا کہ قیدی سخت جان ہیں۔ فضا پیہم دھماکوں سے لرزنے لگی۔ سیاہ دھواں رات کی چادر اوڑھ کر اوپر اٹھنے لگا لیکن بھڑکتے شعلوں نے امریکی فتح کی خبر دور دور تک پہنچا دی۔ یہ رقص ابلیسی 9 گھنٹے سے زیادہ دیر تک جاری رہا۔ جس وقت قندھار کی اداس مسجدوں سے نماز ظہر کی اذانیں بلند ہو رہی تھیں، 6 قیدی آزاد ہو کر کھلی فضاؤں میں پرافشاں تھے اور امریکہ فتح حاصل کر چکا تھا۔ قیدیوں کے جسموں کے اجزاء ہسپتال کے فرش پر بکھرے پڑے تھے۔ خون کی لکیریں اس طرح ایک دوسرے میں جذب ہو رہی تھیں کہ سعودی، سوڈانی، یمنی، الجزائری اور آسٹریلوی کی پہچان مشکل تھی۔ سب لکیروں کا رنگ ایک سا، سب کی خوشبو ایک جیسی۔

میرواعظ ہسپتال دنیا کا پہلا شفاخانہ ہے جس میں داخل مریضوں پر ہیلی کاپٹروں اور خودکار ہتھیاروں کے ذریعے یلغار کی گئی۔ یہ پہلا ہسپتال ہے جس میں پڑے چھ مریضوں کو بھوک اور پیاس سے مارنے کے لئے کئی ہفتوں سے پہرہ لگا تھا۔ امریکی حیران تھے کہ یہ پھر بھی زندہ ہیں۔ بہت دیر بعد پتہ چلا کہ میرواعظ ہسپتال کی چھوٹی سی مسجد کا بوڑھا پیش امام، امریکی کولیشن کے عزائم کو ناکام بنا رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح روکھی سوکھی روٹی کے چند ٹکڑے اور پانی کا ایک آدھ پیالہ دور دیس سے آئے بیمار مہمانوں تک پہنچا دیتا۔ اس وقت امریکی قوت وحشت کو للکارنے والا بوڑھا پیش امام قندھار بیس پر امریکیوں کی قید میں ہے۔

انسانی اخلاقیات اور تہذیبی اقدار کے ادنیٰ ترین معیار کو بھی بری طرح روندنے والا امریکہ اب بھی پاکباز ہے۔ وہ اب بھی مہذب دنیا کا پیشوا اور انسانی حقوق کا پاسبان ہے۔ قلعہ جنگی کا

Marfat.com

خونی کھیل قصہ ماضی بن چکا ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں تھوڑا بہت کسمسانے کے بعد خاموش ہو چکی ہیں۔ میرواعظ ہسپتال کے غیر انسانی المیے پر بھی کوئی احتجاج نہیں ہوگا۔ دنیا خونِ مسلم کے بارے میں زیادہ حساس نہیں اور اگر آلہ قتل امریکہ کے ہاتھ میں ہو تو زبانیں ویسے ہی گنگ ہو جاتی ہیں۔ ہسپتال پر حملہ کرنے والے امریکیوں نے اپنے سروں پر پٹیاں باندھ رکھی تھیں جن پر لکھا تھا ''نیویارک زندہ باد۔'' یوں لگتا ہے جیسے چھپن اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہیں۔ وہ گوانتاناموبے کے ایکس رے کیمپ کے کسی پنجرے میں اکڑوں بیٹھی ہے اور اس کے ماتھے پر بھی پٹی بندھی ہے جس پر لکھا ہے ''نیویارک زندہ باد۔''

اس کے باوجود مرنے والوں کے لئے رونے والوں کی کمی نہیں۔ رحیم اللہ یوسف زئی نے بتایا ہے کہ کرم ایجنسی میں ملیشیا کی فائرنگ سے جاں بحق ہونے والے عرب قیدیوں کی قبریں رنگا رنگ پرچموں سے سجی، زیارت گاہیں بن چکی ہیں۔ قندھار کے قبرستان کا بھی یہی عالم ہے۔ آج کے اخبارات میں خبر آئی ہے کہ قندھار کے لوگوں نے سفید اور سبز رنگ کے بڑے بڑے جھنڈے تیار کر لئے ہیں اور ایک سخت پتھریلی چٹان کے دامن میں مانوس اجنبیوں کی قبریں تیار کر رہے ہیں۔

ظلم ڈیزی کٹر بموں، میزائلوں، توپوں، طیاروں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں کے زور پر اپنا سکہ جماتا ہے۔ وہ اپنے ماتھے پر زندہ باد کی رنگا رنگ پٹیاں سجانے کے باوجود ایک عالم کی نفرتوں کا ہدف ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن رسوائیوں کی چتا میں جل کر خاکستر ہو جاتا اور اپنے پیچھے عبرت کی کہانیاں چھوڑ جاتا ہے۔

[31-1-2002]

Marfat.com

دینی مدارس کی ضابطہ بندی

صدر پرویز مشرف نے لاہور میں دو اہم اور نامور دینی جامعات کا دورہ کیا اور یہ سگنل دینے کی کوشش کی کہ حکومت ان مدارس کے خلاف کوئی بغض نہیں رکھتی بلکہ وہ انہیں زیادہ کارگر اور جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی تمنائی ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بھی اس بات پر زور دیا کہ حکومت دینی مدارس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے البتہ ان میں زیر تعلیم طلباء و طالبات کے لئے زندگی کے زیادہ امکانات اور وسعت فکر و نظر کی خواہش مند ہے۔ ایک ننھے منے بچے کے ساتھ ان کی ایک تصویر بھی شائع ہوئی ہے جو اس تاثر کی علامت ہے کہ حکومت ان بچوں کو عزیز جانتی اور ان کی بہتر نشو و نما چاہتی ہے۔

اس سے دو دن قبل بعض اخبارات میں ایک اور نوع کی تصویر شائع ہوئی ہے۔ یہ کسی دینی مدرسے کے ایک کلاس روم کی تصویر ہے۔ طلباء رحلوں پر رکھے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں۔ ان کے سروں پر سفید ٹوپیاں ہیں اور چہروں پر نورانی شفق کھلی ہوئی ہے۔ انہیں تجوید و قرأت کی تعلیم دینے والے معلم ایک گوشے میں کھڑے ہیں۔ تصویریں آوازوں سے محروم ہوتی ہیں لیکن مجھے فرشتوں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ صاف سنائی دے رہی ہے۔ اس ملکوتی ماحول کے بیچوں بیچ کرخت چہروں والے دو پولیس مین نظر آرہے ہیں۔ ایک پولیس والا ایک معصوم بچے پر جھکا ہوا کچھ نوٹ کر رہا ہے۔ تصویر کے کیپشن میں بتایا گیا ہے کہ پولیس دینی مدارس میں زیر تعلیم بچوں کے کوائف جمع کر رہی ہے۔

شاید نئے معمولات کے تیز رو دھارے میں ہچکولے کھاتے پاکستان میں یہ معمول کی کارروائی ہو لیکن مجھے اس تصویر نے دکھی سا کر دیا۔ دینی مدارس یا کسی بھی ادارے اور نظام کی اصلاح ضرور ہونی چاہئے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ درسی نصاب کی تراش خراش کا عمل بھی جاری رہنا چاہئے۔ اصولی طور پر یہ بات درست ہے کہ فرقہ واریت اور تنگ نظری کی خاردار باڑیں

Marfat.com

لگانے والوں کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے۔ زیر تعلیم طلباء و طالبات کی رجسٹریشن اور دیگر کوائف مرتب کرنے اوراس سارے نظام کو باضابطہ بنانے میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ میری معلومات کے مطابق تو یہ عمل کافی پہلے سے جاری ہے: دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ مسالک کے چاروں ''وفاق المدارس العربیہ'' اپنے اپنے اداروں کا مکمل ریکارڈ رکھتے ہیں جو حکومت کے پاس بھی ہے۔ یہی وفاق وقتاً فوقتاً نصاب میں ترمیم و اضافہ بھی کرتے رہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان انتظامی اداروں نے مدارس کی ضابطہ بندی کا کڑا نظام رائج کر رکھا ہے اور ان کی تحویل میں چلنے والا کوئی ایک ادارہ بھی عسکری دہشت گردی کی کوئی تربیت گاہ نہیں رکھتا۔ یہ ادارے جیسے بھی ہیں اور جس معیار کے بھی ہیں ہماری دینی، تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی روایات کے امین ہیں۔ انہوں نے دینی علوم کی توسیع و اشاعت میں انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ ''مولوی'' کو کتنا ہی مطعون کر لیا جائے۔ وہ معاشرے کی ایک اہم اکائی ہے جس نے جہالت زدہ بستیوں کے اندر بھی کسی نہ کسی حد تک علم و عرفان کی شمع روشن کر رکھی ہے۔

ہمارے ان دیہات میں بھی جہاں کوئی سرکاری سکول نہیں، مساجد اور گھروں کے اندر مولوی اور اس کے اہل خانہ قرآن کی تعلیم دیتے اور ایک نوع کی خواندگی کا نور پھیلاتے ہیں۔ اصحاب صفہ کی روایات کا امین یہ قناعت شعار قبیلہ انتہائی کٹھن حالات میں کام کر رہا ہے۔ حکومت کی تجوریوں سے انہیں کبھی کچھ نہیں ملا۔ ان کے لئے اچھی عمارتیں تعمیر کرنے، ضروری سہولتوں سے آراستہ کلاس رومز بنانے، معیاری اقامت گاہوں کا انتظام کرنے اور انہیں قومی اثاثہ جان کر ان کی سرپرستی کرنے کے لئے حکومتوں نے کچھ نہیں کیا۔ اہل خیر کے خاموش چندوں پر چلنے والے ان فاقہ مست مدارس نے دینی شعور کے فروغ کے لئے اپنے محدود دائرے کے اندر قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔

یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ یہ دور سپیشلائزیشن کا ہے۔ ایک خاص سطح کے بعد طلباء و طالبات تعلیم و تربیت کے خصوصی پیشہ ورانہ دائروں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ کوئی انجینئر، کوئی ڈاکٹر، کوئی آرکیٹیکٹ، کوئی معلم۔ اسی طرح اگر کچھ لوگ قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر علوم دینیہ میں سپیشلائزیشن کرنا چاہتے ہیں تو ان پر ایسے علم کا بوجھ لادنے سے کیا حاصل جو ان کے دائرہ تخصص سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ جس طرح بی اے، بی ایس سی کی سطح تک اسلامیات اور

Marfat.com

مطالعہ پاکستان کی واجبی سی تعلیم کو کافی سمجھا جاتا ہے،اسی طرح دینی مدارس میں ابتدائی طور پر انگریزی، سائنس، ٹیکنالوجی، کمپیوٹر اور دیگر علوم حاضرہ کی ایک معقول حد تک تعلیم ضرور ہونی چاہئے لیکن دینی علوم کی اعلیٰ سطحوں میں ان زوائد کو قرآن وحدیث اور تفسیر وفقہ کا لازمی حصہ بنا دینا زیادتی ہے۔ دینی مدارس کی بہت بڑی تعداد پہلے ہی ان ضروریات سے آگاہ ہے اور متعلقہ وفاق بڑی ہوشمندی سے اس معاملے پر توجہ دے رہے ہیں۔

بات دور نکل گئی۔ میں جس تصویر کا تذکرہ کر رہا تھا وہ ذوق سلیم رکھنے والے ہر شخص کو ناگوار گزری ہوگی۔ پولیس کے ساتھ جرائم کی بیخ کنی، مجرموں کے گوشوارے مرتب کرنے اور قانون شکن عناصر کے کوائف جمع کرنے کا تصور وابستہ ہے۔ دینی مدارس کے فرشتوں جیسے معصوم حفاظ قرآن اور معلمان حدیث وفقہ، ان کی گرفت میں دکھائی دیں تو طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ یہ کام کسی سے بھی لیا جا سکتا ہے۔ وزارت مذہبی امور کے ملازمین، محکمہ اوقاف کے اہلکار، ضلعی انتظامیہ کا عملہ، سکول کے اساتذہ، کوئی بھی ہو سکتا ہے۔

مجرموں کی پناہ گاہوں پر چھاپے مارنے اور بدمعاشوں کے ''بستے'' مرتب کرنے والی پولیس کو دینی مدارس سے دور رکھیں۔ جس کسی عالی دماغ نے اس کام کے لئے پولیس کا انتخاب کیا ہے، وہ حکومت اور دینی مدارس کے درمیان خلیج کو وسیع کرنا اور عوام کے ذہنوں میں بدگمانی کے بیج بونا چاہتا ہے۔

[01-02-2002]

Marfat.com

بھارت کا کرخت لہجہ

نازک مزاج شاہاں ملاحظہ فرمائیے!

بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی فرماتے ہیں کہ ''بھارت کشمیر کے کسی حصے کو پاکستان کے حوالے نہیں کرے گا۔ہم نے بھگوان کی مدد سے اپنے پڑوسی ملک کو اتنی مشکل میں ڈال دیا ہے کہ بہت جلد دہشت گردی کے خلاف بین الاقوامی مہم پاکستان کے زیر قبضہ کشمیر میں ہوگی جہاں دہشت گردوں کے تربیتی کیمپ ہیں پاکستان کشمیر کا واویلا چھوڑ دے۔کشمیر صدیوں سے ہندوستان کے ساتھ ہے اور مستقبل میں بھی رہے گا۔'' بھارتی وزیراعظم نے کمال رعونت سے کہا کہ پاکستان کے ساتھ مذاکرات خارج از امکان ہیں۔انہوں نے پاکستان میں امریکی افواج کی موجودگی کو پورے خطے کے لئے نامناسب قرار دیا اور دوٹوک انداز میں کہا کہ'' جب تک امن بحال نہیں ہوتا، بھارت کی فوجیں بدستور سرحدوں پر تعینات رہیں گی۔''

بھارت کے مزاج میں یہ برہمی کیوں آ رہی ہے اور اس کے لہجے کا کھردرا پن کیوں بڑھتا جا رہا ہے؟ اس کا جائزہ لینے کے لئے حالات و واقعات پر سرسری نگاہ ہی کافی ہے۔ 11 ستمبر کے بعد جو نئی دنیا وجود میں آئی ہے وہ ہزاروں سال والی اس دنیا کا نیا جنم ہے جس میں اصول، نظریئے، عدل، اخلاقیات اور تہذیب کے سارے قرینے طاقتوروں کے مزاج سے پھوٹتے تھے اور بھینس خود بخود اس کے تھان پر آ کھڑی ہوتی تھی جس کے ہاتھ میں لاٹھی دیکھتی تھی۔صدیوں کا سفر طے کر کے جدید دور تک پہنچنے والا انسان پوری طرح مہذب تو نہ ہو سکا لیکن برہنہ طاقت آزمائی اور قوت کے مکروہ مظاہرے کے لئے اسے کئی بہانے تراشنے پڑتے تھے۔دو عالمی جنگوں کے بعد یہ احساس زیادہ پختہ ہوا کہ انسانیت کشی کوئی زیادہ دلپسند مشغلہ نہیں۔ جبر، استحصال اور جارحیت کی حوصلہ شکنی نے احترام انسانیت کے تصور کو احیاء بخشا۔اسی تازہ فکر کے بطن سے اقوام متحدہ نے جنم لیا۔ظلم و زیادتی کا سلسلہ تو نہ رکا لیکن ڈھٹائی اور رعونت اس قدر بے لباس نہ رہیں

Marfat.com

کہ گھن آنے لگے۔

11 ستمبر کو نیویارک اور واشنگٹن میں جو کچھ ہوا وہ تو سب کے سامنے ہے لیکن یہ جاننے میں وقت لگے گا کہ اس کے پس منظر میں کون تھا اور کس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو توپ کے دہانے کے سامنے کھڑا کر دیا؟ اس ڈرامے کے نتیجے میں امریکہ نے ایسا ردعمل اختیار کیا جس میں انسانی اقدار اور تہذیبی حسن کا شائبہ تک نہ تھا۔ افغانستان کو جس بری طرح جدید فوجی مشینری کے ذریعے کچلا گیا اور انسانی اقدار کی جس گھناؤنے انداز میں عصمت دری کی گئی، اس نے ایک عالم کو حیران و ششدر کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکی رویئے نے ساری مہذب دنیا کو خوفزدہ کر دیا اور خوف کی یہ زرد چادر ابھی تک اقوام عالم کے فکر و احساس پر تنی ہوئی ہے۔ پاکستان بھی اسی خوف کے زیر اثر ایک ایسی راہ پر چل نکلا جس کے کسی سنگ میل، کسی موڑ، کسی پیچ و خم اور کسی پڑاؤ پر اس کا کوئی اختیار نہیں۔ خوف و دہشت کی اسی کیفیت نے اسلامی ممالک کو بھی اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ ''سب سے پہلے پاکستان'' کے انداز میں ہی مراکش سے انڈونیشیا تک سب سے پہلے مصر، سب سے پہلے لبنان، سب سے پہلے اردن، اور سب سے پہلے ملائشیا، وغیرہ کی صدائیں اٹھ رہی ہیں۔ 11 ستمبر کے بعد سامراج کا سورج نئی آب و تاب کے ساتھ بام تاریخ پر طلوع ہوا ہے جو نوآبادیاتی فکر کے حامل ہر ملک کو اپنے ابلیسی عزائم کی تکمیل پر ابھار رہا ہے۔ جن اقدامات کے لئے طاقتور قوموں کو بھی سو سو بہانے تراشنے پڑتے تھے اور انہیں روبہ عمل لاتے وقت دنیا بھر کی ملامت کا احساس پتھر جیسی پیشانیوں کو بھی عرق آلود کر دیتا تھا، اب وہ سب کچھ کھلے بندوں ہو رہا ہے اور اس انتہا درجے کے غلیظ کھیل کو ''دہشت گردی کے خلاف مہم'' کا مقدس نام دے دیا گیا ہے۔ طاقت کی اس بے مہار خودسری کے سامنے دنیا دم سادھے بیٹھی ہے اور سامراج، کولیشن کے سبک خرام گھوڑے پر سوار بگٹٹ دوڑے چلا جا رہا ہے۔

اٹل بہاری واجپائی، کے ایل ایڈوانی، جارج فرنینڈس اور جسونت سنگھ کا بھارت، 11 ستمبر کے بعد جنم لینے والی دنیا کا فرزند ہے جو حق و انصاف کی تمام قدروں کو بے رحمی سے روندتا ایک غیر اصولی اور غیر اخلاقی موقف کی بنیاد پر ہمیں آنکھیں دکھا رہا ہے۔ وہ اپنے جوہر تخلیق کے اعتبار سے ہی عیاری اور مکاری کے فریب کارانہ رویوں کا نمونہ رہا ہے جسے 11 ستمبر کے بعد جنم لینے والی حیا

Marfat.com

باختہ آب و ہوا نے اور زیادہ تقویت بخشی ہے۔ اس بھارت کے حضور پیشکشوں، معاہدوں، رعائتوں، مصافحوں، معانقوں، ملاقاتوں اور مداراتوں کے نذرانے چڑھانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کے سامراجی ذہن اور برہمنی سوچ کو نکیل ڈالنے کے لئے توانا، پرعزم، جرأت مندانہ اور دوٹوک موقف اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں خوش گمانیوں کو جھٹلا کر اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ امریکہ اور مغرب، بھارت کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ لیپا پوتی کی ساری کوششوں اور ہماری شان میں کہے جانے والے آئے دن کے قصیدوں کے باوجود ہماری حیثیت کولیشن کے طبلچی کے سوا کچھ نہیں۔ شاید امریکہ کی حد تک تو ہم "بے سُرا" ہونے کا خطرہ مول نہ لے سکیں لیکن بھارت کے بارے میں ہمیں اپنے حالیہ طرز عمل پر ضرور نظر ثانی کرنی چاہئے۔ واجپائی کی شرائط اور مطالبات کے سامنے لچکدار رویہ اختیار کرنے کا نتیجہ صرف یہی نکلا ہے کہ بھارت سرعام ہماری تضحیک اور توہین پر اتر آیا ہے۔ کیا واجپائی کا تازہ اندازِ کلام اس امر کا تقاضا نہیں کرتا کہ ہم زیادہ جرأت مندانہ، باوقار اور وجیہہ طرز عمل اختیار کریں۔ امریکہ کے جبر کے سامنے جھکنا مجبوری سہی لیکن بھارت کی حضوری ہمارے وجود کو ہی مشکوک بنا دے گی۔

[05-02-2002]

Marfat.com

بحالیٔ اعتماد کی تلقین

امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے مشورہ دیا ہے کہ حالات کو سازگار بنانے اور کشیدگی کم کرنے کے لئے پاکستان، بھارت کا اعتماد بحال کرے تاکہ جنوبی ایشیاء جنگ کے خطرے سے آزاد ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ دہشت گردی کے خلاف حالیہ مہم میں دونوں ممالک کو اشتراک عمل کے ساتھ جدوجہد کرنی چاہئے اور ایسا نظر نہیں آنا چاہئے کہ یہ مہم ایک دوسرے کے خلاف ہے۔

پاکستان سال ہا سال سے انہی الجھاوؤں کی گتھیاں سلجھا رہا ہے کہ وہ کس کس کے اعتماد پر پورا اترنے کے لئے کیا کیا کچھ کرے اور ایثار و قربانی کے کون کون سے اقدامات کے ذریعے کن کن نازک مزاجوں کے دلوں کا میل صاف کرے؟ قومی تاریخ کے ایک ایک ورق پر اپنوں کی خنجر آزمائی کے باعث ہمارے سینۂ صد چاک سے پھوٹنے والے لہو کے چھینٹے ہیں۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد ہم نے پڑوس کے روس کو چھوڑ کر سات سمندر پار کے امریکہ سے دل لگایا اور اس پر اس قدر اندھا اعتماد کیا کہ دفاع و استحکام اور عزت و وقار کی ساری خوش گمانیاں اس کے ساتھ وابستہ کر لیں۔ اس کی عطاؤں کی امید ہماری اداؤں کے زاویے بُنتی رہی۔

1971ء میں جب ہمیں اپنی تاریخ کے سب سے بڑے چیلنج کا سامنا ہوا تو بھی ہم نے چین جیسے دوست کے مشوروں یا اپنے دست و بازو پر بھروسہ کرنے کے بجائے فتح و کامرانی کے سنہری امکانات امریکہ کی شفقت و عنایت سے جوڑ لئے۔ جب بھارت کی فوج اور مکتی باہنی، مشرقی پاکستان میں ہمارے اعصابی نظام کو بری طرح مفلوج کر چکی تھیں اور پاکستان کا پرچم کسی مزار کے سرہانے اُگے کیکر کے درخت پر ٹنگے بوسیدہ کپڑے کی طرح دھجیاں ہو رہا تھا، تو ہم فریب خوردہ آنکھوں پر دوربینیں چڑھائے بحر ہند کی موجوں کا تماشا کر رہے تھے جن کے دوش پر سوار امریکی بیڑا ہماری مدد کو آیا چاہتا تھا۔ یہ بیڑا اس وقت بھی ہماری نگاہوں کی گرفت میں نہیں آیا جس وقت نوے ہزار قیدیوں سے لدی ٹرینیں بھارت کی حدود میں داخل ہو رہی تھیں اور دونوں طرف

Marfat.com

کھڑے بھارتی عوام اپنی فتح و کامرانی کے گیت گا رہے تھے۔ ہم نے آج بھی اقتصادی ترقی و خوشحالی کی ساری آرزوئیں امریکہ کی کشادہ دستی سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ اسی کے مکتب کے فیض یافتہ ماہرین ہماری معاشی پالیسیوں کی صورت گری کرتے اسی کے ادارے ہماری ترجیحات کو ترتیب دیتے اور اسی کے رنگ ساز ان ترجیحات میں منصوبہ بندی کا رنگ بھرتے ہیں لیکن عالم یہ ہے کہ آج بھی ہم بھکاری ہیں۔ 37 ارب ڈالر کا قرضہ بدستور ہماری قومی غیرت وخودی کو نکیل ڈالے ہوئے ہے اور ہم روزمرہ کے اخراجات کے لئے بھی حسن طلب کے نئے نئے قرینے ایجاد کرنے پر مجبور ہیں۔

بلا سوچے سمجھے یار دلدار کے اشارۂ ابرو پر رقص کرتے مدتیں ہو چلیں۔ ہم ایسے اتحادوں کا حصہ بنے جن کا مقصد صرف اس کے مخالفین کو دبانا تھا۔ اس کی خوشنودی کی خاطر ان کی دشمنی مول لی جن سے ہمارا کوئی جھگڑا نہ تھا۔ اس کے مفادات کے لئے اپنے مفادات کے منافی پالیسیاں اپنائیں۔ اس کی کلغی اونچی کرنے کے لئے اپنی خودی کو کچلا اور کرائے کے سپاہی بنے۔ 11 ستمبر کے بعد تو ہم نے اپنے سب دروازے اس کے لئے کھول دیئے۔ اپنے دلوں میں اس کی دھڑکنیں آباد کیں، اپنی آنکھوں میں اس کے خواب بسائے، اپنے دماغوں کو اس کی سوچ سے آراستہ کیا اور اپنی زبان کو اس کے لب ولہجہ کی رعنائی بخشی۔ اپنے ہوائی اڈے دیئے۔ اپنی تنصیبات دیں۔ اپنی انٹیلی جنس دی، اپنی فضائیں دیں، اپنے پانیوں پر تصرف دیا۔ اپنے نظام مواصلات کی سہولت بخشی۔ یہ سب کچھ جانے دیجئے ہم نے تو اپنے جذبہ واحساس کی پونجی بھی اس کے حوالے کر دی۔ شاید امریکہ کبھی اس کا اندازہ نہ لگا سکے کہ اپنے ہاتھ طالبان کے خون ناحق سے رنگنے کے بعد ہم کس قیامت سے گزر رہے ہیں۔ برفباری کے موسموں میں کہ جب بھیڑ بکریاں بھی میدانوں کو اتر آتی ہیں، ملا عمر کو قندھار سے نکال کر یخ بستہ پہاڑوں کی طرف دھکیل دینے کے بعد ہمارے لئے نرم و گداز بستروں کی نیند کتنی اذیت ناک ہو چکی ہے۔ ملا عبدالسلام ضعیف کو پکڑ جکڑ کر ایف سفاک سپاہ کے حوالے کرنے کا ان دیکھا منظر کس طرح ہمارے دلوں پر آرے چلا رہا ہے۔ ہزاروں بے گناہ افغانیوں کی ہلاکت نے کروڑوں پاکستانیوں کو کس کرب سے دوچار کر رکھا ہے۔ جارج بش اور کولن پاول کبھی یہ تصور بھی نہیں کر پائیں گے کہ پاکستان نے 11 ستمبر کے بعد اپنے کن کن آدرشوں کو پھانسی چڑھایا، کن کن اصولوں کی قبریں کھودیں اور کن کن نظریات کا گلا گھونٹا۔

Marfat.com

امریکہ کے اعتماد پر پورا اترنے کے لئے ہم نے کیا کچھ نہیں کیا؟ اس کے بدن کو خوش رنگ قبائیں بخشنے کے لئے اپنی ستر پوشی کا بھرم بھی نہ چھوڑا لیکن وہ ہمیں بھارت کے اعتماد پر پورا اترنے کی تلقین کر رہا ہے۔ ہمیں، کسی بے دست و پا شخص کی جواں سال بیٹی کی طرح، چوبارے میں بٹھا کر حکم صادر کرتا ہے کہ ہماری دلداری کافی نہیں، ہمارے دوستوں کا دل بھی لبھاؤ۔ ان کے اعتماد پر بھی پورا اترو اور ہماری فریب خوردہ آنکھیں آج بھی وائٹ ہاؤس سے دودھ اور شہد کی نہریں پھوٹتی دیکھ رہی ہیں۔

کسی سے کیا گلہ

یہ بھی کب تک کہ ہر آفت کا سبب ہے کوئی اور
منزلیں خود بھی تو کم کرتی ہیں رستہ اپنا

[10-02-2002]

Marfat.com

آخر کب تک

طالبان عہد کے وزیر خارجہ ملا وکیل احمد متوکل کس طرح گرفتار ہوئے؟ کیا انہوں نے کابل انتظامیہ کے ساتھ کسی مفاہمت کے بعد اپنے آپ کو پیش کر دیا؟ کیا گل آغا کے گرگوں نے انہیں پکڑ کر امریکیوں کے حوالے کر دیا؟ کیا افغان وزیر خارجہ کا یہ اعلان درست ہے کہ پاکستانیوں نے انہیں گرفتار کر کے امریکہ کے سپرد کر دیا؟ جلوزئی کے مہاجر کیمپ سے سابق طالبان نائب وزیر صحت مولوی صدیق کو کس انداز سے شکنجے میں لیا گیا؟ یہ سب بیکار کی باتیں ہیں۔

اس تحقیق سے بھی کچھ حاصل نہیں کہ "نو گرفتار چمن" کو قندھار یا بگرام کے کون سے عقوبت خانے میں رکھا جائے گا؟ اس بات کی ٹوہ لگانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں کہ انہیں گوناناموے کے چڑیا گھر بھیجا جائے گا یا نہیں؟ اور اگر بھیجا جائے گا تو کون سے پنجرے میں ڈالا جائے گا؟ شرف انسانیت کے احترام، انسانی حقوق کی پاسداری اور تہذیب و اخلاق کے تمام تر معیارات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ نئے دستور العمل کے تحت یہ ساری الجھنیں بے معنی ہیں کہ کسی شخص کی آزادی کو کس طرح زنجیر پہنائی جا سکتی ہے اور ایک آزاد ملک کے آزاد شہری کو سات سمندر پار سے آیا گوری چمڑی والا سپاہی کس طرح ہتھکڑی ڈال سکتا ہے؟ یہ سوالات قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ کسی مستند ثبوت کے بغیر اسامہ بن لادن کو مجرم قرار دے کر ایک پورے ملک کو کھنڈر بنا دینے پر دنیا کے کسی ملک نے احتجاج نہیں کیا۔ کوئی نہیں بولا کہ ایک نہتی قوم کے خلاف اندھی عسکری قوت سے بے محابا استعمال کا کیا جواز ہے؟ کسی نے نہ کہا کہ ذرا دم لو۔ اقوام متحدہ موجود ہے۔ عالمی عدالت انصاف موجود ہے۔ اسلامی کانفرنس موجود ہے۔ بہت سی اور عالمی تنظیمیں موجود ہیں۔ کوئی بیچ بچاؤ کا راستہ اختیار کرنے دو۔ کسی نے نہ پوچھا کہ دہشت گردی کسے کہتے ہیں؟ کسی نے سوال نہ کیا کہ دہشت گردی کے خلاف شروع کی جانے والی اس مہم کے حدود اربعہ کیا ہیں؟ اس کے برعکس ہر کسی

Marfat.com

نے ایڑیاں اٹھا اٹھا کر اپنے آپ کو قد آور جنگجو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ہر کسی نے اپنا کندھا امریکی بندوق کی نذر کرنے کے لئے دوسرے سے بازی لے جانے کے جتن کئے۔ پاکستان نے تو اس جاں سپاری کو اپنی حکمت کاری کا عظیم معرکہ قرار دیا اور طالبان کشی میں فرنٹ لائن سٹیٹ کا کردار ادا کرنے کے فیصلے کو قومی تاریخ کے سب سے جرأت مندانہ اقدام سے تعبیر کیا۔ اسی طرح کے جرأت مندانہ اقدامات نے، ابتدائی طور پر ہچکچاتے اور جھجکتے امریکہ کو بھی، نئی جرأتِ پرواز اور قوت آزار عطا کی۔ اب وہ رسمی طور پر بھی اقوام متحدہ کی طرف نہیں دیکھتا۔ جارج بش، کولن پاول اور رمز فیلڈ کے حاشیہ خیال میں آنے والا ہر تصور اور دل میں انگڑائی لینے والی ہر خواہش، کرہ ارضی کے لئے فرمانِ غیب کا درجہ رکھتی ہے۔ عالمی برادری کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ امریکہ کے خوابوں میں تعبیروں کی مینا کاری کرے۔

خوف و ہراس کا یہ عالم تو کسی دور میں نہ تھا۔ ایسی بے چارگی تو غالباً اس زمانے میں بھی نہ تھی جب دنیا لامحدود اور بے حد وسیع تھی اور کائنات کے کسی گوشے میں رونما ہونے والا واقعہ حد نظر تک ہی محدود رہتا تھا یا برسوں بعد دنیا کے کسی دوسرے حصے تک اس کی خبر جاتی تھی۔ ایسی اندھیر نگری تو تب بھی نہ تھی جب انسان جہالت کے تاریک غاروں میں رہتا بستا تھا۔

امریکہ کا خیال ہے کہ اس نے اپنے جبر و قہر سے ساری دنیا کو اپنا مطیع بنا لیا ہے اور وہ جس نوع کا بھی ظلم ڈھائے، کوئی اس کا ہاتھ روکنے والا، کوئی اسے پوچھنے والا نہیں۔ یہ بات بڑی حد تک درست ہے لیکن کیا امریکہ یہ بھی جانتا ہے کہ 11 ستمبر کے بعد سے اس کے چہرے سے تہہ در تہہ اترنے والے نقابوں نے اس کے بھیانک خدوخال کو کس قدر نمایاں کر دیا ہے؟ دنیا بے شک سہمی ہوئی ہے۔ خوفزدہ اور ہراساں ہے۔ جارج بش کی آستین کے ایک ایک تار سے انسانی لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں اس کے باوجود اس سے ہاتھ ملانا اعزاز اور اس کے پہلو میں بیٹھ کر کھانا تناول کرنا سعادت ہے۔ ایک پڑھا لکھا معاشرہ ایسے جنون میں مبتلا کر دیا گیا ہے کہ گئے دنوں کی بربریت بھی شرمانے لگی ہے۔ قانون، انصاف، اخلاق، تہذیب اور انسانیت کی تمام اقدار کو بری طرح پامال کرنے کے باوجود ایک عالم کی ستائش اور نیاز مندی کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ امریکہ واقعی امامِ عصر بن چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ پیہم نفرتوں کی فصل بو رہا ہے جو بہت دیر تک اسے دشنام بنائے رکھے گی۔

Marfat.com

طالبان تو فنا ہو کر بھی زندہ رہیں گے کہ وہ کسی اسامہ، کسی ملا عمر، کسی عبدالسلام ضعیف اور کسی وکیل احمد متوکل کے محتاج نہیں۔ وہ کربلاؤں کو سیراب کرنے والے دائمی سرچشموں کے فیض یافتہ ہیں۔ ایسے سخت جان قبیلے ڈوبتے ابھرتے رہتے ہیں۔ آج ڈاڑھیوں اور پگڑیوں والے یہ فاقہ مست بے یارو مددگار سہی لیکن وہ دن دور نہیں جب یہ یا ان جیسا کوئی اور، ایک بار پھر للکار بن کر عرصہ پیکار میں آئے گا۔ تب انسانوں کو بھیڑ بکریوں سے بھی بدتر سمجھنے والوں کو سارا حساب سود مرکب کے ساتھ بے باق کرنا ہوگا کہ تاریخ تھوڑی بہت ری شیڈولنگ تو کر لیتی ہے لیکن اپنا قرض کبھی معاف نہیں کر پاتی۔

[11-02-2002]

Marfat.com

تصویر کا روشن رخ

بعض لوگوں کو کیڑے نکالنے کی عادت ہوتی ہے اور وہ کسی کانٹے کی ہلکی سی چبھن کو بہانہ بنا کر بھری بہار کی رعنائیوں کو کوسنے لگتے ہیں۔

پاکستان 37 ارب ڈالر سے زائد قرضوں کے بھاری بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اس میں سے 2.8 بلین ڈالر براہ راست امریکی تجوری سے تعلق رکھتا ہے۔ صدر پرویز مشرف کے پہلے سرکاری دورہ امریکہ کے موقع پر پاکستان کی عظیم خدمات اور دہشت گردی کے خاتمے کی مہم میں تاریخ ساز کردار ادا کرنے کے باعث صدر جارج بش نے مژدہ سنایا کہ وہ کانگریس سے ایک ارب ڈالر کا قرضہ معاف کر دینے کی درخواست کر رہے ہیں۔ توقع ہے کہ کانگریس بخوشی اس کی منظوری دیدے گی تاہم سینٹ کی کمیٹی برائے تعلقات خارجہ کے چیئرمین مسٹر جوزف بائڈن (Joseph Biden) نے صدر مشرف سے تفصیلی ملاقات کے بعد اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے اسے کئی اقدامات سے مشروط کر دیا۔ یہ شرائط انہی کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہیں:۔

1. "Genuine, fair, open election in October.

2. He (Musharraf) will continue to be committed in dealing with eradicating extremists in Pakistan and cooperating with us on terrorists who may be infiltrating into and out of Pakistan.

3. De-esclation of the situation on the borders with India."

ترجمہ:۔ ''1۔ اکتوبر میں کھرے، منصفانہ اور شفاف انتخابات۔

2۔ وہ (صدر مشرف) پاکستان میں انتہا پسندوں کا قلع قمع کرنے کے عزم پر قائم رہیں گے اور پاکستان کے اندر داخل ہونے یا پاکستان سے نکل کر کہیں اور جانے والے دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کے لئے ہمارے ساتھ تعاون جاری رکھیں گے۔

Marfat.com

3۔ بھارت کے ساتھ سرحدوں پر پائی جانے والی کشیدگی میں کمی لائیں گے۔''

قبل ازیں صدر بش یہ یقین دلا چکے ہیں کہ امریکہ اور پاکستان کی دوستی'' مختصر دورانیے کا رقص'' نہیں بلکہ دیرپا بنیادوں پر قائم ہوگی تاہم انہوں نے بھی باہمی دوستی اور تعاون کے لئے تین شرائط کا حوالہ دیا تھا۔ امریکہ کی'' بے اعتباری'' کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

"So long as we share the same ideals, values and common objectives,we will work with Pakistan."

ترجمہ:۔'' جب تک ہمارا نصب العین، اقدار اور مقاصد مشترکہ رہیں گے، ہم پاکستان کے ساتھ مل کر کام کرتے رہیں گے۔''

ان شرائط سے قطع نظر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک احسان مند اور شکر گزار قوم کی طرح صدر جارج بش کا غیر مشروط شکریہ ادا کیا جائے۔ اگرچہ ایک بلین قرض کی معافی میں ابھی کچھ مرحلہ باقی ہیں اور ماہرین کا کہنا ہے کہ کانگرس مان گئی تو بھی بھوک سے بلبلاتے اس اونٹ کے منہ میں زیرہ 2003ء کے اواخر تک ہی جا سکے گا۔ اسی طرح تعلیمی شعبے بالخصوص نصاب تعلیم کی'' اصلاح'' کے لئے تین کروڑ چالیس لاکھ ڈالر کی امداد کو بروئے کار لانے اور زمینی نتائج مرتب کرنے میں لمبا عرصہ درکار ہوگا۔ برآمدات میں اضافہ اور دفاعی تعاون کے منصوبے بھی ہتھیلی پر سرسوں نہیں جما سکیں گے لیکن ان سارے وسوسوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے اگر ہم صدر بش کی اس فراخدلانہ تعریف و توصیف کا تصور کریں جو شاید پچپن سالہ قومی تاریخ میں پہلی بار کسی پاکستانی رہنما کے حصے میں آئی ہے تو دل احساس تشکر سے لبریز ہو جاتا ہے۔ صدر مشرف کے تدبر اور وژن کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے جارج بش یہاں تک کہہ گئے:

"I am proud to call him a friend."

(میں صدر مشرف کو اپنا دوست کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔)

اس کے علاوہ انہوں نے فرمایا'' میں پاکستانی عوام کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے سٹیٹ آف یونین خطاب میں زیادہ عالمی لیڈروں کا تذکرہ نہیں کیا تھا لیکن میں نے ایک خاص وجہ سے صدر مشرف کا ذکر کیا تھا۔ یہ اس امر کا اشارہ تھا کہ میں پاکستان سے مضبوط اور بامعنی

Marfat.com

تعلقات کا خواہش مند ہوں۔''

ہمارے کتنے ہی لیڈر امریکی صدر سے ہاتھ ملانے کی آرزو میں رزق خاک ہو گئے۔ کتنے ایسے ہیں جو ابھی تک اس آرزو کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں کہ شاید ان کی لوح تقدیر پر کوئی ایسا خوش بخت لمحہ ثبت ہو جب امریکی صدر کے شیریں ہونٹوں پر ان کا نام آئے۔ بڑے بڑے قد آور اور مقبول جمہوری حکمران امریکہ کے پتھر دل میں ایسا گداز پیدا نہیں کر سکے۔ بلاشبہ یہ دورہ سارے زمانوں کا کامیاب ترین دورہ ہے لیکن دو باتوں نے اس کا حسن گہنا دیا۔ ڈینئل پرل کا معاملہ تو خیر ہمارے بس میں نہیں لیکن بعض بیمار ذہنوں نے جوتے اتروانے اور جامہ تلاشی والے قضیئے کو ضرورت سے زیادہ ہوا دی ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تصویر کے روشن رخ کو دیکھا جائے۔ امریکی عنایات اور صدر بش کے شیریں کلمات کے مقابلے میں ''جوتے اتروانے'' کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے؟ برسوں پہلے جناب اشفاق احمد، کا ایک طویل دورانئے کا ڈرامہ پی ٹی وی پر چلا تھا جس کا نام تھا ''ننگے پاؤں'' موجودہ حالات میں شاید اسے دوبارہ دکھانا ممکن نہ ہو لیکن یہ ڈرامہ کیسٹ اور کتاب کی شکل میں دستیاب ہے۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ایک بڑے ادیب کی فکر رسا کس طرح آنے والے زمانوں کے اس پار کی خبر رکھتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکی عنایات نے ساری قوم پر کیف و سرمستی کی کیفیت طاری کر رکھی ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ میں موجود پاکستانی ارکان وفد سرشاری کے کس عالم میں ہوں گے؟ میر کا ایک بے محل سا شعر یاد آ رہا ہے

شیخ جو ہے مسجد میں ننگا، رات کو تھا میخانے میں
خرقہ، جبہ، ٹوپی، کرتا، مستی میں انعام کیا

ہم نے تو صرف جوتے اتارے ہیں۔

[16-02-2002]

Marfat.com

تصویر کا روشن رخ (2)

بلی پوری طرح تھیلے سے باہر آنے میں شاید کچھ اور وقت لگ جائے لیکن یہ بات ابھی سے کھل گئی ہے کہ عالی مقام صدر جارج بش نے دو ارب اسی کروڑ ڈالر کے قرضے میں سے جس ایک ارب ڈالر قرضے کی معافی کا تذکرہ کیا تھا وہ طلسم وہم وگماں کے سوا کچھ نہیں۔ خود وائٹ ہاؤس کے ترجمان نے اپنی بے چارگی کا اظہار کرتے ہوئے اخبار نویسوں کو بتایا ہے کہ میں اس کو پوری طرح سمجھ نہیں پا رہا۔ اقتصادی ماہرین اپنے اپنے طور پر اس پیچ در پیچ معمے کی گرہیں کھول رہے ہیں لیکن خود امریکہ خاموش ہے اور نہیں بتا رہا کہ اس "معافی" کے کیا معنی ہیں؟ اب تک صرف اتنی بات کھلی ہے کہ امریکہ نے قرضے کی ری شیڈولنگ کے ذریعے ادائیگی کی مدت میں اضافہ اور سود کی شرح میں جو کمی کی ہے اس سے پاکستان کو کچھ فائدہ پہنچے گا۔ چنانچہ سال ہا سال کے اس عمل کے بعد جب پاکستان کی آنے والی نسلیں جدید برقی کمپیوٹرز کی مدد سے طویل عرصے کے دوران قطرہ قطرہ جمع ہونے والی رعایت کا حجم نکالیں گی تو وہ ایک ارب ڈالر کے لگ بھگ ہوگی۔

صدر مشرف کی امریکہ روانگی سے قبل امریکی سفیر وینڈی چیمبرلین نے کہا تھا کہ صدر کا دورۂ امریکہ تاریخی اہمیت کا حامل ہوگا، وہ جو مانگیں گے ملے گا اور اس موقع پر جس امدادی پیکج کا اعلان ہوگا، اس سے پوری پاکستانی قوم انگشت بدنداں رہ جائے گی۔ ان کے یہ فرمودات کم از کم اس حد تک ضرور سچ ثابت ہوئے ہیں کہ پوری قوم انگشت بدنداں ہے۔

اقتصادی حوالے سے پاکستان نے صدر مشرف کے دورہ امریکہ سے پانچ اہم مقاصد وابستہ کر رکھے تھے۔

1۔ امریکہ 2.8 بلین ڈالر کا پورا قرضہ بیک جنبش قلم معاف کر دے گا۔

2۔ پاکستانی برآمدات میں اضافے کے لئے امریکی منڈی میں خاطر خواہ گنجائش پیدا کی جائے گی۔

Marfat.com

3۔ پاکستانی مصنوعات کے لئے ٹیرف (کسٹم ڈیوٹی وغیرہ) ختم کر دیا جائے گا یا اس میں نمایاں کمی کی جائے گی۔

4۔ پاکستان کو بڑے ترقیاتی منصوبوں کے لئے کافی اقتصادی امداد ملے گی۔

5۔ دفاعی تعاون کا وہ بندوبست بحال ہو جائے گا جو 1990ء تک چلتا رہا۔

ان میں سے کوئی ایک مقصد بھی پوری طرح حاصل نہیں ہو سکا۔ قرضے کی معافی تاویلات میں الجھ چکی ہے اور اگر عالمی ذرائع ابلاغ کے تبصرے درست ہیں تو ہمارے ساتھ بے ڈھب قسم کی فریب کاری کی گئی ہے، جیسے ٹافی کا جھانسا دے کر بسورتے بچے کو راضی کیا جائے۔ اہم پہلو یہ ہے کہ اس جھانسے کے لئے بھی کانگریس اور سینٹ کی منظوری لازمی ہے جب کہ سینٹ اور کانگریس کی تعلقات خارجہ کمیٹیوں کے دونوں سربراہ متضاد خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔ سینٹ کمیٹی کے چیئرمین سینٹر جوزف بیڈن نے پھر یاد دہانی کرائی ہے کہ ''شرائط کی پابندی ضروری ہے۔'' جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ بھارت پر بھی زور دیں گے کہ وہ ''سرحدوں پر کشیدگی کم کرے'' تو انہوں نے چڑ کر کہا ''میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ کون ٹھیک ہے اور کون غلط، البتہ پاکستان کو چاہئے کہ سرحد پار سے مداخلت کاری نہ کرے اور لائن آف کنٹرول پر کشیدگی میں کمی لائے۔'' اُدھر بھارتی لابی اور اس کے زیر اثر ڈیڑھ سو سے زائد سینیٹرز اور کانگریس مین بھی متحرک ہو گئے ہیں اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ لب تک جام آنے میں کتنی لغزشیں حائل ہوں گی۔

پاکستانی برآمدات میں اضافے کے لئے کوئی قابل ذکر کارروائی نہیں کی گئی۔ ٹیکسٹائل کوٹے میں پاکستان کے ساتھ پہلے ہی امتیازی سلوک ہو رہا ہے۔ یہ کوٹہ دو فی صد ہے جو پاکستان کی پیداواری صلاحیت اور کاٹن کی کوالٹی کے اعتبار سے نہایت کم ہے۔ امریکی درآمد کنندگان کو پاکستانی پولی ایسٹر پر 20 فی صد سے زائد اور کاٹن پر تقریباً 30 فی صد کسٹم ڈیوٹی ادا کرنا پڑتی ہے۔ امریکہ کاٹن برآمد کرنے والے بیالیس دوسرے ممالک کو متعدد رعایتیں دے چکا ہے۔ پاکستان اور امریکہ کے کاروباری طبقے کو صدر کے دورہ امریکہ سے خاصی توقعات تھیں۔ وزیر تجارت اسی مقصد کے لئے پاکستانی وفد میں شامل تھے لیکن ''جوتا چھپائی اور جامہ تلاشی'' کی اذیت و ندامت کے باوجود ان کے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ امریکہ نے ٹیکسٹائل کوٹے میں تقریباً چودہ کروڑ ڈالر کے برائے نام اضافے کا اعلان کیا ہے جسے خود جناب رزاق داؤد نے ''بہت ہی کم'' (very

Marfat.com

(small)اور غیر تسلی بخش قرار دیا ہے۔ ٹیرف میں خاتمے یا اس میں کمی کا مطالبہ یکسر رد کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ بھارتی کسٹم ڈیوٹی کی زنجیر سے بندھی پاکستانی برآمدات امریکی ساحلوں تک شاید ہی پہنچ پائیں۔ پاکستانی برآمد کنندگان نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ٹیکسٹائل کوٹے میں مختصر اضافہ بھی عملاً غیر موثر رہے گا کیونکہ بھارتی ٹیرف کے باعث امریکی درآمد کنندگان دوسرے ممالک کو ترجیح دیں گے۔ شدید بحران میں مبتلا ٹیکسٹائل انڈسٹری کے لئے یہ بری خبر ہے۔

سماجی شعبے کے لئے متوقع امریکی امداد کا تعلق غیر ترقیاتی کاموں سے ہے۔ مثلاً تعلیم کے لئے جو تین کروڑ چالیس لاکھ ڈالر ملیں گے ان کا بڑا حصہ تعلیمی نصاب کی تبدیلی، تربیت اساتذہ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے لئے ہوگا۔ یہی حال دیگر سماجی شعبوں کا بھی ہے۔ پاکستان کی یہ توقع پوری نہیں ہو سکی کہ اہم ترقیاتی منصوبوں کے لئے امریکہ کھل کر مدد دے گا۔

1990ء سے قبل کے دفاعی تعاون کی بحالی کا اعلان بھی نہیں ہوا۔ اس ضمن میں مشاورتی گروپس کا احیاء مستقبل قریب میں کوئی اہم نتیجہ مرتب نہیں کر پائے گا۔ جاتے جاتے یہ مژدہ سنایا گیا ہے کہ پندرہ دنوں کے اندر اندر پاکستان کو 22 کروڑ ڈالر ملیں گے اور یہ اس خدمت اور تعاون کا معاوضہ ہے جو پاکستان، اپنی سرحدوں کے اندر امریکی فوج کو فراہم کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسرائیل کو بھی 28 کروڑ ڈالر دینے کا اعلان ہوا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دوسری ریاستوں کو بھی بہت کچھ ملے گا۔ تو کیا بی بی سی کا یہ تبصرہ درست ہے کہ صدر مشرف ذاتی تعریف و توصیف کا بھاری خزانہ سمیٹ کر وطن واپس جا رہے ہیں لیکن امریکہ سے وابستہ اقتصادی توقعات کے حوالے سے ان کی جھولی خالی ہے؟ یا یہ تصویر کا صرف تاریک رخ دیکھنے والوں کی منظر کشی ہے؟

[17-02-2002]

Marfat.com

تصویر کا روشن رخ (3)

یہ واہمہ جتنا جلد دور کرلیا جائے اتنا ہی بہتر ہوگا کہ پاکستان اور امریکہ کسی پائیدار اور مخلصانہ دوستی کی راہ پر چل سکتے ہیں۔ اول و آخر پاکستان، امریکہ کا جز وقتی رفیق ہے۔ افغانستان میں طالبان کا تختہ الٹنے اور امریکی جلال کے سامنے خودسری کا مظاہرہ کرنے والے ان گڑھ "ملاؤں" کو نمونہ عبرت بنانے کے لئے، ہماری ضرورت تھی۔ امریکہ کا خیال تھا کہ طالبان پاکستان کی تخلیق ہیں، پاکستان ہی نے انہیں پروان چڑھایا اور پاکستان ہی ان کا سرپرست و پشت پناہ ہے۔ صدر کلنٹن کے دور سے ہی پاکستان پر دباؤ چلا آرہا تھا کہ وہ طالبان کو لگام ڈالے لیکن کوئی جمہوری حکومت ایک حد سے آگے نہیں جا سکتی تھی کیونکہ خود اس کی اپنی لگام کسی اور کے ہاتھ میں تھی۔ طالبان کے قلعے میں نقب لگانے کے لئے امریکہ کو ہماری مخبری کی ضرورت تھی۔ ہماری دوربین آنکھوں اور ہمارے کندھے کے بغیر وہ اپنے ہدف کا درست نشانہ نہ لے سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہمیں خدمت گزاری کا ایک موقع دیا اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ اگر ہم نے تعاون سے گریز کیا تو ہمارے ساتھ دشمنوں والا سلوک کیا جائے گا اور پتھر کے زمانے میں دھکیل دیا جائے گا۔ ہماری کمزوری و معذوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ نے مختصر مدت میں اپنے اہداف حاصل کر لئے۔ اس عرصے میں ہمارا تعاون خود امریکی توقعات سے بھی زیادہ رہا اور ہم نے امریکہ کی دلداری وخوشنودی کے لئے اس بات کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی کہ خود اہل پاکستان کے دلوں پر کیا گزر رہی ہے اور پاکستان کی انا، خودی، آزادی اور خودمختاری کو کتنے زخم لگ رہے ہیں۔

ممکن ہے یہ محض اتفاق ہی ہو کہ جب افغانستان میں روس کی سرخ سپاہ کے پرخچے اڑانے کے لئے جنوں خیز جذبہ جہاد کی ضرورت محسوس ہوئی تو پاکستان کی باگ ڈور اسلامی جذبے سے سرشار ایک ایسے جرنیل کے ہاتھ میں تھی جسے قوم نے مردمومن، مردحق کے خطابات سے نوازا۔

Marfat.com

افغانستان کے پہاڑوں اور وادیوں میں جہاد کی پرعزم اذانیں ایک عشرے تک گونجتی رہیں۔ خود امریکہ دنیا بھر کے مسلم نوجوانوں کو افغانستان کی راہ دکھاتا اور وائٹ ہاؤس کو مجاہدین اسلام کے مبارک قدموں سے مشرف کرنے کو سعادت سمجھتا رہا اور جب اس بپھرے ہوئے جذبہ جہاد کو دہشت گردی قرار دینے اور اسلامی فعالیت کو کچلنے کے لئے ایک لبرل، روشن خیال اور تجدد پسند لیڈر شپ کی ضرورت محسوس ہوئی تو پاکستان میں جنرل مشرف کی حکومت تھی۔ دونوں دفعہ امریکہ کو کسی منتخب جمہوری حکومت سے نہیں، محض ایک فرد سے معاملہ کرنا تھا۔ دو مختلف زمانوں میں، دو مختلف انداز کے مقاصد کے لئے ایک ہی ادارے کی دو مختلف شخصیات سے کام لینا یقیناً امریکی ہنرمندی کی دلیل ہے۔ یہ بھید شاید کبھی نہ کھل سکے کہ امریکہ کو جہاد اصغر کی ضرورت پڑے یا جہاد اکبر کی، پاکستان کا موسم اس کے لئے سازگار کیوں ہوتا ہے؟ شاخ گل پر اس کی پسند کا رنگ اور خوشبو رکھنے والا پھول ہی کیوں کھل اٹھتا ہے؟

امریکی عنایات کے گوشوارے بنانے یا اس کے عزائم کی پردہ کشائی کے کارلا حال میں الجھنے کے بجائے صرف اتنی بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ امریکہ ایک مخصوص وقت کی مخصوص ضرورت کے لئے ہمیں استعمال کر رہا ہے۔ دنیا کی واحد سپر پاور ہونے کے ناتے وہ اسے اپنا حق سمجھتا ہے کہ دنیا کے کسی بھی ملک اور کسی بھی ادارے کو وہ اپنے مفادات کا آلہ کار بنالے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دنیا اس کے ہم قدم ہے لیکن ہماری کیفیت جداگانہ ہے۔ کوئی سڑکوں پر نکلے یا نہ نکلے، اتنی بات ضرور پیش نظر رہنی چاہئے کہ کروڑوں پاکستانی اداس ہیں۔ ان کے شیشہ دل پر ایسی کاری ضرب لگی ہے کہ نوکیلی کرچیاں لہو کی ایک ایک بوند میں کلبلا رہی ہیں۔

صدر بش نے پاکستان کے تعاون کو مشترکہ مقاصد، مشترکہ نصب العین اور مشترکہ اقدار سے مشروط کیا ہے۔ مشترکہ کا مفہوم دونوں قوموں کے باہمی مفادات کا تقاضا کرتا ہے لیکن کیا امریکہ اس پر آمادہ ہوگا کہ اپنی منصوبہ بندی میں ہماری اقدار ہمارے مقاصد اور ہمارے نصب العین کو بھی جگہ دے؟ مشترکہ مقاصد، مشترکہ نصب العین اور مشترکہ اقدار کا سیدھا سادہ امریکی مفہوم یہ ہے کہ پاکستان اپنے سارے ذرائع سارے وسائل ساری قوت کار اور سارا اثاثہ عمل امریکی اہداف کے لئے وقف کردے۔ افغانستان کے کوچہ و بازار کو درویش صفت طالبان کے لہو سے رنگین کرنا، اسلام کے حرکی تصور کو کچلنا، اسلامی عقائد و نظریات پر ضربیں لگانا، دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں کی

Marfat.com

مشکیں کسنا، مسلم راہنماؤں کو گالی بنا دینا، مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنے والے اداروں کا ناطقہ بند کرنا، اسلامی تعلیمات کی توسیع و اشاعت میں مصروف دینی مدارس کو نکیل ڈالنا، پاکستان کو اپنی نظریاتی اساس سے محروم کر کے لبرل ازم کے صحرائے بے اماں میں دھکیلنا، نصاب تعلیم کو اسلامی رنگ و بو سے محروم کر کے آزادروی کے مغربی تصور سے ہم آہنگ کرنا، کشمیر کے جہاد آزادی کو دہشت گردی قرار دینا، فلسطین میں اسرائیل کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر شیطانی رقص کرنا، پاکستان کو بھارتی مدار کا بے روح سیارہ بنانے کی کوشش کرنا، اس کے ایٹمی پروگرام کو مشکوک بنانا، مسلمان قیدیوں کے لئے گوانتانامو جیسی اذیت گاہیں بنانا، ایران اور عراق کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دینا، ان میں سے کون سا نصب العین، کون سا مقصد اور کون سی اقدار ایسی ہیں جو اہل پاکستان کے لئے بھی وجہ تسلی بن سکیں؟

تصویر کا روشن رخ یہی ہے کہ امریکی دوستی کے ثمرات، ان کے معیار اور ان کی مقدار کا درست اندازہ لگایا جائے۔ آؤ بھگت کی گرمجوشی، رکھ رکھاؤ کے والہانہ پن اور چند پر فریب آرائشی اقدامات پر بغلیں بجانا یقیناً تصویر کا تاریک رخ ہے۔

تصویر کے سارے خدوخال اور اس کے دونوں رخ پوری جزئیات کے ساتھ ہمارے سامنے ہیں۔ اگر ہم اب بھی روشنی اور تاریکی میں امتیاز نہ کر پائے تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

[18-02-2002]

Marfat.com

ایک پرچون بل

جناب شوکت عزیز امریکہ کو تین سو ملین ڈالر کا بل بھیج رہے ہیں۔ یہ بل گیارہ ستمبر یا سات اکتوبر سے لے کر 31 جنوری 2002ء تک کے عرصے میں پاکستان کی طرف سے انجام دی گئی خدمات کے عوضانے کے طور پر بننے والی رقم پر مشتمل ہوگا۔ دونوں ممالک نے کچھ عرصہ قبل ہی دو طرفہ خدمات کے ایک باضابطہ معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔ اس معاہدے کے تحت، دہشت گردی کے خلاف مہم کے لئے امریکہ کو پاکستان میں اپنی افواج رکھنے کی ضرورت ہوگی تو پاکستان طے شدہ سہولتیں فراہم کرنے کا پابند ہوگا۔ اسی طرح جب پاکستان اپنے کسی دشمن کے تعاقب میں، عالمی مہم کی قیادت کرتا، ملکوں ملکوں ہوتا، اپنی افواج کو امریکہ میں اتارے گا اور مختلف ہوائی اڈوں سے کسی ''اسامہ بن لادن'' کے خلاف آپریشن کرے گا تو اسے بھی یہ ساری سہولیات میسر ہوں گی۔ ان میں خوراک، پانی، ٹرانسپورٹیشن، ایندھن، مواصلات اور علاج معالجے کی سہولتیں شامل ہیں۔ طیاروں اور دیگر مشینی آلات کی دیکھ بھال اور مرمت کی سہولتیں فراہم کرنا بھی باہمی معاہدے کا حصہ ہے۔ ہوائی اڈوں اور متعلقہ تنصیبات کو استعمال کرنے اور اشیاء ذخیرہ کرنے کا معاوضہ بھی متعلقہ ملک کو ادا کرنا ہوگا۔ حکام کا کہنا ہے کہ ان سہولیات کے عوض امریکہ کو ماہانہ 60 سے 75 ملین ڈالر تک ادا کرنا ہوں گے۔

بل ابھی تیاری کے مراحل میں ہے۔ ایک خاص فارمولے کے تحت مذکورہ سہولتوں کے استعمال اور ان کے معاوضے کا تعین کیا جارہا ہے۔ متعلقہ اداروں سے معلومات جمع کی جارہی ہیں۔ اس بھرپور مشق کے بعد بل امریکہ کو ارسال کردیا جائے گا جہاں سے مطلوبہ رقم کا چیک جاری ہوجائے گا۔ یہ ساری رقم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خزانے میں جائے گی اور یوں عملاً اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ہر پاکستانی کی جیب میں بھی جائے گا۔ یک مشت ملنے والی رقم کا تخمینہ ایک سو تیس روپے فی کس کے لگ بھگ ہے جو کوئی معمولی رقم نہیں۔ جب تک امریکی فوجیں ہماری سرزمین پر

Marfat.com

خیمہ زن رہیں گی، ماہانہ تقریباً نصف ڈالر یعنی تیس روپے ہر پاکستانی کو ملتے رہیں گے۔ امریکی افواج کا قیام جتنا طویل ہوگا اسی قدر اہل پاکستان کی مالی آسودگی میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

ایک مخلص پاکستانی کی حیثیت سے میری خواہش ہے کہ امریکہ کو بھیجے جانے والے بل کی رقم میں ہر ممکن اضافہ کیا جائے۔ کچھ پرچون قسم کے متفرق خرچوں کا کھاتہ میرے پاس بھی ہے یہ وہ مدات ہیں جن کے ناپ تول کا کوئی پیمانہ ابھی تک رائج نہیں ہوا۔ ان کی قدر و قیمت کا تعین بھی خاصا کٹھن کام ہے۔ لیکن جناب شوکت عزیز جیسے معاشی جادوگر کے لئے کوئی فارمولا وضع کرنا کچھ ایسا مشکل بھی نہیں۔ میرے پاس پاکستان کے طول وعرض سے لوگوں کے بھیجے ہوئے ایسے بل جمع ہیں جو وہ براہ راست امریکہ کو ارسال نہیں کر سکتے تھے۔ ان میں بڑی مقدار آہوں اور سسکیوں کی ہے جنہیں گٹھڑیوں کی صورت میں باندھا جائے تو جانے کتنے C-130 بھر جائیں۔ بے شمار آنسو ہیں جو کئی ماہ گزر جانے کے بعد بھی انگاروں کی طرح دہک رہے ہیں۔ کئی زخم ہیں جن سے مسلسل لہو رس رہا ہے اور ڈالروں کی مرہم پٹی کے باوجود تھمنے میں نہیں آ رہا۔ بے شمار چکنا چور خوابوں کی کرچیاں ہیں جو لہو کی ایک ایک بوند میں کلبلا رہی ہیں۔ کتنی ہی بے خواب راتوں کے ڈھیر لگے ہیں جن سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا ہے۔

پاکستان کے لوگ عجیب مٹی سے بنے ہیں۔ اسلام سے لازوال وابستگی ان کے دل میں روح بن کر دھڑکتی ہے۔ عالم اسلام ان کی دعاؤں میں مہکتا ہے اور دنیا کے کسی بھی خطے کے مسلمان کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو کسک ان کے جگر میں ہوتی ہے۔ افغانوں سے تو ان کا صدیوں کا اور نسلوں کا رشتہ ہے۔ ان کے دشمن اور ہیرو سانجھے ہیں۔ ان کی تاریخ اور ان کا جغرافیہ ایک دوسرے سے ہم آغوش ہیں۔ ان کی روایتیں اور حکایتیں ایک سی ہیں۔ ان کی اقدار اور ان کے اطوار یکساں ہیں۔ یہ بات تو کسی پاکستانی کے وہم و گماں میں بھی نہ تھی کہ ان افغانوں کی بستیاں تاراج کرنے کے لئے امریکہ اس خطے میں آئے گا تو ہمارے صحن میں بسیرا کرے گا اور ہمارے پروں پر بیٹھ کر افغانوں پر چاند ماری کرے گا۔ طالبان ان کے دلوں کو گرماتے تھے۔ یہ سادہ و درویش لوگ انہیں اچھے لگتے تھے اور جب ڈیزی کٹر بموں اور میزائلوں سے ان کی دھجیاں اڑائی جانے لگیں تو ان کے دل چکی کے دو پاٹوں میں پسنے لگے۔ خبریں آنے لگیں۔ مسجدوں کے میناروں کے زمیں بوس ہونے کی خبریں، بستیوں کے پیوند زمین ہونے کی خبریں، نگر نگر سے آئے مسلم نوجوانوں کے

Marfat.com

شہید ہونے کی خبریں، پاکستانیوں کی تذلیل کی خبریں، ملا عمر کے دس سالہ بچے سمیت سینکڑوں معصوموں کی ہلاکت کی خبریں، قلعہ جنگی میں دوستم اور امریکہ کی قاہری کا نشانہ بننے والے قیدیوں کی خبریں، ہسپتالوں میں پڑے مریضوں کو ہینڈ گرنیڈوں سے اڑانے کی خبریں، کیوبا کے اسیروں کی حالت زار کی خبریں، پناہ کی تلاش میں سرگرداں اسامہ کی خبریں، ملا عمر کی دربدری کی خبریں، عبدالسلام ضعیف کے جرم ضعیفی کی خبریں اور پاکستان کی بے چارگی کی خبریں خبریں آتی رہیں اور پاکستان کے لوگ دہکتے انگاروں پر لوٹتے رہے۔

وہ بہت روئے۔ بہت کلبلائے، سردیوں کی لمبی راتوں میں دعاؤں کے دیئے فروزاں کرتے بیٹھے رہے۔ ان کی آہوں، سسکیوں اور آنسوؤں نے ان کی دیوار جاں تک ہلا ڈالی۔ میرے پاس یہ سارا کھاتہ لاتعداد خطوں کی صورت میں محفوظ ہے۔ میں اسے مرتب کر کے جناب شوکت عزیز صاحب کو بھجوا سکتا ہوں۔ ممکن ہو تو وہ ڈیزل، پٹرول اور روئی پانی کے بل کے ساتھ ان پرچون اشیاء کی قیمت بھی شامل کر لیں۔ اہل پاکستان کی اعصاب کش بے کلی، اذیت ناک اضطراب، بے پناہ مایوسی و بد دلی، سلگتے آنسو، جاگتی آنکھیں اور کرچیاں بنے خواب، ڈیزل اور پٹرول جتنی قیمت نہ پا سکیں تو بھی کچھ نہ کچھ رقم تو مل ہی جائے گی۔ ممکن ہے جناب شوکت عزیز متفرق اشیاء کی قیمت کا تعین نہ کر سکیں اس لئے میں ساری پرچیاں پاکستان کے بچوں کے حوالے کر جاؤں گا اور کہوں گا کہ اگر تم بھی کچھ نہ کر پاؤ تو یہ سارے بل اپنے بچوں کو سونپ جانا لیکن یہ قرضہ کبھی "رائٹ آف" نہ کرنا۔

[19-02-2002]

Marfat.com

پیلس نمبر 8 کا نیا مکین

ستا سی سالہ بوڑھے شخص نے افغنستان کی زمین پر قدم رکھا تو وہ حکمران نہیں تھا۔ 1973ء کی روشن صبح، ایک آسودہ حال بادشاہ کی حیثیت سے جب وہ چھٹیاں گزارنے اٹلی روانہ ہوا تو اسے اندازہ نہ تھا کہ آنے والے انتیس سالوں تک وہ واپس نہیں آسکے گا۔ اس کے قریبی عزیز اور وزیراعظم سردار محمد داؤد نے، اس کی روانگی کے فوراً بعد ملک کی باگ ڈور سنبھالی اور بادشاہت کا دریچہ بند کر کے صدارت کا منصب سنبھال لیا۔ 1979ء میں روس کی سرخ سپاہ نے دور تک جانے کے ارادے کے ساتھ افغانستان پر حملہ کیا۔ ایک عشرے تک افغانستان آگ اور بارود کے جہنم میں جلتا رہا۔ افغانستان کے غیور عوام جہاد کا پرچم اٹھائے ایک خونخوار عفریت سے ٹکراتے رہے یہاں تک کہ وہ زخموں سے چور ہو کر، خون کی ایک لمبی لکیر چھوڑتا دریائے آمو کے اس پار چلا گیا۔

اس سارے عرصے میں ظاہر شاہ آسودگی کے ساتھ اٹلی کے عشرت کدوں میں محو استراحت رہا۔ سامراج کی مذمت اور آزادی کی جنگ لڑتے افغانیوں کی توصیف میں اس کے کنج لب سے ایک حرف بھی نہ پھوٹا۔ جمعرات کے روز اس کے اطالوی طیارے نے جس حرماں نصیب شہر کے ائرپورٹ کو چھوا، اس کا نصف حصہ کھنڈر بن چکا ہے۔ دنیا اسے ''بیواؤں اور یتیموں کا شہر'' کہتی ہے۔ اطالوی محافظوں کے جلو میں اس نے سرخ قالین پر قدم رکھا۔ چمڑے کی جیکٹ میں ملبوس بوڑھے نے کانپتے ہونٹوں سے اس سرزمین کو بوسہ دیا جس کی آزادی کی ولولہ آفریں جنگ لڑنے اور سرخرو رہنے والے مجاہدین آج دہشت گرد قرار پا چکے ہیں۔ اپنے گھر آنے والے شخص کی حفاظت کے لئے مستعد امریکی، برطانوی اور کینیڈین سپاہ کے چاق و چوبند دستے ہتھیاروں سے مسلح کھڑے تھے۔ تیز رفتار جدید گاڑیاں، چیختی چنگھاڑتی نکلیں اور ''شہنشاہ عالی مقام'' کو ایک آراستہ پیراستہ عمارت میں لے گئیں جو سرکاری طور پر ''پیلس نمبر 8'' کے نام سے موسوم ہے۔

Marfat.com

1933ء میں اس کا باپ قتل ہوا تو ظاہر شاہ کی عمر صرف انیس سال تھی۔ امور مملکت اس کے چچا ہاشم خان نے سنبھال لئے جس کے پاس وزارت عظمٰی کا عہدہ تھا۔ ظاہر شاہ نے ہمیشہ مغرب کا محبوب بننے کی آرزو کی۔ مغربی سامراج سے رشتے استوار کرنا اور اس کے ایماء پر پڑوس کے ملکوں سے آنکھ مچولی کھیلنا اس کا مشغلہ تھا۔ قیام پاکستان کا تلخ گھونٹ اس نے بڑی مشکل سے اپنے حلق سے اتارا۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کی رکنیت کے خلاف صرف ایک اسلامی ملک کا ووٹ آیا اور وہ ملک تھا ظاہر شاہ کا افغانستان۔ پختونستان کا شوشہ اس کے ذہن کی اختراع تھا۔ ظاہر شاہ اور بھارتی حکومت کی ملی بھگت اس شوشے کو مسلسل ہوا دیتی اور بہت بڑے تنازعے کے طور پر پیش کرتی رہی۔ 1973ء میں اپنی معزولی کے آخری لمحے تک ظاہر شاہ کبھی دھیمے کبھی اونچے سروں میں یہ راگ الاپتا رہا۔ اس کی ایجنسیاں ''پختونستان'' کے نام پر شمال مغرب میں بے چینی پیدا کرتی اور سرحد میں سرگرم عمل بھارت نواز لابی کی پرورش کرتی رہیں۔

ظاہر شاہ کہتا ہے کہ میں بادشاہت قائم کرنے نہیں آیا لیکن اس کا چوالیس سالہ بیٹا میر واعظ شاہ اپنے آپ کو بادشاہ قرار دیتا ہے۔ اے ایف پی کو انٹرویو دیتے ہوئے اس نے کہا کہ ''افغانستان میں برطانوی طرز کی بادشاہت کا اعلان ہونا چاہئے'' بون میں جنم لینے والی بونی حکومت کے بونے سربراہ، حامد کرزئی کے ذہن میں بھی اقتدار کا کیڑا کلبلا رہا ہے۔ وہ بڑی چابکدستی سے ایک پلان پر عمل پیرا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ جون میں منعقد ہونے والا لویہ جرگہ برطانوی رنگ کی بادشاہت کی توثیق کر کے اس کی وزارت عظمٰی کی راہ ہموار کر دے۔ اس کی کابینہ ایسا نہیں ہونے دے گی۔ سب سے مضبوط رکن، وزیر دفاع قاسم فہیم، شاہ کا استقبال کرنے ائیر پورٹ نہیں گیا۔ اس کا تعلق برہان الدین ربانی کی جمعیت اسلامی سے ہے جو بادشاہت کے احیاء کے خلاف ہے۔ یونس قانونی اور عبداللہ نرم گوشہ رکھنے کے باوجود جمعیت کی پالیسی کے پابند ہیں اور وہ کسی طور بھی شاہی نظام کی حمایت نہیں کریں گے۔ شاہ کا مشیر اعلی، معاون خصوصی اور داماد، جنرل عبدالولی بھی بے شمار آرزوؤں کی پوٹلی بغل میں لئے واپس آیا ہے۔ وہ سازشوں کے جال بننے کا ہنر بھی جانتا ہے۔

یوں لگتا ہے کہ افغانستان میں بے کلی، افراتفری اور نفسانفسی کا ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ جون سے پہلے کابینہ میں تقسیم کی لکیریں اور گہری ہوں گی۔ تاجک پشتون تناؤ مزید بڑھے

Marfat.com

گا۔ ہزارے اورازبک نئے پتے کھیلیں گے۔ وارلارڈز اپنے اپنے تحکم کا سکہ جمائیں گے اور عین شاہ کی آمد کے دن خوست کے در و دیوار ہلا دینے والے، اپنی موجودگی کا ثبوت دیتے رہیں گے۔ اپنے مفاد کے لئے مردہ بادشاہتوں کو زندہ کرنے اور آمریتوں کی پرورش کرنے والا ''جمہوریت پرست'' امریکہ موجود رہے گا اور اپنے مکروہ عزائم سے ماحول کو پراگندہ کرتا رہے گا۔

اطالوی جہاز پر بیٹھ کر آنے والا شاہ، بدستور اطالوی گارڈز کے حصار میں رہے گا۔ ''پیلس نمبر 8'' کے گرد نئی دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ ایک بڑے آہنی پھاٹک کے سوا داخلے کے تمام راستے بند ہیں۔ ہر طرف شارٹ سرکٹ ٹی وی کیمرے نصب ہیں۔ سات سمندر پار سے آئی رنگا رنگ سپاہ نے محل کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ گلی میں امریکی ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں کھڑی ہیں۔ افغانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ غیروں کی دہلیز پر غلاموں کی طرح سجدہ ریز شاہوں اور شہزادوں کو پسند نہیں کرتے۔

ظاہر شاہ فلپائن کے باورچی اپنے ہمراہ لایا ہے۔ وہ اس کے لئے رنگا رنگ کھانے پکائیں گے۔ طلائی طشتریوں میں رکھ کر آبنوسی میزوں پر سجائیں گے۔ فاقہ زدہ ملک کا ''شاہ'' اپنی پوتی حمیرہ، اپنے بیٹوں اور اپنے داماد عبدالولی کے ہمراہ تناول فرمائے گا۔ زخم خوردہ افغانستان کی خودی اور غیرت کی تابندہ علامت، قندھار کا مرد جری جانے کہاں ہوگا؟ اس کے اہل و عیال تو نذر خزاں ہو چکے۔ جواں سال بیٹا امریکی بموں کا لقمہ ہو چکا اور وہ خود جانے کس پہاڑ کے غار میں فاقہ کشی کے دن گزار رہا ہے۔ تاریخ یہی بتاتی ہے کہ غیروں کے خوان نعمت سے لذتیں سمیٹنے والوں کی زندگی آسان اور موت ذلتوں سے بھری ہوتی ہے۔ سر اونچا کر کے چلنے اور اپنی انا کا سودا نہ کرنے والے نان جویں کو بھی ترستے لیکن بڑی ہی آبرومندانہ موت مرتے ہیں۔

[20-02-2002]

Marfat.com

امریکہ اور بھارت

امریکی افواج کے سربراہ، جنرل رچرڈ بی مائر، بھارتی وزیر دفاع جارج فرنینڈس کی دعوت پر بھارت کا دورہ مکمل کر کے واپس جا چکے ہیں۔ انہوں نے بھارتی سرزمین پر قدم رکھتے ہی فرمایا کہ دہشت گردی کے خلاف بھرپور کارروائی کے لئے بھارت اور امریکہ کی افواج کے درمیان گہرا تعاون نہایت ضروری ہے۔ صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کو امریکہ کے سرکاری دورے سے واپس آئے ابھی اڑتالیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے اور ابھی جناب شوکت عزیز، عنایاتِ خسروانہ کے گوشوارے اور مستقبل پر ان کے اثرات کے زائچے مرتب کر رہے تھے کہ امریکی جرنیل نے سارا مزا کرکرا کر دیا۔

نئی دہلی میں قیام کے دوران جنرل مائر نے بھارت کی صف اول کی ساری قیادت سے تفصیلی ملاقاتیں کیں اور باہمی تعاون کو فروغ دینے کے لئے وسیع تر امکانات کا جائزہ لیا۔ دونوں ممالک کے درمیان ایک ارب ڈالر کے جدید اسلحہ کی خریداری کا سودا طے پایا جسے تاریخ کا سب سے بڑا سودا کہا جا رہا ہے۔ ہائی ٹیک اسلحہ، جدید جیٹ انجن اور تیز نگاہوں والے ریڈاروں کے علاوہ بحریہ کے لئے بھی بھاری کھیپ کی فراہمی کا اصولی فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ جدید ترین راڈاروں کی سپلائی کے حوالے سے ایک امریکی عہدیدار نے بتایا کہ بھارت کو غالباً کشمیر میں مداخلت کاروں پر نظر رکھنے اور ان کے خلاف موثر کارروائی کے لئے ان کی ضرورت ہے۔ بھارت نے ایسے راڈاروں کے دو سو نظاموں کی خواہش ظاہر کی ہے۔ ایک سو ساٹھ کلومیٹر لمبی لائن آف کنٹرول کی نگرانی کے لئے حساس گراؤنڈ سینسرز اور ہلکے لڑاکا طیاروں کی فراہمی بھی زیر غور ہے۔

بی بی سی کے مطابق امریکہ ''آئی آف ۔کائی'' نامی جدید طیارہ فراہم کرنے پر بھی راضی ہو گیا ہے جو آسمان کی بلندیوں سے پانچ چھ کلومیٹر پر محیط دائرے میں ہونے والی ہر نقل و حرکت پر نظر رکھ سکے گا۔ بھارتی فوج کی تربیت کے لئے دی جانے والی امداد بھی دگنی کر دی گئی ہے۔ جنرل رچرڈ بی

Marfat.com

مائر کا طیارہ فضا میں بلند ہوا تو ایک اور طیارہ نئی دہلی میں لینڈ کر رہا تھا جس میں ایک اور امریکی فوجی وفد میجر جنرل بروس سکاٹ کی قیادت میں وارد ہو رہا تھا۔ یہ وفد اسلحہ کی خریداری اور باہمی فوجی تعاون کی تفصیلات مرتب کرے گا۔ ایک اور وفد تکنیکی معاملات پر گفتگو کے لئے پا در رکاب ہے۔ اسی ماہ کے اوائل میں امریکہ کے میجر جنرل جیمز کیمپل مشترکہ تربیتی پروگرام کی جزئیات طے کرنے کے لئے بھارت کا دورہ کر چکے ہیں۔ جنوری میں جارج فرنینڈس نے امریکہ کا تفصیلی دورہ کیا تھا جس میں فوجی تعاون کی راہیں تراشی گئیں۔ اپنے دور کے اختتام پر دنیا کے ''قاہرانہ لشکر'' کے سربراہ نے اپنے عجز ہنر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''امریکہ کشمیر کے ضمن میں کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ کام پاکستان اور بھارت کو خود ہی کرنا ہوگا۔''

اس امر سے قطع نظر کہ حالیہ دورۂ امریکہ کے درمیان صدر مشرف کے لئے کس رنگ کے قالین بچھائے گئے، ان کے لئے انواع و اقسام کے کون کون سے کھانے ڈائننگ ٹیبل پر چنے گئے اور صدر بش نے ان کے لئے تعریف و تحسین کے کون سے الفاظ استعمال کئے، یہ حقیقت واضح تر ہوتی جا رہی ہے کہ امریکہ کے طویل المیعاد اہداف و مقاصد کے حوالے سے اس کا اصل اتحادی بھارت ہے۔ یہ فیصلہ 11 ستمبر سے بہت پہلے ہو چکا تھا کہ آنے والے دنوں میں امریکہ کو عالمی بساط پر کس طرح کے مہرے سجانے اور کس نوع کے داؤ چلنے ہیں۔ پاکستان کے ضمن میں امریکی رویہ 1990ء کی دہائی کے آغاز سے ہی آشکارا ہونے لگا تھا۔ ابھی روسی فوج کا آخری دستہ دریائے آمو کے اس پار نہیں گیا تھا کہ امریکہ نے آنکھیں پھیر لیں۔ جب ضیاء الحق کا تازیانہ روسی فوج کی پیٹھ پر برس رہا تھا، وہ محبوب و عزیز تھے۔ پاکستان کا ایٹمی پروگرام امریکہ کی عین ناک تلے پروان چڑھتا رہا یہاں تک کہ چاغی کے پہاڑوں میں آزمائشی دھماکوں کے لئے سرنگیں تک کھود لی گئیں لیکن امریکی صدر ہر سال کانگریس کو یہ سرٹیفکیٹ جاری کرتے رہے کہ پاکستان میں ایٹمی پروگرام کے حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں ہو رہی۔ مطلب نکلتے ہی ساری ترجیحات بدل گئیں۔ ''ڈینیل پرل'' کے لئے آسمان سر پر اٹھا لینے والے امریکہ کو اس وقت یہ خیال تک نہ آیا کہ اس کے دو اعلیٰ حکومتی عہدیدار کس کی سازش سے آتشکدۂ بہاولپور میں بھسم کر دیئے گئے۔ نہ یہ معلوم ہوا کہ اوجڑی کیمپ کو کس نے چنگاری دکھائی اور نہ یہ پتہ چلا کہ ضیاء الحق سمیت صف اول کی پوری عسکری قیادت کو قتل کرنے والا ہاتھ کس کا تھا۔ ادھر روس نے پر سمیٹے اور ادھر امریکہ پر انکشاف ہوا

Marfat.com

کہ پاکستان تو ایٹم بم بنا رہا ہے۔ پاکستان گوناگوں پابندیوں میں جکڑ دیا گیا۔ ایف سولہ طیاروں کا معاملہ آج تک امریکی محبت کی زخم خوردہ کہانی بنا ہوا ہے۔

سوویت یونین کی شکست اور کمیونزم کے فلسفے کو نیم جاں کر دینے کے بعد امریکہ نے طے کر لیا تھا کہ اس کے نئے ورلڈ آرڈر کے خدوخال کیا ہوں گے اور نئے منظر نامے میں پاکستان کو کس جگہ رکھا جانا ہے۔ پاکستان کو ایک ناکام ریاست (Failed State) کہنے اور ''رائٹ آف'' کر دینے کے دانشورانہ تجزیے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت، طاقتور ذرائع ابلاغ کے ذریعے پیش کئے جانے لگے۔ امریکہ کی اس سوچ اور طے شدہ حکمت عملی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ افغانستان کا ''پڑاؤ'' یعنی '' آگے چلیں گے دم لے کر'' والا معاملہ ہے۔ پاکستان کو وہی کچھ بنانا مقصود ہے جو 11 ستمبر سے بہت پہلے 1990ء کی دہائی میں طے پا چکا تھا۔

عین حالت جنگ میں بھارت کو ایسے ہتھیاروں اور اوزاروں سے مسلح کرنا جو براہ راست کشمیر کی جدوجہد آزادی کچلنے کے لئے مانگے جا رہے ہیں، پرلے درجے کی پاکستان دشمنی ہے۔ اسرائیل پہلے ہی کشمیر میں سرگرم عمل ہے اور اب امریکہ بھی اس کے پہلو میں آ کھڑا ہوا ہے۔ صدر مشرف کی دوستی پر فخر کرنے والا جارج بش پاکستان کی رگِ جاں دبوچنے کے کیوں درپے ہے؟

[21-02-2002]

Marfat.com

ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جنرل حمید گل نے ٹیلی فون پر اِدھر اُدھر کی گفتگو کے دوران چلتے چلاتے ایک جملہ کہا......
''تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک طاقتور قوم اسلحہ کے زور پر دوسروں کے عقائد ونظریات بدلنے کے درپے ہے۔'' جنرل صاحب نے اور بھی بہت کچھ کہا لیکن یہ جملہ میرے جگر میں تیر کی طرح ترازو ہو چکا ہے۔

پاکستان، اسلام کے توانا اور لافانی نظریے کی اساس پر قائم ہونے والی واحد ریاست ہے۔ اس کی تخلیق کسی سیاسی یا جغرافیائی حادثے کے باعث نہیں، اس نظریئے کی بنیاد پر ہوئی کہ اسلام اپنے خمیر، اپنی روح، اپنے عقائد، اپنے تصورِ تہذیب وتمدن اور اپنے فلسفہ حیات کے اعتبار سے ایسی انفرادیت کا حامل ہے جو کسی دوسرے نظام فکر وعمل کی بالادستی قبول نہیں کر سکتی۔ یہی سوچ دو قومی نظریے کے قالب میں ڈھلی اور پاکستان وجود میں آیا۔ برصغیر کے مسلمانوں اور خود تحریک پاکستان کے قافلہ سالار قائداعظم محمد علی جناح کو اس میں کوئی شک وشبہ نہ تھا کہ پاکستان اسلامی نظریے کی کارفرمائی کے سبب ایک جدید اسلامی ریاست کے طور پر امت مسلمہ کی ہمرکابی یا قافلہ سالاری کرے گا۔ یہی احساس ایک آتش فشاں جذبے اور جذبہ دیوانگی عشق میں ڈھلا اور ایک خواب نے تعبیر کی شکل پائی۔

اگر سیکولرازم، لبرل ازم، تجدد پسندی، بے مہار روشن خیالی، بے لگام آزادروی اور بے کنار عیش کوشی کا وہ تصور پیش نظر ہوتا جس کی تلقین آج کل کی جا رہی ہے، تو تحریک پاکستان کا قافلۂ سخت جاں آمادۂ سفر ہی نہ ہو پاتا اور اگر چل بھی پڑتا تو راستے کی بھول بھلیوں میں کھو جاتا کہ یہ ساری ''نعمتیں'' برطانوی ہند اور غالباً ہندو کے زیر تسلط ہند میں بھی میسر آ جاتیں۔ جب علامہ اقبالؒ نے ایک آزاد اسلامی ریاست کا تصور پیش کیا، جب قائداعظمؒ نے مسلمانان ہند کو آواز دی اور جب بکھرے ہوئے لوگ اس پکار کے پرچم تلے جمع ہونے لگے تو ان میں سے ہر ایک کا ذہن

Marfat.com

اور ہر ایک کا دل ایک ہی خیال اور ایک ہی جذبے سے ہمکنار تھا۔ ''سیکولرازم'' کی منزل مقصود کے لئے قربانیوں کی ایسی لازوال تاریخ لکھی ہی نہیں جاسکتی تھی جو برصغیر کے مسلمانوں نے راہ آزادی کے ایک ایک سنگ میل پر رقم کی۔

پاکستان کے عوام نے تاریخ کے اس شعوری تصور کو ہمیشہ جوان رکھا۔ حکمرانوں نے اپنی مصلحتوں کی غرض سے جب کبھی اجتماعی قومی ضمیر سے چھیڑ چھاڑ کی یا پاکستان کی نظریاتی اساس کو سیکولرازم کا جامہ زیبا پہنانے کی کوشش کی، قوم نے اپنا بھرپور دفاع کیا۔ پاکستان کو اسلام کا قلعہ یا عالم اسلام کا معتبر نمائندہ ہونے کا اعزاز محض ہماری ایٹمی صلاحیت کے باعث نہیں، پاکستانی عوام کے لئے بے پناہ اخلاص اور عالم اسلام سے گہری جذباتی وابستگی کے باعث حاصل ہوا۔

7 راکتوبر کے بعد افغانستان میں جو قیامت بپا ہوئی اور ہم کو جس طرح ایک ناپسندیدہ اور مسلمہ قومی دھارے سے متضاد رویئے پر آمادہ ہونا پڑا، اس کا قلق ہر دل میں ہے۔ بہت کچھ ہو جانے کے باوجود افق پر ابھی تک گہری دھند چھائی ہوئی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ ہمارا رخ کدھر ہے؟ منزل کہاں ہے اور قدم کدھر کو اٹھ رہے ہیں؟ پیٹھ پر مسلسل تازیانہ برس رہا ہے اور ہم بگٹٹ دوڑے چلے جارہے ہیں۔

طالبان کے خلاف ہمارا کندھا استعمال کرنے کے بعد اگر امریکہ اپنے قدم روک لیتا، ہماری خالی تجوری میں کچھ سکے ڈال کر، صدر مشرف کو مودبانہ سلام کر کے رخصت ہو جاتا تو بہت اچھا ہوتا لیکن وہ موجود ہے اور اس انداز سے موجود ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر کی نقش گری کے لئے ہماری سرزمین کو ہی مرکز ومحور بنالیا ہے۔ وہ زبان سے کچھ بھی کہے، اندر سے اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ ''دہشت گردی'' یا ''اسلامی عسکریت'' کے سارے سوتے اسی سرچشمے سے پھوٹتے ہیں لہٰذا جب تک پاکستان کے ''نظریۂ اسلام'' کو ایمان، یقین، عزم، خودی، حمیت، اسلامی اخوت، احساس تفاخر اور تصورِ ملت سے محروم کر کے محض رسمی عقائد اور بے روح عبادات تک محدود نہیں کر دیا جاتا، اس وقت تک اس آتش خاموش میں چنگاریاں سلگتی رہیں گی۔ جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے وہ کوئی سرسری اور معمولی حادثہ نہیں۔ اس کا مقصد ہماری روح پر نشتر چلانا، ہمارے نظریاتی شعور کی جڑیں کاٹنا، ہمارے ایمان و یقین کی بنیادیں ہلانا اور ہمارے اعتقادات کے قلعوں میں دراڑیں ڈالنا ہے۔ امریکہ یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ وہ پاکستان کی کسی بھی فصیل پر کمند ڈال سکتا ہے۔

Marfat.com

طالبان کا لہو پینے کے بعد وہ پاکستان کے اساسی نظریے اور اسلامی تشخص کو لقمہ بنانا چاہتا ہے۔

صدر مشرف کے دورۂ امریکہ کے دوران کانگریس میں "ناموس رسالت" قانون کو ختم کرنے کے بارے میں قرارداد کا محرک کوئی بھی ہو، اس کے پس منظر میں یہی سوچ کارفرما ہے کہ مجبوریوں کی زنجیروں میں جکڑے، افلاس زدہ اور ہر خدمت پر آمادہ پاکستان کو اب کسی بھی چوکھٹ پر جھکایا جا سکتا ہے۔

امریکہ کو بتا دیا جائے کہ یہ معاملہ ذرا نازک ہے۔ اسے اسامہ بن لادن اور ملا عمر سے خلط ملط نہ کیا جائے۔ ختم نبوت کا عقیدہ دین اسلام کی اساس ہے جسے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دین مصطفیٰ ﷺ کے ناموس کا نام دیا ہے۔

لا نبی بعدی ز احسانِ خدا است
پردۂ ناموسِ دین مصطفیٰ است

اگر ہماری تنصیبات کو اپنے عزائم کے لئے استعمال کرنے والوں کا خیال ہے کہ وہ ہمارے دلوں کے رن ویز پر بھی اپنی مکروہات کے طیارے دوڑا سکتے ہیں تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ ایسا سوچنے والوں کو اس امر کا اندازہ ہی نہیں کہ ہر کلمہ گو مسلمان کا خاتم النبیین ﷺ سے کیا رشتہ ہے اور اس مقدس رشتے کے لئے وہ کیا کچھ قربان کر سکتا ہے۔

امریکہ ہمارے دلوں پر ایسا گہرا گھاؤ لگانے کا تصور بھی نہ کرے۔

[23-02-2002]

Marfat.com

محفوظ دنیا

ڈینئل پرل جو بھی تھا، ایک انسان تھا اور ہم اس دین کے پیروکار ہیں جو ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی المناک اور لرزا دینے والا سانحہ ہے۔ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس نے اس سانحے سے لذت کشید کی ہو اور راحت و تسکین پائی ہو۔ اہل پاکستان کے لئے رنج و غم کا ایک اضافی پہلو یہ ہے کہ یہ واردات ہماری سرزمین پر ہوئی۔ حکومت اپنے تمام تر وسائل، تگ و دو اور اخلاص نیت کے باوجود نہ پرل کی زندگی بچا سکی نہ قاتلوں تک پہنچ پائی۔ ایک بات طے ہے کہ اس خونیں ڈرامے کا ملبہ پاکستان پر گرایا جانا مقصود تھا۔ امریکہ بجا طور پر یہ سمجھتا ہے کہ ایسا صرف "اسلامی شدت پسند" ہی کر سکتے ہیں جن کی بیخ کنی کے لئے پاکستان کو زیادہ موثر کردار ادا کرنا چاہئے۔ یہ واردات جہاں امریکہ کی غضب ناکی میں شدت کا باعث بنے گی وہاں پاکستان پر دباؤ میں بھی اضافہ ہوگا۔ یہی وہ مطلوب و مقصود ہے جو اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسانی زندگی ایک قیمتی متاع ہے۔ جب اس متاع کو جنس ارزاں بنانے کا چلن عام ہو جائے تو پوری انسانیت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ احترام انسانیت اور بقائے انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ ہر انسان کی زندگی کو محترم جانا جائے۔ اس کی عزت نفس کو مجروح نہ کیا جائے اور اس کے وقار انسانیت پر ضربیں نہ لگائی جائیں۔

انسانی قتل کے پیچھے نفرت، غصہ، انتقام اور لالچ جیسے مکروہ محرکات کارفرما ہوتے ہیں۔ مذاہب ان منفی جذبوں کی تہذیب کرتے اور انسان کی حیوانی جبلت کو کھردرے پن سے پاک کر کے تحمل و برداشت اور حکمت و دانش سے کام لینے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ جبر، ظلم، زیادتی، دھونس، ایذاء دہی اور انسان کشی مہلک بیماریاں ہیں۔ یہ بیماریاں انفرادی طور پر بھی لاحق ہو سکتی ہیں اور اجتماعی طور پر اقوام بھی ان میں مبتلا ہو سکتی ہیں۔ ان کے تدارک کے لئے کسی مجرم کو پھانسی

Marfat.com

چڑھا دینے یا کسی گروہ کا ناطقہ بند کر دینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اس کے لئے تو پوری فضا کو جراثیم سے پاک کرنا پڑے گا۔ پوری آب و ہوا کو مضر اور جان لیوا اجزاء سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کرنا پڑے گا۔ یہ محض ایک مقتول اور اس کے قاتلوں کا نہیں، اس انسانیت کش سوچ اور سفاکانہ رویے کا معاملہ ہے جس نے سارے عالمی منظر کو خون آلود کر رکھا ہے۔

صدر پرویز مشرف نے ٹیلی فون پر امریکی صدر سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے اس عزم کا اعادہ کیا کہ پاکستان بدستور دہشت گردی کے خاتمے کی مہم میں امریکہ کا ساتھ دیتا رہے گا۔ دونوں ممالک نے دنیا کو محفوظ بنانے کے لئے جدوجہد جاری رکھنے کا اعلان بھی کیا۔ صدر مشرف کی طرف سے ان جذبات کا اظہار حالات کا فطری تقاضا تھا کہ پاکستان بہرحال اس واقعے کا بوجھ محسوس کر رہا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا کو کس طرح محفوظ بنایا جائے؟ جب طاقت ہی معیار حق ٹھہرے، جب تیز دھار چھری ہی انصاف کا ترازو بن جائے اور جب ایک بپھری ہوئی قوم کے قہر و غضب کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی زندگی کی ضمانت قرار پائے تو پھر دنیا کو کون محفوظ بنا سکتا ہے؟ ایسا صرف اس وقت ممکن ہے جب دنیا کی بڑی عسکری اور اقتصادی قوتیں، بڑے پن کو اپناتے ہوئے، ارفع اخلاقی ضابطوں اور لافانی انسانی اقدار کو سر بلند رکھنے کا عزم کریں اور ظلم و ناانصافی کا چلن عام کرنے والی چھوٹی فرعونی طاقتوں کو باور کرا دیں کہ ہم اس دنیا کے امن و سکون کے محافظ و نگہبان ہیں۔ اگر سب سے بڑی عالمی طاقت خود بے مہار ہو جائے اور ایسے مناظر تخلیق کرنے لگے جن سے پتھر کے زمانے کا انسان بھی شرما جائے تو پھر دنیا کو کون محفوظ بنائے گا؟ جنگل کی بادشاہت کا تاج پہننے والا درندہ، محض تفریح و تسکین یا اپنی درندگی کی دھاک بٹھانے کے لئے ہر کمزور جانور کی تکا بوٹی کرنے لگے تو جنگل کو کون محفوظ بنائے گا؟ چڑیاں اور ممولے تو ایسا کرنے سے رہے۔

امریکہ کو ایک بار پھر اپنے فلسفہ حکمرانی پر غور کرنا چاہئے۔ جو کچھ افغانستان میں ہوا، اس کے ردعمل میں محبتوں کے لالہ و گل نہیں کھل سکتے۔ جو کچھ گوانتانامو میں ہوا یا ہو رہا ہے، اس سے احترام آدمیت کے تقاضے نمو نہیں پا سکتے۔ صدر جارج بش کا لہجہ کسی دل کے لئے باد بہاری کا جھونکا نہیں۔ یہ سوچ، یہ رویہ اور یہ طرز عمل دنیا کو آتش فشاں بنا رہے ہیں۔ نفرتیں امڈی چلی آ رہی ہیں اور لطیف جذبات و احساسات کی نرم و نازک کونپلیں آتشیں لاوے تلے راکھ ہو رہی ہیں۔

ڈینیل پرل کی ہلاکت سے چند دن قبل میامی میں اپنے والدین کے ساتھ مقیم دس سالہ

Marfat.com

پاکستانی لڑکا عبداللہ بھی قتل ہو گیا۔ اس کے قتل کی کوئی سرخی لگی، نہ کوئی پریس کانفرنس ہوئی، نہ صدر بش نے ٹیلی فون پر تعزیت ضروری سمجھی، نہ عالمی ذرائع ابلاغ نے ہاہا کار مچائی اور نہ کوفی عنان اور یورپی یونین نے دہائی دی۔ ایک گیارہ سالہ امریکی لڑکے نے عبداللہ کو گولی ماردی اور کہا ''میں نے اسے اس لئے مار دیا کہ وہ پاکستانی تھا۔''

نفرتوں کی اس مسموم آندھی کو روکنا پڑے گا اور یہ تسلیم کر لینے میں کوئی ہرج نہیں کہ امریکہ اس آندھی کو ہوا دے رہا ہے۔ کسی دوسرے ملک میں اتنی سکت نہیں کہ وہ امریکہ کا راستہ روکے۔ ہاں خود امریکی عوام ایسا کر سکتے ہیں لیکن رائے عامہ کے جائزے بتاتے ہیں کہ وہ بھی جارج بش کے طلسم رعونت کا شکار ہیں۔ جب تک اس کالے جادو کا توڑ نہیں کیا جاتا، دنیا محفوظ نہیں بنائی جا سکتی۔

[26-02-2002]

Marfat.com

دل بہلاوے

اپنے باغ میں کوئی ایک پیڑ بھی پھلوں سے لدا پھندا نہ ہو تو تیز ہوا کے جھونکے یوں ہی دل کو بھلے لگتے ہیں کہ ممکن ہے ان سے پڑوسیوں کے صحن چمن میں ثمر بار درختوں کے پھل جھڑنے اور زمین پر ڈھیر ہونے لگیں۔ ہماری قومی زندگی اکتا دینے والی ناہمواریوں اور روح قبض کر لینے والے جمود کا شکار ہے۔ شخصی حکومتوں نے نصف صدی کے لمبے عرصے میں وہ زیبائی پیدا ہی نہ ہونے دی جو قوموں کو تفاخر عطا کرتی اور اپنی کامرانیوں پر اجتماعی احساس طمانیت سے سرشار کرتی ہے۔ عمر بھر دور کے سمندروں کی لہریں گننے، ڈوبتے ابھرتے جہازوں کا تماشا کرنے اور ساحلوں سے چھوٹی چھوٹی خوشیوں کی سیپیاں چننے والوں کی زندگی اسی ڈھب سے گزرتی ہے۔

امریکی انتخابات میں الگور اور بش کے درمیان معرکہ بپا ہوا تو ہماری آنکھیں ٹیلی ویژن کی سکرینوں سے پیوست ہو گئیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہودی، الگور کی پشت پناہی کر رہے ہیں اور امریکہ میں مقیم پاکستانی جارج بش کے ساتھ ہیں۔ ہمارے تجزیہ نگاروں نے لکھا کہ الگور کی فتح اسرائیل کی فتح ہو گی اور یاسر عرفات کا فلسطین زبردست آزمائش سے دوچار ہو جائے گا۔ ہمارے اخبار نویسوں نے خبر دی کہ جارج بش کی کامرانی، یہودیت کی عبرتناک شکست اور عالم اسلام کی فتح سمجھی جائے گی۔ ہمارے ماہرین نے بتایا کہ الگور کی کامیابی کی صورت میں مسلمانوں کی مشکلات بڑھ جائیں گی اور جارج بش کی فتح روشن امکانات کے سنہری دریچے کھول دے گی۔ تیرہ کروڑ پاکستانی سولی پر لٹکے انتخابی نتائج اور پھر عدالتی معرکہ آرائی کے لمبے لمبے بندھے رہے۔ بش جیت گیا اور ہمارے بنجر دل، شادابی کی کروٹوں سے ہمکنے لگے۔ آج وہی بش عالم اسلام کو تاراج کر رہا ہے۔ قلعہ جنگی سے گوانتانامو تک اس کی ''مسلم دوستی'' کی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ افغانستان کھنڈر ہو چکا ہے اور عراق و ایران اس کے قدموں کی دھمک سے لرز

Marfat.com

رہے ہیں۔ یہودیوں کا حمایت یافتہ الگور بار کر پس منظر میں جا چکا ہے لیکن معصوم فلسطینی اسرائیلی مظالم کی بھٹی کا ایندھن بن رہے ہیں اور امریکہ مسلسل شعلوں کو ہوا دے رہا ہے۔ اک عمر امریکہ کی دلداری کرنے اور اپنے عشاق کی قیمت پر اس کا کارندہ بننے والا یاسر عرفات ایک چار دیواری میں قید ہے اور جارج بش چھت پر کھڑا تالیاں بجا رہا ہے۔ اب ہمارے لئے خوشیوں کی معطر پھوار سے لدی کچھ ہوائیں مشرق سے خبر لائی ہیں کہ بی جے پی چار ریاستی انتخابات میں بری طرح ہار گئی ہے۔

اتر پردیش، پنجاب، اترانچل اور منی پور میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان چار میں سے تین ریاستوں پر بی جے پی اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر حکمرانی کر رہی تھی۔ اب یہ ریاستیں کانگرس یا دوسری جماعتوں کے زیر اقتدار آ جائیں گی۔ ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ انتخابی نتائج واجپائی کی پاکستان دشمن پالیسیوں پر ریفرنڈم کا درجہ رکھتے ہیں۔ بھارتی عوام نے دونوک انداز میں ان پالیسیوں کو مسترد کر دیا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف کسی طرح کی جارحانہ مہم جوئی کے خلاف ہیں۔ ہمارے مبصرین کا کہنا ہے کہ درحقیقت یہ پاکستانی موقف کی فتح ہے کیونکہ بھارتی عوام نے بی جے پی کو مسترد کر کے بے لچک رویئے کی نفی کر دی ہے اور یہ اشارہ دیا ہے کہ ہمیں اپنے پڑوسیوں کے ساتھ تمام مسائل پر امن مذاکرات کے ذریعے حل کرنے چاہئیں۔

سیاسی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اب مرکز میں بھی واجپائی کی مخلوط حکومت کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور عین ممکن ہے کہ واجپائی اقتدار سے باہر ہو جائیں۔ یہ امکان بھی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ اب سونیا گاندھی کی وزارت عظمیٰ زیادہ دور کی بات نہیں۔ طفلانہ پن کے یہ مظاہرے اب معمول بنتے جا رہے ہیں۔ یہ معمول ہر اس قوم کا مقدر ہوتا ہے جسے کھلونوں سے بہلنے کی عادت پڑ چکی ہو اور جو کچے پکے خوابوں سے اپنی پسند کی تعبیریں تلاش کرنے کا مشغلہ اپنا چکی ہو۔ یا ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ابھی بالغ ہونا ہے کہ بھارت کی تمام سیاسی جماعتوں کا خمیر ایک ہی مٹی سے اٹھایا گیا ہے۔ جمہوری ملکوں کا خاصا ہی یہ ہے کہ وہاں کسی جماعت، کسی گروہ یا کسی فرد کی نہیں، جمہور کی حکمرانی ہوتی ہے اور حکمران، جمہور کے جذبات و احساسات سے کترا کر حکومت میں نہیں رہ سکتے۔ ایسا صرف پاکستان میں ہی ممکن ہے کہ جنرل ضیاء الحق ہوں تو ''جہاد اصغر'' کا غلغلہ بلند ہوتا ہے اور جنرل مشرف آئیں تو ''جہاد اکبر'' کا طوطی بولنے لگتا ہے۔ بی جے پی کی شکست اور

Marfat.com

کانگریس کی فتح کو نوید بہار بنا کر پیش کرنے والے تجزیہ نگار شاید اس حقیقت کو بھلا بیٹھے ہیں کہ کانگریس کی پوری تاریخ مسلم کش فسادات سے بھری پڑی ہے۔ اسی جماعت نے کشمیر کے مسئلے میں گرہیں ڈالیں اور ناجائز قبضے کو آئین کا لبادہ پہنایا۔

پاکستان کے خلاف کم وبیش ہر لشکرکشی کانگریس کے زمانے میں ہوئی۔ مشرقی پاکستان کا سانحہ کانگریسی حکومت کی مکمل اشیر باد اور عسکری جارحیت کے سبب پیش آیا۔ اندرا گاندھی نے کس ادا سے کہا تھا کہ "آج دوقومی نظریہ خلیج بنگال میں غرق ہو گیا ہے۔" بغلیں بجانے کے بجائے ہمارے لئے سامان فکر یہ پہلو ہونا چاہئے کہ جمہوریت میں کس قدر حسن اور کتنی تمکنت ہے۔ عوام نے کس طرح حکمران جماعت کو کم از کم تین ریاستوں میں زمین بوس کر دیا۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ پرکاش سنگھ بادل نے کس آسانی سے استعفیٰ دے دیا۔ یو پی کے وزیر اعلیٰ راج ناتھ سنگھ نے مستعفی ہوتے ہوئے کس بانکپن سے کہا کہ "یہ عوام کا فیصلہ ہے اور عوام کے ہر فیصلے کا احترام ہم پر واجب ہے۔" بی جے پی کے صدر کرشنا مورتی نے کس وقار سے کہا کہ "عوام نے ہمیں اپوزیشن کا کردار سونپا ہے اور ہم اپوزیشن بنچوں پر بیٹھیں گے۔" سولہ ریاستوں میں اپوزیشن جماعتوں کی حکومتوں کے باوجود جمہوریت کی گاڑی کس سبک روی کے ساتھ چل رہی ہے۔ ایسے پہلوؤں سے چشم پوشی کر کے اپنی بیمار طبیعتوں کی آسودگی کے لئے بے معنی جواز تلاش کرتے ہمیں کئی سال ہو چکے ہیں۔ بھلا اس میں کیا رکھا ہے کہ بی جے پی فتح حاصل کرتی ہے یا کانگریس، سماج وادی پارٹی کے اقتدار کا سورج طلوع ہوتا ہے یا بھوجن سماج پارٹی کا۔ سب کی رگوں میں پاکستان دشمنی، لہو کی طرح رواں دواں ہے۔ کوئی بھی ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گی نہ کشمیر طشتری میں سجا کر ہمارے حوالے کرے گی، نہ اپنے جارحانہ پن میں کوئی لچک پیدا کرے گی نہ ہمیں شکنجے سے رہائی دلائے گی۔ جمہور کے ووٹوں سے آبرومند ہونے والی جماعتیں جمہور کی ترجمانی سے سرتابی نہیں کرسکتیں۔

پچپن سال کے بعد بھی تتلیوں سے کھیلنے کی عادت نہ گئی تو ہماری تاریخ ان خوبصورت منظروں سے بدستور محروم رہے گی جو صرف جمہور کی حکمرانی کے تصور سے نمو پاتے ہیں۔

[28-02-2002]

Marfat.com

ایرانیوں کا انداز تفاخر

آیت اللہ خامنہ ای نے مجھے عجب مشکل میں ڈال دیا ہے۔

امریکی صدر کا کانگریس سے ''سٹیٹ آف یونین'' خطاب انتہائی اہم پالیسی ساز بیان خیال کیا جاتا ہے۔ اس تقریر کے نقوش سنوارتے اور لفظوں کی میناکاری کرتے وقت امریکہ کے اہداف ومقاصد کا کلی احاطہ کیا جاتا ہے۔ جملوں کی ساخت اور الفاظ ومعانی کے ایک ایک زاویے اور تاثر کے ایک ایک پہلو کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ انتہائی اعلیٰ سطحی اداروں کی سفارشات کے بعد صدر کے قریبی رفقاء طے کرتے ہیں کہ صدر نے کس وقت چہرے پر کس طرح کا منظر سجانا ہے۔ کس شخص یا ملک کا نام لیتے وقت آنکھوں میں شعلہ فشانی کی کیفیت پیدا کرنی اور ماتھے پر سلوٹوں کا جال بننا ہے۔ یہ بھی دنوں کے غور وفکر اور بحث مباحثے کے بعد طے پاتا ہے کہ کس شخصیت کے لئے تحسین وآفرین کا کون سا صیغہ استعمال کرنا، اس کا ذکر کرتے وقت لہجے میں کس انداز کی شیرینیاں بھرنی اور ہونٹوں پر کس قیامت کی مسکراہٹ آراستہ کرنی ہے۔

جارج بش نے اپنے سٹیٹ آف یونین خطاب میں صرف دو عالمی شخصیات کا نام لیا۔ ایک افغان فرمانروا عزت مآب حامد کرزئی کا اور دوسرا صدر جنرل پرویز مشرف کا۔

حامد کرزئی کا بس ذکر خیر ہی تھا، جو بہرحال بہت بڑا اعزاز ہے، لیکن صدر مشرف کے لئے انہوں نے تحسین وآفرین کا جو اسلوب اختیار کیا وہ آج تک کسی پاکستانی راہنما کے حصے میں نہیں آیا۔ عالمی سطح پر بھی غالباً زندہ شخصیات میں سے اس طرح کے کلمات توصیف صرف یاسر عرفات کا سرمایہ حیات ہوں گے جو ان دنوں امریکہ اور اسرائیل کے معتوب ومحصور ہیں۔ طالبان کو تلف کرنے کے لئے عالمی کولیشن کا سرگرم حصہ بننے پر امریکی رہنما اکثر پاکستان اور صدر مشرف کی خدمات کو سراہتے رہتے ہیں۔ کولن پاول تو یہاں تک کہہ چکے ہیں کہ ''صدر مشرف نے ہماری توقع سے بھی زیادہ تعاون کیا ہے۔'' ایسے ہی دلآویز ودلنشین کلمات جناب رمزفیلڈ بھی ادا کر چکے

Marfat.com

ہیں لیکن صدر بش نے تو کچھ اس انداز سے تان اٹھائی ہے کہ سماعتوں اور بصارتوں میں ایک شعلہ سا لپک گیا ہے۔ جب انہوں نے صدر مشرف کے تدبر اور قائدانہ صلاحیتوں کو خراج پیش کیا تو کانگریس کے ارکان بہت دیر تک کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے رہے۔

میری طرح جس بھی پاکستانی نے یہ منظر دیکھا ہوگا، اس نے اپنے دل میں وہی سرمدی کیف محسوس کیا ہوگا جس نے مجھے پہروں سرشار رکھا۔ افغانستان میں تو ٹیلی ویژن عام نہیں۔ ان لوگوں کے اور بھی مسئلے ہیں اس لئے وہ جارج بش کے مبارک ہونٹوں سے حامد کرزئی کا نام سننے کا تاریخ ساز لمحہ گنوا بیٹھے لیکن مجھے یقین ہے کہ اہل پاکستان اس حیات آفریں لمحے کو حسین یادوں کے سنہری فریم میں سجا کر حافظے کے نگار خانے میں اس طرح آویزاں کریں گے کہ آنے والی تاریخ کا ہر لمحہ اسے جھک کر سلام کرے گا اور مستقبل کا ہر سورج اس سے اذنِ طلوع لے کر لب بام آئے گا۔ جب سابق صدر کلنٹن جنوبی ایشیا کے دورے پر تشریف لائے تو پاکستان سے اس لئے گریزاں رہے کہ وہاں ایک فوجی جرنیل کی حکومت ہے۔ امریکہ میں مقیم پاکستانیوں کی زبردست لابنگ کے بعد جب موصوف چند لمحوں کے لئے اسلام آباد آئے تو امریکیوں کا پریس ڈیپارٹمنٹ بولایا پھرتا تھا۔ اسے بس ایک ہی فکر تھی کہ صدر کلنٹن کو جنرل مشرف سے ہاتھ ملاتے نہ دکھایا جائے۔ ان کی یہ کوششیں کامیاب رہیں اور ایسی کوئی تصویر بن سکی نہ منظر عام پر آسکی۔ بدھ کے دن جب بھری کانگرس کے سامنے جارج بش نے صدر مشرف کو خراج عقیدت پیش کیا تو مجھے یوں لگا جیسے ہم نے کلنٹن اور اس کے امریکہ سے انتقام لے لیا ہے۔ میں اس طرح نہال اور مالا مال ہو گیا کہ ایک ایک سانس وفور مسرت سے دہکنے لگی۔ بعد میں جتنی مرتبہ بھی پی ٹی وی نے یہ منظر دکھایا، یہ آتش فروزاں تیز تر ہوتی گئی۔

سرشاری ابھی تک طاری ہے لیکن ایرانیوں نے عجب مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ صدر بش نے اپنے خطاب میں کہا تھا کہ ایران، عراق اور شمالی کوریا باز آجائیں ورنہ انہیں سبق سکھا دیا جائے گا۔ اس پر عراق اور شمالی کوریا نے شدید احتجاج کیا۔ چین نے بھی اس لب ولہجہ کو غیر شریفانہ قرار دیا۔ ایران کے صدر خاتمی نے کہا کہ "بش نے ایرانی قوم کی توہین کی ہے" سپریم لیڈر آیت اللہ خامنہ ای نے کہا کہ "امریکہ شیطان کبیر اور بش انسانی خون کا پیاسا ہے۔ ہم اس کی دھمکیوں میں نہیں آئیں گے اور فلسطینیوں کی حمایت جاری رکھیں گے۔" یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن آیت اللہ خامنہ

Marfat.com

ای نے ایک عجیب بے معنی سی بات کہہ ڈالی۔ فرمایا کہ ''دنیا کی انتہائی قابل نفرت شیطانی قوت کے غیظ وغضب کا نشانہ بننا ایران کے لئے باعث فخر ہے۔''

تفاخر کے اس ایرانی تصور نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ جارج بش نے تو ایران کو دہشت گردوں کا سرپرست، مہلک ہتھیار بنانے والا اور برائی کی جز قرار دیا۔ یہ بہرطور ایک سفارتی گالی ہے۔ گالی پر کس طرح فخر کیا جا سکتا ہے؟ ایرانیوں کو شاید معلوم نہیں کہ امریکہ کس بلا کا نام ہے اور جب وہ کسی کو گالی دیتا ہے تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ وہ آن واحد میں ہنستے بستے ملکوں کو پتھر کے زمانے میں دھکیل دیتا ہے اور جب چاہے آسودہ حال بستیوں کے دسترخوان ویران کر دیتا ہے۔ اس کے باوجود ایرانی پیشوا نے جو غیر منطقی موقف اختیار کیا ہے، اسے کیا نام دیا جائے؟ یہ کہاں کی دانائی ہے کہ امریکی گالیوں کو اپنے لئے فخر و اعزاز کا باعث سمجھا جائے۔

میں عجیب کشمکش میں ہوں۔ اگر جارج بش کی گالیاں ایرانیوں کے لئے باعث افتخار ہیں تو میں صدر پاکستان کو پیش کیا جانے والا خراج تحسین کس کھاتے میں ڈالوں؟ اور اگر یہ خراج تحسین میرے لئے مسرت و شادمانی اور اعزاز و سعادت کا باعث ہے تو ایران کو دی جانے والی گالیاں کیسے باعث فخر ہو سکتی ہیں؟

مدتوں بعد ملنے والی سرشاری سے دستبرداری کو جی نہیں مانتا لیکن یہ خامنہ ای نے مجھے کس الجھن میں ڈال دیا ہے۔

Marfat.com

خود فریبی ہی سہی

خبر ہے کہ امریکی صحافی ڈینئل پرل کے اغواء اور قتل کے بڑے ملزم عمر سعید شیخ کو امریکہ کے حوالے کرنے کے لئے قانونی ضابطے اور تقاضے مکمل کرنے پر اتفاق رائے ہو گیا ہے۔ اسلام آباد میں امریکی سفیر وینڈی چیمبرلین نے صدر پرویز مشرف سے تفصیلی ملاقات کی ہے۔ اس ملاقات میں باضابطہ طور پر امریکی مطالبہ پیش کیا گیا کہ شیخ عمر کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کے لئے امریکہ کے حوالے کر دیا جائے کیونکہ بے لاگ اور حقیقی انصاف صرف امریکہ کی ''بارگاہ عدل'' میں ہی دستیاب ہے۔ ڈینئل کی بیوہ نے بھی صدر سے ملاقات کے دوران یقیناً ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا ہوگا۔ صدر جارج بش نے بھی خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ کسی بھی امریکی کو گزند پہنچانے والے شخص کو امریکہ کی سرزمین پر قانونی شکنجے میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ وائٹ ہاؤس کے ترجمان ایری فلیشر نے دو دن قبل یہ انکشاف کیا تھا کہ 1931ء میں پاکستان اور امریکہ کے درمیان ملزمان ایک دوسرے کے حوالے کرنے کا معاہدہ طے پایا تھا۔ گزشتہ روز صحافیوں نے اس ''معاہدے'' کی تفصیلات کریدنے کی کوشش کی لیکن ایری فلیشر نے ''ٹھوس دلائل'' دے کر انہیں مطمئن کر دیا۔

اس مکالمے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ امریکہ 1931ء میں ہونے والے معاہدے کے بارے میں کتنا قوی استدلال رکھتا ہے:۔

صحافی: یہ معاہدہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ پاکستان تو 1931ء میں قائم ہی نہیں ہوا تھا۔

فلیشر: یہ دلچسپ سوال ہے لیکن وکلاء کا نقطہ نظر ہے کہ یہ معاہدہ اس کے باوجود قائم اور موجود ہے۔

صحافی: معاہدہ تو انگریزوں کے ساتھ ہوا تھا؟

فلیشر: معاہدہ پاکستان کے ساتھ ہوا تھا جو اس وقت انگریزوں کی ماتحتی میں تھا۔

Marfat.com

صحافی: لیکن اس وقت تو پاکستان نام کا کوئی ملک تھا ہی نہیں؟

فلیشر: یہ معاہدہ پاکستانی اتھارٹیز کے ساتھ ہوا تھا جو اس وقت انگریزی اقتدار کے ماتحت تھیں۔

صحافی: کیا پاکستان آپ کی اس تشریح سے مطمئن ہے؟

فلیشر: یہ آپ پاکستان ہی سے پوچھیں۔

یہ مکالمہ نیو ورلڈ آرڈر کے ''امریکی صحیفے'' کا دیباچہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسے اکیسویں صدی کے بین الاقوامی آئین و قانون کا سرنامہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ قوت کے نشے میں مست امریکہ تکبر کے کس بام عروج پر بیٹھا ہے اور اس کی نظروں میں پاکستان کی کیا اہمیت ہے۔ اس سے یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف عالمی کولیشن کا ہراول دستہ بننے کے بعد پاکستان کا قد و قامت کتنا بلند ہوا ہے اور اس کی آزادی و خودمختاری کی کلغی میں سرخاب کے کتنے نئے پر سجے ہیں۔ ہم نے جن معاملات کو کھیل تماشہ سمجھ رکھا ہے جن باتوں کو سرسری جان کر نظر انداز کر رہے ہیں اور جس پسپائی کو حکمت عملی کا نام دے کر قبول کر رہے ہیں وہ درحقیقت ہمارے قومی وجود اور ریاستی وقار کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔

11 ستمبر کو ہمیں ایک مخصوص راستہ پر چلنے پر مجبور کیا گیا تو خود امریکہ کو معلوم تھا کہ پاکستان کیلئے یہ رہگذر انتہائی کٹھن اور دشوار گزار ہے۔ پاکستانی عوام اپنی روح پر ایسی کاری نشتر زنی برداشت نہیں کریں گے اور پاکستانی قیادت اس قدر بھاری بوجھ اٹھا کر دو چار قدم بھی نہیں چل سکے گی۔ جمہوری حکومت ہوتی تو اس طرح کا ایک قدم اٹھاتے ہوئے سو سو پیچ و تاب کھاتی۔ سو سو پہلو بدلتی۔ سو سو بہانے اور جواز پیش کرتی۔ اگر وہ اس سنگلاخ راستے پر چل بھی پڑتی تو جلسوں، جلوسوں، مظاہروں، دھرنوں، ہڑتالوں، بیانوں، اداریوں اور طعنوں سے اس کا ناطقہ بند کر دیا جاتا۔ ایک ایک سیاسی لیڈر شعلہ جوالہ، ایک ایک عالم دین آتش فشاں، ایک ایک اخبار صور اسرافیل اور ایک ایک جہادی تنظیم برق آسمانی بن جاتی۔ حکومت دو قدم اٹھاتے ہی ہانپنے لگتی اور تیسرا قدم زمین پر رکھنے سے پہلے ہی زمین بوس ہو جاتی۔ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ امریکہ کو جب بھی اس خطے میں اپنے مفادات کی جنگ لڑنا پڑی یہ اہتمام پہلے کر لیا گیا کہ اسے کسی جمہوری حکومت کے بجائے کسی ہمہ مقتدر فرد واحد سے معاملہ کرنا پڑے۔ امریکہ جانتا ہے کہ محبتوں کے ایسے سفر میں کسی نامہ بر کے بجائے براہ راست محبوب کے دل پر دستک دینا

Marfat.com

زیادہ کارگر ہوتا ہے۔

راہ دنیا سے نہیں، دل کی گزرگاہ سے آ
فاصلہ یوں تو زیادہ ہے پہ یوں کچھ کم ہے

کم اور مختصر راستہ اختیار کرنے والے امریکہ نے دیکھا کہ انتہائی کٹھن اور دشوار گزار راستے پر ہم اپنے سروں پر منوں بوجھ اٹھائے بگٹٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ نہ ہماری سانس پھول رہی ہے، نہ قدم ڈگمگا رہے ہیں، نہ پسینہ آ رہا ہے۔ سو وہ بوجھ بڑھاتا چلا گیا۔ قدم تیز تر کرنے کے فرمان جاری کرتا چلا گیا۔ اور اب عالم یہ ہے کہ کوئی بھی ناروا مطالبہ کرتے وقت اس کے چہرے پر ندامت کا رنگ نہیں جھلکتا اور کوئی بھی قیمتی متاع پیش کرتے وقت ہماری آنکھوں میں حیا کے ڈورے نہیں لہراتے۔

عمر سعید شیخ کی حوالگی کے لئے 1931ء میں پاکستان اور امریکہ کے درمیان طے پانے والے ''معاہدے'' کی دلیل صرف مضحکہ خیز ہی نہیں توہین آمیز بھی ہے۔ اری فلیشر کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہ کون سے معاہدے کی رو سے ہو رہا ہے؟ جب ہم اپنی انا اور خودی سمیت اپنا سب کچھ پہلے ہی ان کے حوالے کر چکے ہیں تو عمر سعید شیخ کے لئے ایسی دلیل لانے کی کیا ضرورت تھی؟ امریکی مسلح افواج کے سربراہ ''جنرل رچرڈ مایرز'' نے کل ہی انکشاف کیا ہے کہ پاکستان گزشتہ دو دنوں میں چودہ افراد ہمارے حوالے کر چکا ہے اور ابھی کئی مزید افراد آنے والے ہیں۔ ادھر ہمارے وزیر داخلہ جناب معین حیدر نے انڈونیشیا کے شہر بالی میں اعلان کیا ہے کہ جب امریکہ عمر سعید کے خلاف ہمارے بے لاگ انصاف کا جلوہ دیکھے گا تو اسے کوئی مطالبہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ اگر 1931ء کا معاہدہ واقعی معتبر ہے تو حکومت پاکستان کو میامی میں قتل ہونے والے دس سالہ معصوم پاکستانی بچے عبداللہ کے قاتل کو بھی مانگ لینا چاہئے تاکہ اس کے دکھی والدین کو اندازہ ہو کہ ان کی جیبوں میں رکھے سبز پاسپورٹ میں ابھی زندگی کی ایک آدھ رمق باقی ہے۔ ڈینئل کے قاتلوں کا معاملہ تو ابھی پایۂ ثبوت تک پہنچنا باقی ہے۔ عبداللہ کا قاتل تو خود اعلان کرتا پھرتا ہے کہ اس نے ایک پاکستانی کو قتل کیا ہے۔ ممکن ہے امریکہ قرون اولیٰ کے کسی معاہدے کی آڑ لے کر ہمارا مطالبہ رد کر دے لیکن اپنے تحلیل ہوتے ہوئے قومی وجود اور سرنگوں ہوتی عزت نفس کی تسکین کے لئے خود فریبی ہی سہی۔

[01-03-2002]

Marfat.com

ڈی این اے

امریکی حکام بڑی سرگرمی کے ساتھ اسامہ بن لادن کے خونی رشتہ داروں سے ڈی این اے (D.N.A) کے نمونے حاصل کر رہے ہیں۔ ایک ہی ماں یا ایک ہی باپ کی اولاد کے خون میں موجود اس حیاتیاتی مادے کی مدد سے یہ تعین کیا جا سکتا ہے کہ کون سا شخص کس خاندان کی خونی زنجیر میں بندھا ہے۔ امریکہ نے افغانستان پر بمباری سے جاں بحق ہونے والے افراد کے بچے کھچے اجزاء سے بھی ڈی این اے کے نمونے حاصل کر رکھے ہیں۔ اسامہ کے پچاس سے لگ بھگ قریبی خونی عزیزوں کے ڈی این اے کو یہ جاننے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے کہ کیا کوئی نمونہ افغانستان کے ہلاک شدگان میں سے کسی کے ڈین این اے سے ملتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا اسامہ سے پاک ہو چکی ہے۔

امریکہ وقت کا بادشاہ ہے۔ اسے کون سمجھائے کہ ڈی این اے، خون کے جس رشتے یا حیاتیاتی مادے کے جس تعلق کا تعین کرتا ہے وہ اسامہ بن لادن پر لاگو ہی نہیں ہوتا۔ چودہ سو سال پہلے محمد عربی ﷺ نے یہ نامیاتی حوالہ سرے سے معدوم کر دیا تھا اور ایک ایسے قبیلے کو جنم دیا تھا جس میں خون، رنگ، نسل، زبان اور جغرافیے کے تمام امتیازات بے معنی ہو گئے تھے۔ اس عظیم المرتبت انسان کامل ﷺ نے ایک نئی حیاتیاتی انجینئرنگ کی بنیاد رکھی تھی اور انسانوں کے باہمی رشتہ و تعلق کا تعین کرنے کے لئے توحید الٰہی کی اساس پر ایک منفرد ڈی این اے متعارف کرایا تھا۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

اسود از توحید احمر می شود
خویشِ فاروق و ابوذری شود
پرنسب نازاں شدن نادانی است
حکم او اندر تن و من فانی است

Marfat.com

ملت مارا اساس دیگر است
ایں اساس اندر دلِ ما مضمر است
ما زنعمت ہائے او اخواں شدیم
یک زبان و یک دل و یک جان شدیم

(توحید الٰہی کی برکت سے رنگوں کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ سیاہ رنگ کا آدمی سرخ رنگ کے آدمی کے ہمسر ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسی عظیم ہستیوں سے اس کی خویشگی اور قرابت داری قائم ہو جاتی ہے۔ خون کے تعلق اور نام و نسب پر فخر کرنا سراسر حماقت ہے۔ نسب کی کارفرمائی صرف بدن تک محدود ہے اور بدن مرنے کے بعد فنا ہو جاتا ہے۔ ہماری قوم کی تو بنیاد ہی کچھ اور ہے۔ یہ بنیاد ہمارے دلوں کے اندر پیوست ہے۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کی نعمت، رحمت بن کر نازل ہوئی اور ہم بھائی بھائی بن گئے۔ ہماری زبانیں، ہمارے دل اور ہماری جانیں ایک ہو گئیں۔)

آج ہم یقیناً اپنا بانکپن کھو چکے ہیں لیکن اس عہد زیاں کار میں بھی گئے دنوں کی آنچ زندہ ہے۔ کیا امریکہ نے نہیں دیکھا کہ افغانستان میں اس کا سامنا کن لوگوں سے ہوا؟ سوڈان، ایران، سعودی عرب، بنگلہ دیش، پاکستان، انڈونیشیا، مصر، الجزائر، برطانیہ، امریکہ، فرانس اور چین کے جو آتش بجاں، اسامہ اور طالبان کے پہلو میں کھڑا ہونے کے لئے پہنچے، ان سب کا ڈی این اے ایک ہی تھا۔ دنیا بھر میں ملا عمر کے لئے دھڑکنے والے دلوں کی ایک ایک شریان میں ایک ہی لہو بول رہا ہے۔ شرق و غرب میں دعاؤں کے لئے اٹھنے والے ہاتھوں کی ایک ایک رگ میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے۔ اسامہ کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھنے والے لاکھوں والدین کا حیاتیاتی خمیر ایک ہی ہے۔ پاراچنار میں مدفون اور قندھار کے قبرستان نو میں آسودہ خاک عربوں کی قبروں پر پھول چڑھانے اور پرچم لہرانے والوں کا شجرہ نسب ایک ہی ہے۔ قلعہ جنگی کے المیے پر تڑپنے اور گوانتانامو کے قیدیوں کی یاد میں بے کل رہنے والے ایک ہی خاندان کے فرد ہیں۔ افغانستان کی راکھ پر گریہ، فلسطین کے نوعمر شہیدوں کا ماتم اور مظلوم کشمیریوں کی بے چارگی پر نوحہ کرنے والے ایک ہی قبیلے کے لوگ ہیں۔

امریکہ یہ بھی نہیں جانتا کہ ایک ہی باپ کی اولاد ہوتے ہوئے ابولہب کا ڈی این اے

Marfat.com

عباس، حمزہ اور ابو طالب سے الگ کیسے ہو گیا؟ وہ یہ بھی نہیں جان سکتا کہ حبشہ کے بلال، روم کے صہیب، فارس کے سلمان اور یمن کے عمار کا ڈی این اے ایک کیسے ہو گیا؟ مادیت کی مار کھائے ہوئے دماغوں پر یہ بھید کھل ہی نہیں سکتا کہ توحید و رسالت پر ایمان کس محکم رشتے کو جنم دیتا ہے اور یہ سخت جاں رشتہ زمانے کے ہر عتاب اور وقت کے ہر عذاب کے بعد زیادہ توانا زیادہ مستحکم کیوں ہو جاتا ہے؟ اسامہ بن لادن کا ڈی این اے اس لئے معلوم کیا جا رہا ہے کہ جب کبھی تورا بورا کے غاروں سے کوئی جھلسی ہوئی لاش ملے، جب کبھی کسی پہاڑ کی کھوہ سے کوئی ادھ کھایا ڈھانچہ برآمد ہو، جب کوئی شارک مچھلی کسی ساحل پر آ کر کوئی انسانی عضو اگل ڈالے، تو امریکی ماہرین اس کا کیمیائی تجزیہ کر کے جان پائیں کہ یہ اسامہ بن لادن ہے۔ ان کے خیال میں اسامہ بن لادن کے خاتمے کے ساتھ ہی سامراجی جبر و ستم کے خلاف مسلمانوں کا جذبہ مزاحمت دم توڑ جائے گا اور امریکی قہر و غضب کے سامنے غرورِ عشق کے بانکپن کا اظہار کرنے کی مومنانہ روایت ختم ہو جائے گی۔

ایسا نہیں ہو گا۔ ایسا تاریخ میں کبھی ہوا بھی نہیں۔ جب خیمے جل چکے تھے اور کربلا کی ریت خانوادۂ رسول ﷺ کے لہو سے رنگین ہو چکی تھی اور حسین رضی اللہ عنہ کا سر نیزے پر ٹنگا تھا اور یزید کو کسی ڈی این اے کے بغیر ہی یقین ہو گیا تھا کہ "قافلہ حجاز" میں اب کوئی "سرکش" باقی نہیں رہا تو بھی ایسا نہیں ہوا۔ تو بھی اہل جنوں کے کارواں چلتے رہے۔ آبلہ پا عشق کی وادی پُر خار میں آتے اور کانٹوں کی پیاس بجھاتے رہے۔ امریکہ کس ڈی این کا تعاقب کر رہا ہے؟ اس کی مسلم کش سوچ، اس کے سفاک رویے اور اس کا غیر انسانی طرز عمل، پچھلے پانچ ماہ میں اتنے اسامے پیدا کر چکا ہے کہ آنے والی کئی صدیاں خود کفیل ہو گئی ہیں۔

[02-03-2002]

Marfat.com

تہہ خانہ کی حکومت

امریکی اخبار ''واشنگٹن پوسٹ'' نے خبر دی ہے کہ القاعدہ کی طرف سے ایٹم بموں کے مہلک حملوں کی صورت میں وفاقی حکومت کے نظام کو جاری رکھنے کے لئے ایک متبادل حکومت (Shadow Government) تشکیل دی گئی ہے جو نائب صدر ڈک چینی کی قیادت میں واشنگٹن سے دور کسی گمنام مقام پر زمین دوز مورچوں کے اندر کام کر رہی ہے۔ سو کے لگ بھگ سینئر سرکاری اہلکار اس حکومت سے منسلک کئے گئے ہیں جو اپنے خاندانوں سے کوسوں دور تہہ خانوں میں حکومتی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ تین ماہ بعد ان کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں۔ امریکی ایجنسیوں کا خیال ہے کہ القاعدہ کا ''ایٹم بم'' واشنگٹن کو مکمل طور پر ختم کر سکتا ہے، لہٰذا وفاقی نظام کے تسلسل کو یقینی بنانے کے لئے اس زیرزمین حکومت کا اہتمام ضروری سمجھا گیا ہے۔

یہ صورتحال، زبردست خوف اور شدید اعصابی تناؤ میں مبتلا قوم کے ذہن وفکر کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس خوف کی بنیاد بظاہر وہ انٹیلی جنس رپورٹیں ہیں جو مسلسل یہ باور کراتی رہتی ہیں کہ القاعدہ اور طالبان کا پھن پوری طرح نہیں کچلا جا سکا۔ ان انٹیلی جنس رپورٹوں کے پس منظر میں ٹھوس معلومات سے کہیں زیادہ یہ سوچ کارفرما ہے کہ انسان کی جبلتِ انتقام بہرطور زندہ رہتی ہے لہٰذا جب بھی موقع ملا، وہ عناصر ضرور اپنے ردعمل کا اظہار کریں گے۔ اپنے آپ کو کسی انہونی کی ذمہ داری سے بچانے کے لئے ایسی رپورٹیں بڑے اہتمام سے تیار کی جاتی ہیں تاکہ کسی ناگہانی افتاد کی صورت میں کہا جا سکے کہ ہم نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا۔ بلاشبہ آج امریکی اقتدار کا سورج نصف النہار پر ہے اور ساری دنیا کے در و دیوار اس کی تیز دھوپ کی زد میں ہیں۔ بالخصوص چھوٹے، کمزور اور ترقی پذیر ملکوں کے گھروندے اس دھوپ کی تپش سے پگھلنے لگے ہیں۔ امریکہ اسے اپنی عسکری اور اقتصادی قوت کی کارفرمائی خیال کرتا ہے۔ یہ بات بڑی حد تک درست بھی ہے کیونکہ بے محابا فوجی طاقت کے حامل کسی ملک کے سامنے صرف اس کا اپنا احساس ذمہ داری اور تہذیبی و اخلاقی

Marfat.com

رویہ ہی بند باندھ سکتا ہے۔ ان زنجیروں کو توڑ ڈالنے کے بعد وہ ایک عفریت کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے سامنے کوئی ضابطہ، کوئی قانون، کوئی دلیل اور کوئی اپیل موثر نہیں رہتی۔ اس سے بچاؤ کی واحد صورت یہی ہوتی ہے کہ اس کی مرضی و منشا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے یا پھر اس کی قاہری کے حضور سر جھکانے سے انکار کر کے بدترین نتائج کو قبول کر لیا جائے۔

اسی طرح معیشت کا ہتھیار بھی نہایت کارگر ہے۔ قدیم زمانے کے ساہوکاروں سے آج کے ورلڈ بنک، آئی ایم ایف اور پیرس کلب جیسے اداروں تک ایک ہی خوں آشام روح کارفرما چلی آ رہی ہے۔ بیشتر عالمی مالیاتی اداروں کی ڈور امریکہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ غریب ممالک اپنے نان نفقہ کے لئے کڑی شرائط ماننے اور دباؤ کے زیر اثر اپنی قومی پالیسیوں کی تراش خراش پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پاکستان اس کی روشن مثال ہے جس نے امریکی قہر و غضب کے خوف سے افغانستان اور کشمیر پالیسی میں نمایاں تبدیلیاں کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی معاشی پالیسیوں کو بھی آئی ایم ایف کی جھولی میں ڈال دیا۔ گیس کی قیمتوں کو تین سال کے عرصے میں ایک سو تیس فیصد تک بڑھانا، ایسا خوشدلانہ اقدام نہیں جو حکومت نے اپنی آزادانہ مرضی سے کیا ہو۔

دہشت زدہ دنیا اور دباؤ میں آئے ہوئے ممالک فوری طور پر امریکہ کی کلائی تو نہیں مروڑ سکتے لیکن ان کے عوام کے دلوں میں نفرت اور انتقام کی چنگاریاں سلگتی رہتی ہیں۔ سی این این کے حالیہ سروے نے پاکستانی ارباب اختیار کی ایک بڑی بھول کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ رائے عامہ کے اس جائزے کے مطابق افغانستان میں امریکی اقدام اور پاکستان کی طرف سے اس اقدام کی حمایت کو درست سمجھنے والے پاکستانیوں کی تعداد صرف 5 فیصد ہے۔ گویا 95 فیصد عوام سینوں میں الاؤ لئے بیٹھے ہیں۔ اسی جائزے کے مطابق نو اسلامی ممالک کے 77 فیصد عوام نے افغانستان میں امریکی کارروائی کو اخلاقی طور پر غلط اور غیر منصفانہ قرار دیا ہے۔

امریکہ، شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے طرز عمل کی زہرناکی اور اپنے رویے کی نشتر زنی سے خوفزدہ ہے۔ وہ دنیا بھر میں جو فصل بو رہا ہے اس کے جوان ہونے اور پھل لانے کے تصور سے ہراساں ہے۔ وہ افغانستان میں کھیلے جانے والے کھیل کے منظروں کو بھول نہیں سکتا۔ گوانتا نامو کے قیدیوں سے روا رکھے جانے والے طرز عمل کا خیال اس کے اعصاب پر سوار رہتا ہے۔ اسے

Marfat.com

معلوم ہے کہ ظلم کی حکمرانی زیادہ طویل نہیں ہوتی اور مظلوم جب زندگی اور موت کے خرخشے سے آزاد ہو کر جوابی وار کرتا ہے تو ظلم کی قوتوں کی روح تک لرز جاتی ہے۔ قوت کے نشے میں سرشار شخص یا قوم کی سب سے بڑی کمزوری، زندگی سے پیار ہے۔ مظلوم شخص کی سب سے بڑی قوت موت سے بے خوفی ہے۔ جب مظلوم کی قوتِ برداشت آخری حدوں کو چھونے لگتی ہے تو وہ پلٹ کر ایسا وار کرتا ہے کہ متکبر اور مغرور گردنوں کے مہرے سرمہ ہو جاتے ہیں۔

امریکہ اسی خوف میں مبتلا ہے کہ ظلم کی انتہا تو ہو چکی۔ اس سے زیادہ بربریت اور درندگی کا مظاہرہ ممکن ہی نہیں۔ شرفِ انسانی کی اس سے زیادہ تحقیر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ 21ویں صدی میں انسانیت کی ایسی تذلیل کسی ذی روح کے لئے ممکن ہی نہیں۔ بش اور اس کے حواریوں کا لب و لہجہ کائنات پر خدائی کے دعوے کا عکاس ہے۔ کمزور ملکوں کی آزادی و خود مختاری، بالا خانوں کے آداب سے بھی حقیر تر سمجھی جا رہی ہے اور امریکہ کو خبر ہے کہ اتنا کچھ کرنے کے بعد، کچھ نہ کچھ سہنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

واشنگٹن سے کوسوں دور، گمنام علاقوں کی سرنگوں اور تہہ خانوں میں پناہ گزین متبادل امریکی حکومت، اس امر کا ثبوت ہے کہ جرم کی خلش نے امریکہ کو خوف کی صلیب پر لٹکا رکھا ہے۔ جارج بش کے لئے تالیاں بجانے والی امریکی قوم بھی اس آسیبی دہشت کی گرفت میں ہے۔ ایک عالم کی نیندیں حرام کرنے والی فتنہ خو قوم اپنے اندر کے خوف سے ٹوٹتی جا رہی ہے۔

غارت گروں کے لئے یہ چھوٹی سی سزا، اس آفاقی انصاف کی ادنیٰ سی جھلک ہے جو کسی وقت، کسی آن، تنی ہوئی گردنوں کے منکے توڑ کر انہیں نمونہ عبرت بنا سکتا ہے۔

[03-03-2002]

Marfat.com

شاہی کوٹ کے پہاڑ

امریکہ نے اپنی جدید ترین عسکری مشینری اور ٹیکنالوجی، جس بے دردی کے ساتھ بے دست وپا افغانوں کے خلاف استعمال کی، اس کی نظیر تلاش کرنا مشکل ہے۔ ایسی وحشت ناک قوت کسی بھی ملک اور کسی بھی قوم کے سارے کس بل نکال سکتی ہے۔ ایک بے بال و پر سے شخص کو شاہین کی قبا پہنا کر افغانستان کی شاخ اقتدار پر بٹھا دینے اور سنگت کرنے والے چند صدا کاروں کی کابینہ بنا کر امریکہ نے یہ سوچا کہ افغانستان فتح ہو چکا۔ طالبان کی رگِ جاں کٹ چکی۔ القاعدہ کا شیرازہ بکھر گیا۔ اب کوچہ و بازار میں ایک نئی زندگی انگڑائی لے رہی ہے۔ سینما ہال کھل گئے ہیں۔ موسیقی لوٹ آئی ہے۔ چہرے بے حجاب ہونے لگے ہیں۔ اسامہ قصہ پارینہ بن چکا ہے اور ملا عمر سنگلاخ پہاڑوں کی کسی گہری کھائی کا لقمہ بن چکا ہے۔ تجزیہ نگاروں نے خیال ظاہر کیا کہ اب افغانستان کے طول وعرض میں ہلکی سی مزاحمت کا امکان بھی باقی نہیں رہا۔ گوریلا جنگ تو حد وہم وگماں سے بھی پرے جا چکی ہے۔

لیکن کیا افغانستان کی روح بے تاب ابھی زندہ ہے؟ کیا اب بھی عشق کے قافلہ سخت جاں کے سربکف مسافر موجود ہیں؟ یہ گہری نیند سوئے شاہی کوٹ کی برف پوش چوٹیاں ایکا ایکی کیسے جاگ اٹھی ہیں؟ یہ کون لوگ ہیں جو ہڈیوں کے اندر گودا تک جما دینے والی سردی میں پوری استقامت اور جوانمردی کے ساتھ مورچہ زن ہیں؟ امریکہ اپنی زرخرید سپاہ کے ساتھ اچانک کیوں سرگرم ہو گیا ہے؟ جارج بش، کولن پاول اور رمزفیلڈ کی مسکراہٹیں تو ہونٹوں کے ساحلوں سے باہر چھلکی جا رہی تھیں کہ قصہ تمام ہو گیا تو پھر یہ کیسی خبریں آ رہی ہیں کہ پچھلے چار دنوں سے مشرقی اور جنوبی افغانستان میں نئے خونیں معرکوں کا آغاز ہو چکا ہے؟

امریکہ نے اپنے اسلحہ خانے کا کون سا ہتھیار اور اپنی سپاہ گری کا کون سا ہنر نہیں آزمایا۔ ڈیزی کٹر بموں کی بارش کی گئی۔ ٹام ہاک کروز میزائلوں کی بوچھاڑ کی گئی جن میں سے ہر ایک کی

Marfat.com

قیمت تقریباً چودہ لاکھ ڈالر ہے۔ بی ۔52 اور ایف ۔16 طیاروں کے علاوہ بیسیوں قسم کے ہیلی کاپٹر اور بغیر پائلٹ کے اڑنے والے جاسوسی طیارے استعمال ہوئے۔ شمالی اتحاد کو جدید ترین اسلحہ سے آراستہ کیا گیا۔ اور اب اسلحہ خانے کا ایک نیا ہتھیار ''تھرمو بیرک بم'' متعارف ہوا ہے جو سرنگوں، غاروں اور زیر زمین مورچوں کی ساری آکسیجن چوس لیتا اور میلوں میں پھیلی ذی روح مخلوق کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ شاہی کوٹ کے پہاڑی علاقے میں استعمال کئے جانے والے تھرمو بیرک بموں کی تباہ کاری کی اصل کہانی شاید کبھی منظر عام پر نہ آسکے کیونکہ اس کے حصار میں آنے والا کوئی انسان زندہ نہیں بچ سکتا۔ افغانستان پر یلغار کے بعد پانچ ماہ میں پہلی بار اس نیم ایٹمی ہتھیار کا استعمال ضروری سمجھا گیا ہے جس سے معاملے کی نزاکت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس نوع کا بم روس نے چیچنیا میں استعمال کیا تھا جس پر امریکہ سمیت ساری مہذب دنیا چیخ اٹھی تھی لیکن افغانستان میں موجود امریکی فوج کے کمانڈر کا کہنا ہے کہ ان کے تھرمو بیرک کی ہلاکت آفرینی'' جنیوا معاہدے کی حدود میں آتی ہے۔'' افغانستان کی کرائے کی سپاہ اور امریکی فوج کا مشترکہ طور پر یہ سب سے بڑا آپریشن ہے اور گزشتہ پانچ ماہ کے دوران انہیں پہلی بار اس قدر شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ایک امریکی اور تین افغانیوں کی ہلاکت کی تصدیق کی گئی ہے لیکن اطلاعات آ رہی ہیں کہ ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ گردیز کا ہسپتال زخمیوں سے بھر گیا ہے اور کئی شدید زخمی امریکی، ہیلی کاپٹروں کے ذریعے دوسرے مقامات کو منتقل کئے جا رہے ہیں۔

خبریں اور بھی ہیں۔ مزار شریف کے قریب شولگرہ کے علاقے میں عبدالرشید دوستم اور برہان الدین ربانی کے دستوں کے درمیان شدید جھڑپیں ہو رہی ہیں۔ اتوار کی رات قندھار ائرپورٹ پر حملے اور ہلاکتوں کی اطلاعات ہیں۔ گل آغا کے سپاہیوں اور مقامی افراد کے درمیان جھڑپیں ہوئی ہیں۔ کابل کے ہوائی اڈے پر ایک وزیر کے قتل کے بعد کٹھ پتلی حکومت کی اندرونی کشمکش زوروں پر ہے۔ امریکی لوئی جرگہ کے انعقاد کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں۔

امریکیوں کا کہنا ہے کہ شاہی کوٹ کے برف پوش پہاڑوں کے بطن میں غاروں اور سرنگوں کا طویل سلسلہ ہے جہاں طالبان اور القاعدہ کے لوگ منظم ہو رہے ہیں۔ انہوں نے پشتو اور دری زبانوں میں پمفلٹ گرائے ہیں کہ'' ہتھیار ڈال دو ورنہ موت کے لئے تیار ہو جاؤ۔'' ادھر وائس

Marfat.com

آف جرمنی نے اطلاع دی ہے کہ اسامہ بن لادن اور ملا عمر کی تصاویر سے مزین ''شب نامے'' تقسیم ہو رہے ہیں جن میں کہا گیا ہے ''امریکیو! تھوڑے دن انتظار کرو۔ تمہیں اپنے انجام کی خبر نہیں جو بہت بھیانک ہوگا'' شاہی کوٹ کی کہانی سنانے والا کوئی داستان گو شاید زندہ نہ بچے۔ ممکن ہے انسانی آوازوں کے اچانک معدوم ہو جانے سے شاہی کوٹ کی برف بھی وحشت ناک تنہائی کا شکار ہو گئی ہو۔ ممکن ہے تھرموبیرک کے کیمیائی زہر سے اس کی نبضیں بھی ڈوبنے لگی ہوں لیکن شہیدوں کا گرم گرم لہو اسے نئی حرارت، نئی زندگی اور نئی تڑپ دے گا۔ یوں بھی مارچ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ بہار کے قافلے سامانِ سفر تازہ کر رہے ہیں۔ سورج کی تمازت بڑھنے لگی ہے۔ اب شاہی کوٹ کی برف لمبا سفر کر کے میدانوں، وادیوں اور آبادیوں کا رخ کرے گی۔ اس کے شفاف پانی کی گلابی لہریں طلسماتی مخلوق کی پراسرار داستانیں سنائیں گی اور بستیوں کے جوان ایک نئے عزم کے ساتھ گمشدہ لوگوں کی تلاش میں پہاڑوں کو نکل جائیں گے کہ ابھی دلوں میں موجزن ایمان و عشق کو چوس لینے والا کوئی تھرموبیرک ایجاد نہیں ہوا۔

بالاکوٹ اور شاہی کوٹ جیسے پہاڑ بڑے سخت جان اور منتقم مزاج ہوتے ہیں۔ وہ تو اونچی آواز کو بھی گونج بنا کر لوٹا دیتے ہیں۔ ''تھرموبیرک'' کا قرض کیوں نہیں چکائیں گے۔

[05-03-2002]

Marfat.com

انسانی حقوق، جمہوریت، قانون کی حکمرانی

امریکہ کی وزارت خارجہ ہر سال کانگرس کی توثیق سے دنیا کے مختلف ممالک میں ''انسانی حقوق کی پامالی'' کے بارے میں ایک جامع رپورٹ شائع کرتی ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد سے اس رپورٹ کو ایک اہم دستاویز کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ اسے ایک ایسا آئینہ خیال کیا جاتا ہے جس میں امریکہ کا تعلیم یافتہ اور مہذب معاشرہ ساری دنیا، بالخصوص تیسری دنیا کے ممالک کے چہرے دیکھتا اور ان کے بھیانک خدوخال کا ماتم کرتا ہے۔ اس جام جہاں نما کا کمال یہ ہے کہ خود امریکی عوام اپنے رخ زیبا کے تیکھے نقوش ملاحظہ نہیں فرماسکتے۔

اب کی بار شائع ہونے والی رپورٹ میں، حسب معمول پاکستان کا خصوصی تذکرہ شامل ہے جس میں انسانی حقوق کی پامالی، ماورائے عدالت ہلاکتوں، چائلڈ لیبر، خواتین کے حقوق اور ایسے ہی دیگر معاملات کے حوالے سے پاکستان کو تند و تیز تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ پاکستانی دفتر خارجہ کے ترجمان نے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اس رپورٹ کو ناقابل قبول اور حقائق سے قطعی متصادم قرار دیا ہے۔ اس عالم بے چارگی اور دستور زباں بندی کے باوجود ترجمان نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ''کسی ملک کو دوسروں پر اپنے فیصلے مسلط نہیں کرنے چاہئیں۔'' ادھر امریکی رائے عامہ نے شدید احتجاج کیا ہے کہ وزارت خارجہ اور کانگرس نے اپنے ''نئے اتحادیوں'' کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا ہے اور انسانی حقوق کے بارے میں ان کے سیاہ ریکارڈ سے چشم پوشی کی ہے چنانچہ امریکی وزیر خارجہ کولن پاول کو بیان جاری کرنا پڑا ہے کہ ''دنیا بھر میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے موثر اقدامات کرنا صدر بش، کانگرس اور امریکی عوام کا مشترکہ عہد اور ہماری خارجہ پالیسی کا لازمی حصہ ہے۔ امریکہ ہمیشہ سے انسانی حقوق، جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کے لئے سرگرم عمل ہے اور ہمیشہ رہے گا۔''

Marfat.com

امریکی وزیر خارجہ کو اس نوع کی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہونی چاہیے تھی۔ انسانی حقوق، جمہوریت اور قانون کی سربلندی سے امریکہ کی لازوال وابستگی کے بارے میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں۔ جب بھی ''بدگمانی'' کا کوئی امکان پیدا ہوتا ہے اور دنیا امریکہ کے ان ارفع اصولوں کے بارے میں کسی الجھن کا شکار ہونے لگتی ہے تو امریکہ کی قیادت نئے عزم کے ساتھ لوح تاریخ پر ایک نیا باب رقم کرتی اور ''بے خبری'' کے عالم میں پروان چڑھنے والی نسلوں کو باور کرا دیتی ہے کہ وہ کن اعلیٰ اقدار کے لئے سرگرم عمل ہے۔ افغانستان میں حالیہ کارروائیاں اسی بھولے ہوئے سبق کو یاد دلانے کی نہایت ہی توانا کوششوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ ویت نام اور عراق کے نوشتے کی سیاہی ماند پڑنے کے بعد یہ ضروری سمجھا گیا کہ انسانی حقوق، جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کے لئے ایک زیادہ جامع، وسیع تر اور بلیغ لیکچر کا اہتمام کیا جائے جسے عملی تجربات سے موثر بنایا جائے۔ چنانچہ افغانستان کو اس کار خیر کے لئے منتخب کیا گیا۔ قلعہ جنگی، تورا بورا اور گوانتانامو کے ایکس رے کیمپ کی سلائیڈز دکھا کر انسانی حقوق سے اپنی ازلی وابدی وابستگی کا نمونہ پیش کیا گیا۔ پاکستان میں جنرل پرویز مشرف کی حکومت کی بھرپور سرپرستی اور افغانستان میں ایک شجر بے شاخ وثمر کی آبیاری کو جمہوریت کے ساتھ اپنے اٹوٹ رشتے کے ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا اور امریکہ کو بدترین نسلی امتیاز کا جہنم بنا کر قانون کی حکمرانی کا مظاہرہ کیا گیا۔ معروف برطانوی اخبار ''گارڈین'' میں شائع ہونے والے جارج مانبیٹ کے ایک تازہ مضمون میں ایسے چند واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے جن سے جناب کولن پاول کے دعوے کی تصدیق مزید ہو جاتی ہے۔

برطانیہ میں مقیم ایک پاکستانی، عدیل اکبر ایک خاتون کے ہمراہ اداکاری کے کسی ٹیسٹ کے لئے نیویارک کے جے ایف کینیڈی ائرپورٹ پر اترا۔ دونوں کو گرفتار کر کے ایک تفتیشی سیل میں پہنچا دیا گیا۔ ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ اذیت ناک تفتیش کا عمل کئی گھنٹے جاری رہا۔ اگلے دن انہیں رہائی ملی لیکن وہ ابھی تک اس شش وپنج میں ہیں کہ کیا یہ سب کچھ نیویارک میں ہوا؟

ایک پچاس سالہ مسلم خاتون، جو برطانوی شہری ہے، اسی ائرپورٹ پر اتری۔ وہ کینسر سے جاں بہ لب بہن سے ملنے آئی تھی۔ اسے جہاز سے اترتے ہی گرفتار کر لیا گیا۔ ہتھکڑی ڈال کر لمبی زنجیر کے ساتھ ڈیپارچر لاؤنج میں گشت کرایا گیا۔ اس کی نازیبا انداز میں تلاشی لی گئی۔ سوٹ کیس کے تالے توڑ دیئے گئے۔ رات بھر تفتیشی سیل میں رکھا گیا۔ اس نے واویلا کیا کہ مجھے برطانوی

Marfat.com

قونصل خانے سے بات تو کرنے دو لیکن کہا گیا ''تم پاکستانی قونصلر سے بات کر سکتی ہو'' خاتون نے زندگی کے تلخ ترین تجربے سے گزرنے کے بعد امریکہ کے امیگریشن حکام کو خط لکھا ہے کہ میرا قصور تو بتا دو!

گزشتہ ہفتے ایک اخبار نویس نے صومالیہ کے شہر ''موگا دیشو'' میں تیس انسانوں کو ایک جگہ مقفل پایا۔ معلوم ہوا کہ یہ افریقی دراصل امریکی باشندے ہیں، وہیں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے، وہیں تعلیم حاصل کی، وہیں ملازمتیں اختیار کیں۔ ایک دن اچانک چھاپے پڑے انہیں جہاز میں لاد کر صومالیہ بھیج دیا گیا کہ تمہارے ماں باپ وہیں پیدا ہوئے تھے۔

آدھی رات کو دروازے توڑ کر گھروں میں داخل ہو جانا، ٹھڈے مار کر جگانا، توہین و تذلیل کرنا، پکڑ کر تھانوں میں لے جانا، کئی کئی دن زیر حراست رکھنا، اذیتیں دینا، یہ سب کچھ معمول بن چکا ہے۔ ہزاروں مسلمان اس ''حسن سلوک'' سے فیض پا رہے ہیں۔

ادھر جارج بش سے پوچھا گیا ''کیا آپ پکڑے گئے القاعدہ یا طالبان قیدیوں میں سے کسی پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلا رہے ہیں۔'' انہوں نے کمال طنطنے سے کہا ''سوائے امریکیوں کے'' ان کا اشارہ جان واکر کی طرف تھا جس کا رنگ گورا ہے اور جس کے ماں باپ پیدائشی امریکی ہیں۔

قانون کی حکمرانی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو گی؟

رہا پاکستانی ترجمان کا یہ مشورہ کہ ''امریکہ دوسرے ممالک پر اپنے فیصلے مسلط نہ کرے'' تو غالباً اس نوع کا مطالبہ کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔ ہر امریکی فیصلے کو صحیفہ سمجھ کر قبول کر لینے اور اس کے الفاظ و معانی کی ہر تاویل کو حرز جاں بنا لینے کے بعد اس طرح کی ناروا باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ خواہ مخواہ ثواب بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

[07-03-2002]

Marfat.com

برگ آوارہ

برف زاروں کی آگ پھیلتی جا رہی ہے۔ اس کے شعلے گردیز، خوست، لوگر، پلتیا اور قندھار سے ہوتے ہوئے کابل تک آن پہنچے ہیں۔ طالبان کی راکھ ایک بار پھر بھڑک اٹھی ہے۔ سات سمندر پار بھیجے جانے والے آبنوسی تابوتوں کی مانگ بڑھنے لگی ہے اور امریکہ کے مفادات کا پاسبان کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔

امریکہ کے ببرک کارمل کے طور پر افغانستان کا حاکم ومختار ہونے کا دعویدار یہ شخص اپنے حجلہ عروسی میں بھی اپنے اختیار کا سکہ جمانے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ معمولی نقل وحرکت کے لئے بھی امریکی اور برطانوی سپاہیوں کا محتاج حامد کرزئی، آج کل دنیا بھر کی سیاحت کے ارمان نکال رہا ہے۔ جس دنیا نے پورے سات سال تک واحد اور متحد افغانستان کے امیر، ملا محمد عمر سے سلام کلام بھی گوارا نہ کیا، وہ دنیا کرزئی کا استقبال کرتی، اس کے سر پر دست شفقت رکھتی اور اس کی بلائیں لیتی ہے۔ اپنے اقتدار مستعار کے چھ ماہ مکمل کرتے وقت، یقیناً حامد کرزئی غیر ملکی دوروں کا نیا ریکارڈ قائم کر چکا ہوگا لیکن افغانستان کے لئے وہ آج بھی ایک نامانوس اجنبی ہے جس کا نہ کوئی تعارف ہے، نہ شناخت، نہ حدود اربعہ نہ پس منظر۔

کرزئی کا افغانستان، طالبان کی نئی معرکہ آرائی کے علاوہ بھی زبردست ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ بونی حکومت کے اعضاء ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں اور ''وارلارڈز'' کی باہمی کشمکش بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ عبدالرشید دوستم، نائب وزیر دفاع کا منصب سنبھالنے کے باوجود بون کی واردات کا کاری زخم لئے پھرتا ہے۔ اس کے گوریلے، وزیر دفاع قاسم فہیم کے دستوں سے آئے دن الجھتے رہتے ہیں۔ شمالی افغانستان میں بدامنی اور افراتفری بڑھتی جا رہی ہے۔ قاسم فہیم اور دوستم کی نظریں جون میں منعقد ہونے والے لوئی جرگے پر لگی ہیں۔ دونوں کی کوشش ہے کہ وہ ہتھیاروں کے زور پر زیادہ سے زیادہ علاقہ اپنے تسلط میں لے آئیں تاکہ لوئی جرگہ کے زیادہ سے

Marfat.com

زیادہ ارکان پر اپنا اثر ورسوخ قائم کرسکیں اور زیادہ سے زیادہ رقبے پر قابض ہونے کے حوالے سے زیادہ حصہ پاسکیں۔

1998ء تک دوستم اپنے آپ کو مزار شریف کا بے تاج بادشاہ سمجھتا تھا۔ 1995ء میں امیر المومنین ملا عمر اور ان کے قریبی رفقاء سے ملاقاتوں کے دوران مجھے اندازہ ہوا تھا کہ اگر طالبان کے لئے کوئی ایک شخص ناقابل برداشت ہے تو وہ دوستم ہے۔ طالبان نے کم وبیش تین سال بعد مزار شریف کے دروازے پر دستک دی اور دوستم کو اس کے قلعے سے بے دخل کردیا۔ وہ چار سال تک بھٹکتا اور پناہیں ڈھونڈتا رہا۔ یہاں تک کہ گزشتہ برس وہ امریکہ کے ڈیزی کٹر بموں اور کمروز میزائلوں کے چھاتے تلے ایک بار پھر مزار شریف میں داخل ہوگیا۔ اس کے آتے ہی ظلم و بربریت کا عفریت جاگ اٹھا اور پرامن شہر کے در و دیوار لرز گئے۔ دوستم کو رنج ہے کہ بون معاہدے میں اس سے ناانصافی ہوئی۔ وہ اپنی سلطنت کا مطلق العنان فرمانروا بنا بیٹھا ہے۔ نہ کسی سے حکم لیتا اور نہ کسی مرکزی اتھارٹی کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن جمعیت اسلامی کا کمانڈر محمد عطا، جسے فہیم کی حمایت حاصل ہے، اسے شدید مزاحمت سے دوچار کررہا ہے۔ واقفان حال بتاتے ہیں کہ خود مزار شریف اس کے ہاتھوں سے سرکتا جارہا ہے۔

کمانڈر عطا کا کہنا ہے کہ شہر میرے کنٹرول میں ہے اور یہاں صرف میرے نرد پس ہی ٹھہر سکتے ہیں۔ کشیدگی کی نوعیت سے آگاہ لوگوں کا خیال ہے کہ اہم شمالی صوبے سمنگان پر کنٹرول کے لئے دوستم اور اس کے مخالفین کے درمیان شدید جنگ کسی بھی وقت شروع ہوسکتی ہے۔ جمعیت اسلامی کی پوری کوشش ہے کہ وہ لوئی جرگہ کے انعقاد سے قبل سمنگان پر قبضہ کرکے دوستم کو، چار میں سے ایک صوبے کی حکمرانی سے محروم کردے۔ دوستم خود ازبکوں کی حمایت سے بھی محروم ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ کمانڈر عطا کی طرح دوستم کا ایک اور پرانا دوست جنرل مالک پہلوان اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوچکا ہے۔ پہلوان کے پاس جنگجوؤں کی اچھی خاصی تعداد ہے اور اسے صوبہ فاریاب کے ازبکوں کی بھرپور حمایت بھی حاصل ہے۔ دوستم اپنے سکڑتے ہوئے اقتدار کو بچانے کے لئے ایران اور ازبکستان کی طرف دیکھ رہا ہے جبکہ روس جنرل فہیم کی پشت پناہی کررہا ہے۔

ادھر شمال میں ازبکوں، ہزاروں اور تاجکوں کے اسلحہ بند جتھے پختونوں کا عرصہ حیات تنگ کررہے ہیں۔ انسانی حقوق کے عالمی ادارے ہیومن رائٹس واچ (H.R.W) نے اپنی ایک حالیہ

Marfat.com

رپورٹ میں ڈیڑھ سو کے لگ بھگ واقعات کا حوالہ دے کر بتایا ہے کہ پختونوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔ انہیں ظلم و تشدد، لوٹ مار، اغواء اور زدوکوب کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ان کی خواتین کی آبروریزی کی جاتی ہے۔ اس ظالمانہ سلوک سے اکتائے ہوئے پختون بڑی تعداد میں نقل مکانی کر رہے ہیں۔

یہ ہے حامد کرزئی کے افغانستان کا صرف ایک گوشہ۔ یہ سب کچھ امریکہ، اس کی بہادر اتحادی افواج، اس کی عصمت شعار کولیشن اور منصف مزاج اقوام متحدہ کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے لیکن سب خاموش ہیں۔ طالبان کے عہد میں 95 فیصد افغانستان امن و انصاف کا مثالی گہوارہ تھا اور انسانی حقوق کی پامالی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس افغانستان پر صرف ایک قانون کی عملداری تھی..... لیکن امریکہ اور اس کی حاشیہ بردار مہذب دنیا کو یہ سب کچھ منظور نہ تھا۔ اس لئے کہ عصر حاضر کے تقاضوں سے ''نابلد حکمران'' امریکہ کے بجائے قرآن و سنت سے رہنمائی لیتے تھے۔ آج کا افغانستان، پانچ ماہ پہلے کے افغانستان کی نسبت کہیں زیادہ منتشر، کہیں زیادہ غیر محفوظ اور کہیں زیادہ فساد زدہ ہے۔ کسی کی جان، کسی کے مال، کسی کی آبرو کو تحفظ حاصل نہیں لیکن امریکہ اور اس کے حواری خوش ہیں کہ اب وہاں صرف اللہ کے حضور جھکنے والے مرد جری کے بجائے امریکہ کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہونے والے بچہ سقہ کی حکومت ہے۔

ہوا کا کوئی شریر جھونکا، ویران روشوں پر ٹھوکریں کھاتے خزاں رسیدہ پتے کو اڑا کر کسی گملے میں ڈال دے تو وہ گل نو بہار نہیں بن جاتا۔ حامد کرزئی تہہ در تہہ جبہ و عمامہ کے باوجود ساری دنیا کے سامنے عریاں کھڑا ہے۔ نگر نگر کے دوروں کے دوران ہی کسی روز اسے خبر ملے گی کہ افغانستان کے دروازے اس کے لئے بند ہو گئے ہیں..... اور وہ ایک بار پھر دوردیس کی کسی ویران پگڈنڈی پر خزاں رسیدہ پتے کی طرح آوارہ خو ہواؤں کی زد میں ہے۔

[08-03-2002]

Marfat.com

ضیاء شاہد کا سوال

اسلام آباد میں جناب حمید نظامی مرحوم کی یاد میں منعقد ہونے والے سیمینار کو موجودہ حالات کے تناظر میں نہایت ہی اہم تقریب کہا جا سکتا ہے۔ شاید ہی اتنے مختلف الخیال سیاسی عناصر نے کسی دوسرے فورم پر جمع ہو کر اس قدر سنجیدگی، متانت اور دردمندی کے ساتھ ملک وقوم کو درپیش مسائل پر گفتگو کی ہو۔ صدر تقریب جناب مجید نظامی کے علاوہ مسلم لیگ (ن) کے راجہ محمد ظفر الحق، مسلم لیگ (ق) کے چوہدری شجاعت حسین، ہم خیالی اور کسی لاحقہ کے بغیر مسلم لیگی، لال حویلی والے شیخ رشید احمد، ملت پارٹی کے فاروق لغاری، جماعت اسلامی کے لیاقت بلوچ، پیپلز پارٹی کے رضا ربانی، جمعیت العلمائے اسلام کے مولانا سمیع الحق، معروف عسکری دانشور جنرل (ر) حمید گل، وفاقی وزیر خزانہ شوکت عزیز، صحافتی شخصیات جناب ضیاء شاہد، جناب زاہد ملک اور جناب شریف فاروق میں سے ہر ایک نے موجودہ منظر نامے پر اظہار خیال کیا۔ جناب شوکت عزیز کے سوا کسی بھی شخصیت کی گفتگو میں اطمینان وآسودگی کی کوئی جھلک نہ تھی۔ ایک تشویش، ایک بے چینی، ایک الجھن اور ایک بے کلی سب کی باتوں میں سلگ رہی تھی۔ اسلام اور پاکستان، قائداعظم اور اقبال، نوائے وقت اور حمید نظامی، مقررین کی تقاریر کے مرکزی حوالے تھے اور یہ حوالہ افکار کی رنگا رنگی کے باوجود موضوع کی مرکزیت کو قائم رکھے ہوئے تھا۔ میرے خیال میں یہ سیمینار حمید نظامی مرحوم کے لئے ایصال ثواب کی ایسی منفرد تقریب دعا تھی جو کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ ان کی روح اس بات پر شاداں وفرحاں ہوگی کہ دنیا سے رخصت ہونے کے چالیس سال بعد بھی وہ کس تمکنت کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کی محفل میں اسلام آباد جیسے شہر ناپرساں کے لوگ کس عقیدت ومحبت کے ساتھ امڈے چلے آرہے ہیں۔

مجھے یہ بھی گمان گزرتا ہے کہ حمید نظامی کی روح جنت کی فضاؤں میں بھی یہ خلش محسوس کر رہی ہوگی کہ جمہوریت کی پامالی اور فوجی حکومت کی فرمانروائی کے جس آسیب نے ان کے لئے سانس

Marfat.com

لینا دوبھر کر دیا تھا اور وہ جان ہار بیٹھے تھے، چالیس سال بعد بھی وہ جاں لیوا گھٹن جوں کی توں موجود ہے، ان کا سخت جان بھائی، ان کے بعد آنے والے تین مارشل لاؤں میں، تین بائی پاس آپریشن کرانے کے باوجود نہ صرف زندہ ہے بلکہ پوری پامردی کے ساتھ اسلام، پاکستان اور جمہوریت کی جنگ لڑنے والے دستے کی قیادت کر رہا ہے۔ مقررین کی باتوں اور سینکڑوں سامعین کے ردعمل سے مجھے اندازہ ہوا کہ برادر محترم مجید نظامی کو چالیس سالوں پر محیط جہادِ پیہم کا جو اجر اس دنیا میں ہی مل رہا ہے، کوئی دولت اس کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ ہر لمحہ ایک آتش خاموش میں جلنے اور اپنے دل کو نشتر گاہ بنائے رکھنے کے باوجود، مجید نظامی کو جتنے بھی جنم ملیں، وہ اسی دشت پرخار کی بادیہ پیمائی پہ نکلیں گے کہ ہر دور میں کانٹوں کو اپنی پیاس بجھانے کے لئے ایک آبلہ پا کی ضرورت ہوتی ہے۔

سیاسی عمائدین کا مرکزی نکتہ ایک ہی تھا کہ جمہوریت اور آئین کی بحالی و بقا کے لئے سب کو متحدہ و یکجان ہو جانا چاہئے۔ یہ اچھی سوچ ہے۔ اللہ کرے کہ ایک دوسرے کے خلاف ''ون پوائنٹ ایجنڈا'' بنانے والے اس طرح کے ون پوائنٹ ایجنڈے پر متفق ہو جائیں۔ بزرگان سیاست سے قطع نظر میں برادرم ضیاء شاہد کے اس سوال کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو انہوں نے بڑی دلسوزی اور جذبے کی پوری صداقت کے ساتھ حاضرین کے سامنے رکھا۔ وہ پوچھنا چاہتے تھے کہ ''گیارہ ستمبر کے بعد کا پاکستان کس حال کو پہنچ چکا ہے اور کس حال کو پہنچنے جا رہا ہے؟ ہمیں ذلت و پستی کے کس گڑھے تک جانا ہوگا کہ بھارت سمیت پوری دنیا کو ہماری شرافت کا یقین آجائے؟ کوئی آخری دفاعی لائن تو ہوگی جہاں کھڑے ہو کر ہم کہہ سکیں کہ بہت ہو چکی، ہم اس سے زیادہ رسوائی برداشت نہیں کر سکتے!'' انہوں نے مزید کہا کہ ''نظامی صاحب اور ان کی سرکردگی میں پوری قوم کو، ایک سنجیدہ اور بامقصد بحث کا آغاز کرنا چاہئے کہ گیارہ ستمبر کے بعد وجود میں آنے والے پاکستان کو کس طرح قائداعظم اور علامہ اقبال کے پاکستان کے طور پر قائم رکھا جائے اور اس کی آزادی و خود مختاری اور اقتدار اعلیٰ کے تحفظ کے لئے کیا اقدامات کئے جائیں؟''

یہ ایک بنیادی سوال ہے جس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے اور ایک جامع حکمت عملی طے کرنے کے لئے قوم کو اپنی اجتماعی دانش بروئے کار لانا ہوگی۔ ملک بہرحال ایک گرداب بلا میں پھنس چکا ہے۔ اس سانحے کی ذمہ داری کا تعین ہوتا رہے گا۔ سرِ دست کرنے کا کام یہی ہے کہ

Marfat.com

معاملے کی نزاکت کا احساس کیا جائے اور احساس دلایا جائے۔ المیے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس زوال وانحطاط اور قومی تاریخ کی انتہائی المناک سپراندازی کو بھی فتح وکامرانی اور سفارتی ہنر مندی کے طور پر باور کرایا جارہا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ڈالروں کے خوش رنگ کھلونوں سے کھیلنے، امریکیوں کے بیانات کے شگوفوں سے خوشبوئیں کشید کرنے، بش، کولن پاول اور رمزفیلڈ سے مصافحوں کو اپنا کمال ہنر خیال کرنے اور پے در پے ہزیمتوں کو حکمت کاری کی قبائے رنگین پہنانے کے بجائے ہم اس کڑی دھوپ کا تصور کریں جو دیکھتے ہی دیکھتے چھتوں سے اتر کر ہمارے صحنوں میں آبیٹھی ہے اور جس کی حدت سے حساس لوگوں کی روحیں تک پگھلنے لگی ہیں۔ اس امر کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم کس کس محاذ سے، کس کس بے چارگی کے عالم میں پسپا ہوئے اور ابھی تک لڑھکتے جارہے ہیں۔ ادھر جمہوریت کال کوٹھڑی میں بند اور فیصلہ سازی عوامی جذبہ واحساس کی دھڑکنوں سے محروم ہے۔

کوچہ و بازار میں بال بکھیرے حالات کی نامہربانیوں کا ماتم کرتی اور وطن کی نڈھال پڑتی آزادی وخودمختاری پر بین کرتی حب الوطنی کی آہ و بکا، فصیلِ شہر سے ٹکرا کر واپس آرہی ہے۔ طالبان کی ہڈیوں کا سرمہ آنکھوں میں سجانے کے باوجود ہمارا حسن امریکہ کے دل میں عشق کی کوئی چنگاری نہیں بھڑکا سکا۔ پچپن سالوں سے ناسازگار موسموں کے باوجود، کشمیر کے چناروں میں سلگتی آگ سوالیہ نشان بنتی جارہی ہے۔ بھارت کے مسلمانوں کی جلتی بستیوں سے اٹھتا دھواں، لاہور کی شاہی مسجد کے میناروں سے دکھائی دے رہا ہے اور ہمارا آسمان رنگارنگ پتنگوں، ہماری شامیں رقص وموسیقی کی محفلوں اور ہمارے سیاست کدے ''ہم خیالی'' کی رعنائیوں سے آباد ہیں۔

حمید نظامی کی یاد میں منعقدہ سیمینار میں برادرم ضیاء شاہد کا اٹھایا گیا سوال، تیرہ کروڑ انسانوں کے دلوں میں سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا ہے اور مسلسل ڈس رہا ہے۔ اس پر سنجیدہ اور نتیجہ خیز بحث ضرور ہونی چاہئے کہ ہماری بربادیوں کے مشورے سرگوشیوں سے نکل کر کھلے اعلانات تک آچکے ہیں۔ میرے دوست افتخار عارف نے جانے کب کہا تھا۔

مقدر ہو چکا ہے بے درودیوار رہنا
کہیں طے پا چکا ہے شہر کا مسمار رہنا

[12-03-2002]

Marfat.com

دقیانوسی سوچ کی ایک لہر

مجھے بڑی مشکلوں سے علم کی برتری، ٹیکنالوجی کی فوقیت، سائنس کی فضیلت، ترقی کی بالادستی، دولت کی حکمرانی اور جدید تہذیب و تمدن کی انسان دوستی کا یقین آیا تھا۔ میرے دل میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے محروم اجڈ اور جدید علوم و فنون سے نابلد، خانہ ویران لوگوں کی محرومی اور انسانی اقدار سے ناشناسی کا احساس جاگزیں ہو گیا تھا۔ عالمی پراپیگنڈے اور اپنے اہل علم و دانش کے افکار کے زیر اثر میں بھی یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ امریکہ جیسے عالی نسب ملک کی ٹیکنالوجی کے سامنے سرتابی کرنا، پرلے درجے کی کم فہمی اور عاقبت نااندیشی ہے۔ میں اس بات کا بھی قائل ہونے لگا تھا کہ جب کوئی ملک مہلک قسم کے میزائلوں اور بموں کا مالک ہو جائے تو کسی اصول، کسی نظریے، کسی مسلک اور کسی آدرش کی بنیاد پر بھی اس کے حکم کے سامنے حرف انکار زبان پر نہیں لانا چاہئے۔ میں شعوری طور پر کوشش کرنے لگا تھا کہ قندھار کے مرد جری، ملا عمر، کو ضدی، ہٹ دھرم اور بے لچک شخص سمجھنے لگوں اور اپنے آپ کو باور کراؤں کہ اس شخص نے خواہ مخواہ پوری افغان قوم کے دلوں میں امریکہ کے خلاف نفرتوں کا الاؤ بھڑکا رکھا ہے۔ میں اس بات کا بھی قائل ہوا جا رہا تھا کہ پاکستان کا مولوی بلاوجہ فتنہ و فساد کو ہوا دیتا اور پاکستانی عوام کے ذہنوں میں امریکہ جیسے مہذب ملک کے بارے میں منفی جذبوں کی تخم ریزی کر رہا ہے۔ میں ایرانیوں کی طرف سے لگائے جانے والے "مرگ بر امریکہ" کے نفرت انگیز نعروں کو بھی ذوق لطیف اور انسانی محسوسات کے منافی خیال کرنے لگا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے دل کو منوایا تھا کہ ہم لوگ چھوٹے، حاسد، کم ظرف، جاہل، خواہ مخواہ نفرتیں بھڑکانے، گالیاں دینے، پتلے جلانے اور نازیبا نعرے لگانے والی قوم بن گئے ہیں جبکہ امریکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا تاجدار ہونے کے ناتے اپنے دشمنوں پر کاری ضرب تو ضرور لگاتا ہے لیکن اس کے پڑھے لکھے، مہذب، شائستہ مزاج اور انسانی شرف و مقام سے آگاہی رکھنے والے عوام کسی ایسی اوچھی حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتے جس سے ان کی عالمانہ

Marfat.com

شان پر عامیانہ پن کے گمان کا سایہ تک پڑے۔

لیکن گزشتہ روز ایک چھوٹی سی خبر نے مجھے پھر الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ''نیویارک ٹائمز'' نے بتایا ہے کہ امریکہ کے فوجی ہیڈ کوارٹرز، پینٹا گان کے ترجمان مسٹر ڈین فلبن (DAN PHILBIN) ایک پیکٹ کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں جو کسی بھی وقت ان کے دفتر پہنچنے والا ہے۔ اس پیکٹ میں بیت الخلاء میں استعمال ہونے والے ٹائلٹ پیپرز کے دو سو رول ہیں۔ ان نادر روزگار ٹائلٹ پیپرز کی خوبی یہ ہے کہ ہر ٹشو پر اسامہ بن لادن کی تصویر بنی ہے اور نیچے لکھا ہے "Wipe out Tarrorism" (دہشت گردی مٹا ڈالئے)۔ مسٹر ڈین فلبن بے چینی سے اس تحفے کے منتظر ہیں۔ انہوں نے نیویارک ٹائمز کو بتایا کہ وہ ان ٹائلٹ پیپرز کے کچھ رول وزیر خارجہ جناب کولن پاول اور کچھ جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین کو ارسال کریں گے۔ مسٹر ڈین نے اس خدشے کا بھی اظہار کیا ہے کہ جونہی ان خوبصورت اور اچھوتے ٹائلٹ پیپرز کی بھنک دوسرے لوگوں کے کانوں میں پڑے گی وہ ٹوٹ پڑیں گے۔

یہ تحفہ ٹائلٹ پیپرز بنانے والی ایک فرم کی طرف سے بھیجا جا رہا ہے جس کا مالک کین فش برگ نامی شخص ہے۔ 11 ستمبر کے بعد اس کے خوبصورت ذہن میں اس طرح کے رنگین و دلکش ٹائلٹ پیپرز تیار کرنے کا شگوفہ پھوٹا۔ اس نے صرف دو ہزار رول چھاپے اور ایک ڈبہ سوا چھ ڈالر میں بیچنا شروع کیا۔ کین فش برگ نے ایک انٹرویو میں بتایا ''اس خیال کا محرک یہ تھا کہ اسامہ بن لادن جیسے شخص کی زیادہ سے زیادہ تحقیر اور توہین کس طرح کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اسامہ کی تصویر بیت الخلاء میں طہارت کے لئے استعمال ہونے والے ٹائلٹ پیپرز پر چھاپ دی۔ میرا خیال تھا کہ شاید اس غلیظ تصور کو امریکہ کے مہذب معاشرے میں زیادہ پذیرائی نہ ملے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جونہی میں نے انٹرنیٹ کی ویب سائٹ پر اپنی نئی ''ایجاد'' کا تذکرہ کیا، آرڈرز کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ مانگ بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ میں خود ایک ''مردود شخص'' کی تصویر دیکھتے دیکھتے تنگ آ گیا۔ چنانچہ میں نے ویب سائٹ سے اس کا تذکرہ ختم کر دیا تاہم آرڈرز کی سپلائی جاری رکھی۔''

گزشتہ ہفتے فش برگ کے زرخیز ذہن میں ایک نئے خیال نے انگڑائی لی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ یہ ٹائلٹ پیپرز، خراج عقیدت کے طور پر ان عظیم شخصیات کو روانہ کئے جائیں جنہوں نے دہشت گردی کے خلاف تاریخ ساز جنگ کی منصوبہ بندی کی۔ چنانچہ اس نے پینٹا گان کے

Marfat.com

ترجمان سے رابطہ کیا۔ فون پر بات کرتے ہوئے مسٹر فلبن کی آواز فرط مسرت سے کانپنے لگی۔ انہوں نے کہا ''کیوں نہیں کیوں نہیں۔ یہ ٹائلٹ پیپرز ضرور بھیجو۔ پینٹا گان والے انہیں پا کر بہت خوش ہوں گے۔''

اس وقت تک یہ ٹائلٹ پیپرز یقیناً امریکہ کے فوجی ہیڈ کوارٹرز میں تمام بڑے عہدیداروں کے بیت الخلاؤں میں آراستہ ہو چکے ہوں گے۔ پینٹا گان کے ترجمان مسٹر فلبن نے نیویارک ٹائمز کو یہ بھی بتایا کہ وہ یہ منفرد ٹائلٹ پیپرز امریکی مہم کی فرنٹ لائن شخصیات کو بھی ارسال کرنا چاہتے تھے لیکن ''لاجسٹکس'' کے مسائل کے پیش نظر فی الحال یہ تجویز ملتوی کر دی گئی ہے۔

یہ خبر پڑھنے کے بعد سے میرے اعصاب، میری گرفت میں نہیں آ رہے۔ یہ جاہلانہ اور دقیانوسی خیال ایک بار پھر میرے دماغ میں پیچ و تاب کھانے لگا ہے کہ روشن انسانی قدروں کے پھول صرف سائنس اور ٹیکنالوجی کے شجر طیبہ پر نہیں کھلتے۔ میں سوچنے لگا ہوں کہ طالبان کی قید میں رہنے والی امریکی اور برطانوی لڑکیوں نے تو رہائی کے بعد کہا تھا کہ ''وہ ہمیں بہنیں کہہ کر پکارتے تھے۔ ہمارے آرام و آسائش کا خیال رکھتے تھے۔ ہمیں کھانا کھلانے کے بعد خود کھاتے تھے'' اور تہذیب و تمدن کا آفتاب جہاں تاب، اسامہ کی تصاویر والے ٹائلٹ پیپرز سے لطف اٹھا رہا ہے۔ ہمارے ایک فقیہہ نے تو کہا تھا کہ ''کاغذوں والے بازار سے باوضو گزرا کرو۔'' بے ہنگم سوچیں امڈی چلی آ رہی ہیں۔ ایک بار پھر مجھے جارج بش کا قد، ملا عمر کی چپل کے تلوے سے بھی چھوٹا دکھائی دینے لگا ہے۔ ایک بار پھر مجھے تعلیم یافتہ اور مہذب امریکی، لمبے کرتوں، گھنی ڈاڑھیوں اور بھاری پگڑیوں والے طالبان کے مقابلے میں بونے دکھائی دینے لگے ہیں۔

میں اپنے آپ کو اس غیر منطقی، پسماندہ، دقیانوسی اور جاہلانہ سوچ کے چنگل سے آزاد کرانے کی کوشش میں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دو دنوں میں میرا کوئی دانشور دوست ایسے توانا دلائل لے آئے گا جو ٹائلٹ پیپروں والے امریکہ کی فضیلت و برتری اور اپنی کم مائیگی کا احساس ایک بار پھر میرے حواس پر غالب کر دیں گے۔

[15-03-2002]

Marfat.com

تعاون کی پیشکش

سلام آباد کے جس علاقے میں واقع چرچ کو نشانہ بنایا گیا، وہ غالباً پاکستان بھر میں سب سے زیادہ حساس اور سب سے زیادہ محفوظ علاقہ خیال کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے سفارتخانوں کے دفاتر اور سفارت کاروں کی رہائش گاہوں کے عین وسط میں گرنیڈوں سے مسلح شخص کا دن دہاڑے، بغیر کسی روک ٹوک کے چرچ کے عبادت ہال تک پہنچ جانا، واردات کرنا اور پھر ممکنہ طور پر بچ نکلنا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ ہر اعتبار سے افسوسناک واقعہ ہے جس سے ملک کی رسوائی ہوئی ہے۔ حکومت پاکستان نے بعض اہلکاروں کو غفلت کی سزا بھی دی ہے۔ لیکن واردات، بہر حال واردات ہوتی ہے۔ سنگین پہروں اور کڑے انتظامات کے باوجود کہیں نہ کہیں کوئی ایسا رخنہ در رہ جاتا ہے جس سے ضرب لگانے والے فائدہ اٹھا جاتے ہیں اور جب کوئی شخص اپنی جان سے گزر جانے پر اتر آئے اور اپنے دل میں بھڑکتے الاؤ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے خود الاؤ کا ایندھن بننے پر تیار ہو جائے تو حفاظتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ پاکستان کو شعلہ فشاں آنکھوں سے دیکھنے، گھرکیاں دینے اور واردات کے ڈانڈے ایک نئی مہم کے جواز تک پہنچانے والے امریکی حکام کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ جدید ترین ٹیکنالوجی، تربیت یافتہ مستعد عملے، دور تک دیکھنے والی سیکورٹی ایجنسیوں اور ناقابل شکست حفاظتی انتظامات کے باوجود اس کے ہوائی اڈوں سے ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں چار طیارے اغواء ہوتے، اس کی عسکری واقتصادی قوت کی قومی علامتوں کو نشانہ بناتے اور قیامت بپا کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد امریکہ نے اشتعال، جھنجھلاہٹ اور برہمی میں آکر جو کچھ بھی کیا، وہ اس کوتاہی کا مداوا نہیں کر سکتا جس نے واردات کے منصوبہ کاروں کو موقع فراہم کیا۔

خود امریکہ کا کہنا ہے کہ 11 ستمبر کے بعد ایک نئی دنیا نے جنم لیا۔ افغان عوام کی ہڈیاں اس نئی دنیا کی بنیادوں کا اینٹ روڑا بنیں۔ پاکستانی قوم ابھی تک اپنی خفت مٹانے کے لئے کسی

Marfat.com

بہانے کی تلاش میں ہے۔ اسلامی ممالک اپنی اپنی پوٹلیاں سنبھالے بیٹھے ہیں اور دنیا ٹکر ٹکر ٹوٹتی قدروں، رسوا ہوتی روایتوں، سرعام لٹتے انسانی حقوق اور تذلیل کے بحرظلمات میں ڈبکیاں کھاتی انسانیت کا تماشا کر رہی ہے۔ داخلی محاذ پر امریکہ نے کڑے قانون اور ضابطے جاری کئے۔ فوجی عدالتیں بنا ڈالیں۔ انسانوں کے چڑیا گھروں کا نادر تصور پیش کیا۔ شخصی آزادی کے تصور کو اس بری طرح پامال کیا کہ حساس لوگوں کے دل پھٹنے لگے۔ لیکن 11 ستمبر کے واقعات کی ذمہ داری کا تعین کرنے کے لئے کوئی سرگرمی نہیں دکھائی گئی۔ نہ کسی امریکی سے باز پرس ہوئی، نہ کوئی نشانہ بنا، نہ کسی کی نوکری چھوٹی نہ کسی کی نکسیر پھوٹی، کوئی افسر، کوئی عہدیدار اور کوئی اہلکار غفلت و کوتاہی کا ذمہ دار نہ ٹھہرا۔

اور ادھر یہ عالم ہے کہ صدر بش سے کولن پاول تک سب فرط غضب سے ہلکان ہو رہے ہیں کہ مجرم پکڑو۔ نائب وزیر خارجہ کرسٹینا روکا، بھارت کا دورہ ادھورا چھوڑ کر بھاگی بھاگی اسلام آباد پہنچیں۔ سنٹرل کمانڈ کے کمانڈر جنرل ٹومی فرینک نے صورتحال کی نزاکت کے پیش نظر خود پاکستان آنا اور صدر مشرف سے رابطہ ضروری خیال کیا۔ وینڈی چیمبرلین اور ایف بی آر مسلسل متحرک ہیں۔ صدر بش ابھی تک 11 ستمبر کے مجرموں کا سراغ نہیں لگا سکے اور کسی مستند ثبوت کے بغیر سارا ملبہ اسامہ بن لادن کے سر ڈال کر سرخرو ہو گئے لیکن وہ اسلام آباد کی واردات کا سراغ لگانے کے لئے ضروری تعاون اور مشترکہ مساعی کی پیشکش کر رہے ہیں۔ امریکی اور دیگر مغربی ذرائع ابلاغ نے پاکستان کی ''نااہلی'' کے بارے میں ایک نیا طوفان کھڑا کر دیا ہے۔ شاہی کوٹ کے معرکے کے دوران بھی یہ خبریں تسلسل کے ساتھ پھیلائی گئیں کہ زیادہ ہلچل پاکستان سے ملنے والی سرحدوں کے ساتھ ساتھ ہے اور پاکستان، القاعدہ یا طالبان کی باقیات کا گڑھ بن گیا ہے۔ یہ اچھوتا مشورہ، ایک بار پھر سامنے آیا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم پاکستان کو مرکز بنائے اور ان عناصر کا خاتمہ کرے جو کسی نہ کسی طور امریکی مفادات کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

پاکستان عجب آزار میں مبتلا ہو چکا ہے۔ صدر مشرف نے حالات کے جبر تلے ایک کٹھن اور نامقبول فیصلہ کیا۔ امریکہ نے اس فیصلے کی قدر افزائی نہیں کی۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد بے شمار مراعات، لامحدود عنایات اور بے حد شیریں ثمرات کی ایسی برسات کا تصور پیش کیا گیا کہ ہماری آنکھوں میں جنت ارضی کے خواب ہلکورے کھانے لگے۔ لیکن منظر نہ بدلا۔ آکسیجن ٹینٹ میں

Marfat.com

بڑی معیشت کو زندہ رکھنے کے لئے کبھی کبھار تازہ سلنڈر آ جاتے ہیں۔ صدر مشرف کے حالیہ دورۂ امریکہ کے دوران ایک ارب ڈالر قرضے کی جس معافی کا مژدہ سنایا گیا تھا وہ بھی روایتی معشوقاؤں کے وعدے کی طرح چٹکیوں میں اڑتا نظر آتا ہے اور اب پاکستان ایک بار پھر ایک نئے دباؤ کی زد میں ہے۔ وہ قوتیں پھر سے سرگرم ہو گئی ہیں جو امریکی عتاب کے مرحلہ اول میں پاکستان کے بچ نکلنے پر پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔ وہ کسی نہ کسی بہانے امریکی قہر و غضب کی طنابیں کابل و قندھار سے اسلام آباد کی طرف موڑنا چاہتی ہیں۔ دباؤ میں آئے ہوئے پاکستان کو گھر کے دروازوں کے بعد سارے دریچے تک کھول دینے اور سب کچھ امریکہ کے سامنے سجا دینے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ اس نوع کی وارداتیں روکنا پاکستان کے بس میں ہے نہ امریکہ کے بس میں۔ امریکہ کو زخم لگے تو وہ کسی پر شک کا لیبل لگا کر اس کی تکہ بوٹی کر کے اپنے عوام کی تسکین قلب کا سامان کر سکتا ہے۔ ہمارے وجود پر کوئی چرکہ لگے تو خود ہم کو ہی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے ہماری پشت پر تازیانے برسائے جانے لگتے ہیں۔

جرم ضعیفی کی سزائیں بھی کیسے کیسے لباس رکھتی ہیں۔ کہیں ڈیزی کٹر اور کروز میزائلوں کی شکل میں، کہیں اشتراک عمل اور تعاون کی پیشکشوں کی صورت میں۔

[21-03-2002]

Marfat.com

نوحے اور بین

ایک سینئر سرکاری عہدے سے ریٹائرمنٹ کے بعد ایک اہم ذمہ داری سنبھالنے والے میرے ایک دانشور دوست غیر ارادی طور پر سیاہ سوٹ پہن کر گھر سے نکلنے کو تھے کہ بیگم نے پوچھا:

''یہ آج سیاہ سوٹ کس خاص مناسبت سے پہنا گیا ہے؟''

''بس یونہی سمجھ لو۔ محرم بھی تو شروع ہو چکا ہے۔''

شستہ مزاج اور ذہین بیگم نے کہا ''لیکن زمانہ بدل چکا ہے کسی نے پوچھا تو محرم کا نام نہ لینا۔ ایسی باتیں آؤٹ آف فیشن ہو چکی ہیں۔''

''تو پھر کیا کہوں؟'' سعادت مند میاں نے پوچھا۔

''کہنا کہ یہ چرچ کے سانحے میں ہلاک ہونے والے امریکیوں کے سوگ میں پہنا ہے۔''

میرے دوست نے حیرت اور استعجاب کے ساتھ دہلیز پر کھڑی بیگم کی طرف دیکھا۔ وہ بولیں ''اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔ دیکھتے نہیں ہر طرف سے رنج وغم میں ڈوبے بیانات جاری ہو رہے ہیں جیسے پاکستان میں دہشت گردی اور انسانی قتل کی پہلی واردات ہوئی ہو۔ تمہارا ماتمی لباس تمہیں روشن خیال، ماڈرن اور لبرل طبقے میں شمار کرے گا۔ محرم کا نام لے کر خواہ مخواہ دقیانوسی اور بنیاد پرست کہلاؤ گے۔''

کیا بظاہر یہ لطیف اور دلپذیر سا گھریلو واقعہ تبدیل ہوتے منظروں اور سوچوں میں نئی گرہیں ڈالتے موسموں کا اشارا ہے؟ اسلام آباد کے ایک چرچ میں مصروف عبادت انسانوں کے قتل کی مذمت کے بارے میں دو آرا نہیں ہو سکتیں۔ اہل پاکستان کے اجتماعی ضمیر نے بجا طور پر اس واقعے کی مذمت کی ہے لیکن پچھلے تین چار دنوں کے واقعات نے کچھ ایسے چبھتے ہوئے سوالات بھی اٹھائے ہیں جو پہلے سے زخم خوردہ قوم کے اضطراب میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔ جاں بحق ہونے والی دو امریکی خواتین اور کچھ زخمی امریکیوں نے اس سانحے کو ایک عالمی رنگ

Marfat.com

دے دیا ہے۔ امریکی نائب وزیر خارجہ خاص طور پر ان کی میتیں لینے اسلام آباد آئیں۔ جارج بش اور کولن پاول نے صدر مشرف سے براہ راست رابطہ کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ اپنے شہریوں کی جانوں کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔ خود ہماری حکومت نے اس نوع کے ردعمل کا مظاہرہ کیا جیسے اس کے ''ٹون ٹاور'' یا'' پینٹا گون'' نشانہ بن گئے ہوں۔ مرکزی وزراء آتش زیر پا ہو گئے۔ اجلاس پر اجلاس بلائے جانے لگے۔ آئی جی اور ایس ایس پی معطل ٹھہرے۔ تھانیدار فارغ کر دیئے گئے۔ تحقیقاتی کمیٹیاں بن گئیں۔ قانون نافذ کرنے والی تمام ایجنسیوں میں انسداد دہشت گردی کے نئے سیل بن گئے۔ تفتیش کے لئے خصوصی ٹیمیں وجود میں آ گئیں۔ ڈی این اے کے نمونے جمع ہونے لگے۔ جگہ جگہ ناکے لگ گئے۔ سیکورٹی کی کڑی پابندیوں کا اطلاق وزراء اور سینئر اہلکاروں پر بھی ہونے لگا۔ سڑکوں کے کنارے نماز پڑھنا ممنوع ٹھہرا۔ اخبارات شہ سرخیوں سے بھر گئے۔ علماء اور سیاسی عمائدین کے بیانات کا مینا بازار سج گیا۔ عالمی ذرائع ابلاغ ایک بار پھر پاکستان کے درپے ہو گئے۔ ایک ایسی فضا بنادی گئی جیسے ملک سنگین قسم کی افراتفری کا شکار ہو گیا ہو۔

یہ وہی پاکستان ہے جس میں اہل پاکستان کا خون بڑے تواتر اور تسلسل کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ آئے دن قتل و غارت گری کی وحشیانہ وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اسی اسلام آباد سے متصل خیابان سرسید کی مسجد نجف میں درجن کے لگ بھگ بے گناہ انسان بھون ڈالے گئے۔ کسی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ کسی گوشہ اقتدار میں ادنیٰ ترین درجے کا بھونچال بھی نہیں آیا۔ ڈی این اے کی کوئی بحث نہیں چلی۔ انتظامیہ میں اکھاڑ پچھاڑ کی کوئی لہر نہیں اٹھی۔ مجرموں کے تعاقب کے لئے خصوصی دستے نہیں بنے۔ اس سے قبل بہاولپور میں ایسی ہی ایک واردات میں عیسائی برادری کے عبادت گزاروں کے سینے چھلنی کر دیئے گئے۔ کوئی قیامت نہیں ٹوٹی۔ کسی کی نیندیں حرام نہیں ہوئیں۔ کراچی میں ڈاکٹروں کو چن چن کر نشانہ بنانے کا پراسرار کھیل عروج پر ہے لیکن زندگی اسی ڈھب اور چھب سے رواں دواں ہے۔

کیا یہ سب کچھ بھی 11 ستمبر کی آسیبی رات میں طے پا گیا تھا؟ مانا کہ امریکی قہر وغضب کے سامنے سرتسلیم خم کرنے اور طالبان کشی کے لئے اپنا کندھا پیش کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا لیکن کیا یہ بھی طے پا گیا تھا کہ ہمارے آنسو بھی وقف امریکہ ہو چکے اور صرف کسی گورے کی لاش پر ہی

Marfat.com

بنیں گے؟ ہمارے نوحے اور بین اب صرف ان کے لئے ہوں گے؟ ہمارا قانون صرف انہی کے قاتلوں کو پکڑنے کے لئے انگڑائی لے گا؟ ہمارے نااہل افسروں کے گریبان پر صرف ان کے لئے ہاتھ ڈالا جائے گا؟ ہماری ایجنسیوں کی نیند صرف ان کے لئے ٹوٹے گی؟ تفتیش کی خصوصی ٹیمیں صرف انہی کے لئے تشکیل پائیں گی؟ انسداد دہشت گردی کے خصوصی سیل صرف انہی کے لئے بنیں گے؟

امن و امان کی غارت گری کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ جانے کب سے جاری ہے۔ قوم ایک لگے بندھے فارمولے کی عادی ہو چکی ہے۔ بھیانک واردات، رسمی بیانات، مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے اعلانات اور پھر گہری نیند کا ایک لمبا وقفہ جو دوسری واردات سے پہلے نہیں ٹوٹ پاتا۔ پاکستانیوں کا خون افغانستان میں بہے تو نذر حماقت ہوا۔ ان کی لاشوں کے سامنے بھی آہنی باڑیں لگا دی جاتی ہیں۔ عبداللہ جیسے معصوم پاکستانی کا لہو امریکہ میں بہے تو کسی کی آنکھ نم ہوتی ہے نہ کسی کے ہونٹوں پر کوئی حرف تاسف ہی آتا ہے۔ معمولات حیات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گلشن کا کاروبار اسی انداز میں چلتا رہتا ہے۔ ایک افسوسناک واردات پر ردعمل بجا لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اپنا توازن کھو بیٹھے ہوں یا پھر ہمارے اندر خوف کا کوئی شیش ناگ مسلسل پھنکار رہا ہے جو ہمیں اپنے لہو پر دو آنسو بھی نہیں بہانے دیتا اور جس کی دہشت کے زیر اثر کسی سفید فام کی ہلاکت پر ہم گریبان چاک، بال بکھرائے، بین کرتے، نوحے پڑھتے یوں سڑکوں پر نکل آتے ہیں جیسے تخلیق کائنات کے بعد ہابیل اور قابیل کا واقعہ پہلی بار رونما ہوا ہو۔

[22-03-2002]

Marfat.com

کربلا تا کربلا

دشت کربلا کی لوح پر رقم ہونے والی تابندہ کہانی اس درخشندہ تاریخ کا دیباچہ ہے جو ابد تک اسی آب و تاب کے ساتھ لکھی جاتی رہے گی۔ ریگزار کربلا کو سیراب کرنے والے مقدس لہو کی حرارت اہل جنوں کے دلوں میں وہ آگ بھڑکاتی رہے گی جو ظلم سے ٹکرانے اور کسی اعلیٰ و ارفع مقصد کی خاطر جان سے گزر جانے کا حوصلہ دیتی ہے۔ مفاد پرستی و مصلحت کیشی کی خوش رنگ ترغیبات جادو جگاتی رہیں گی۔ شہنشاہوں کی شوکت وسطوت کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھنے والے سربلند فاقہ کش اسی شان بے نیازی کے ساتھ منزل جاناں کی طرف قدم بڑھاتے رہیں گے۔ اپنی مادی قوت پر ناز کرنے، اپنے لشکروں کی تعداد کو سرمایہ افتخار جاننے اور اپنے ساز و سامان جنگ کو اپنی فضیلت و برتری کا حوالہ سمجھنے والے، اسی رعونت کے ساتھ خدائی کا دعویٰ کرتے رہیں گے۔ اپنے نظریے کی صداقت، اپنے اصولوں کی حقانیت اور اپنے مقصد کی سچائی پر کامل یقین رکھنے والے بے سرو سامان قافلے، اسی تمکنت، اسی وقار اور اسی بانکپن کے ساتھ شہادتِ حق کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں گے۔ قوت کے نشے میں مست حکمران اسی طرح ''فتح مند'' اور رسوا ہوتے رہیں گے۔ حق کے پرچم بردار اسی طرح ''مفتوح'' اور سربلند ٹھہریں گے۔ اقتدار اور مراعات کے گوشواروں پر انحصار کرنے والے اسی طرح ''کولیشنیں'' بناتے اور مٹھی بھر دیوانہ خو لوگ اسی طرح کولیشنوں کی رعونت پر خاک ڈالتے رہیں گے۔ جلتے خیموں کی راکھ اسی طرح جہانِ نو آباد کرتی رہے گی۔ مسافرانِ قافلہ حجاز کی ہر موجِ خوں سے چمن ایجاد ہوتے رہیں گے۔ شام غریباں کے نوحے یونہی نئی صبحوں کے افق پر دستکیں دیتے رہیں گے۔ چراغ مصطفوی اور شرار بولہبی کی یہ کشمکش اسی طرح جاری رہے گی کہ یہی اہل حق کے لئے روح حیات اور حاصل کائنات ہے۔

فتح و شکست کے پیمانے بدل دینے اور حیات و موت کو نئے معنی و مفہوم عطا کرنے والی یہ

Marfat.com

داستان ابد تک کے لئے حوالہ بن چکی ہے۔ وقت کی فرعونی قوتوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہونے اور اپنی جانوں کو متاع حقیر سمجھ کر ازلی وابدی صداقتوں کے لئے اپنا لہو دینے والے لوگ کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ سیاہ ظلم وجور اپنا سفر جاری رکھے گی، کبھی تیز دھار خنجروں، دو دھاری تلواروں اور زہر میں بجھے تیروں کے ساتھ، کبھی کروز میزائلوں، ڈیزی کٹرز اور تھرمو بیرک بموں کے ساتھ۔ بے سروساماں سے مردانِ وفا کیش کے خاک وخون میں تڑپتے لاشے آنے والوں کو یہ پیغام دیتے رہیں گے کہ شہادت حق کا سفر جاری رکھنا۔ اگر تم اپنی زندگیوں کی خاطر خوف کی بکل مار کر بیٹھ گئے، اگر تم نے چند آسائشوں اور تھوڑی سی مراعات کے لئے ظالم کی ہم نشینی قبول کر لی، اگر تم نے نفع ونقصان کے میزانیے بنا کر مصلحت کیشی کی چادر تان لی اور اگر تم نے کسی صاحب جبر کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا تو تم ایک اچھے ''حکمت کار'' اور وقت کے ''نباض'' تو بن جاؤ گے لیکن آنے والی نسلوں کو تمہارے تذکرے سے گھن آئے گی۔ نہ تمہارے لئے کوئی آنکھ نم ہوگی، نہ کوئی صف ماتم بچھے گی نہ کسی شام غریباں کا اہتمام ہوگا۔

امام عاشقاں اور پور بتول نے اپنے نانا کی تعلیمات سے کسب فیض کرتے ہوئے زندگی کا قرینہ اور موت کا سلیقہ سکھایا۔ موت وحیات کا یہ فلسفہ، وقت اور جغرافیے کی قید سے آزاد ہے۔ آج میرے پڑوس میں بھی کچھ ایسے ہی اہل جنوں آباد ہیں۔ بدروحنین وکربلا والوں کے پاؤں کی مقدس خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے والے دیوانہ خو، حکمت سے نابلد، مصلحت سے ناآشنا، زمانہ سازی سے بے بہرہ، ان گھڑ، بے ڈھب، بے لچک، کھردرے سے لوگ۔ صرف ایک چوکھٹ پر جبینیں ٹیکنے اور مصنوعی خداؤں کا دوٹوک انکار کرنے والے۔ امریکہ اور اس کی کولیشن کی قاہری کا تمسخر اڑانے اور زمانے کے تندرو سیلاب سے الگ دھارا بنانے والے۔ وہ چاہتے تو اسامہ بن لادن نامی ایک اجنبی شخص کو امریکہ کے حوالے کر دیتے۔ اپنی عفت شعار خواتین کو برقعے اتار دینے کی برکات اور بے حجابی کے ثمرات سے آگاہ کرتے۔ فاقہ کشی کی زندگی گزارنے کے بجائے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے خوان نعمت کی لذتیں سمیٹتے۔ کولن پاول اور رمزفیلڈ کے قدموں تلے سرخ قالین بچھاتے۔ عمامے، ڈاڑھیاں اور پگڑیاں بش کی نذر کرتے لیکن جانے کیوں قندھار کے مرد حری کے قلب وذہن میں یہ سب کچھ سمانہ پایا۔ شاید وہ قافلۂ حجاز کی روایتوں سے شرما گیا۔ وہ قیامت پر یقین رکھتا تھا۔ اس نے سوچا کہ حشر کے میدان میں نبی

Marfat.com

رحمت ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ نواسۂ رسول ﷺ کو کیا جواب دوں گا، جس نے جبر کی قوتوں کے سامنے جھکنے کے بجائے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔

میں نے اسے دیکھا ہے اور میں جانتا ہوں کہ مجھ جیسا سگ دنیا اس پر اسرار، طرحدار، بے نیاز اور سیر چشم حجرہ نشین کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ملا عمر کو جس کسی نے بھی دیکھا ہے اسے یقین ہے کہ وہ سربلندی کی موت مرے گا۔ کربلا کی ریت سے کوسوں دور، کسی پہاڑ کی کھوہ، کسی گہری کھائی، کسی برف پوش پہاڑ کی چوٹی یا کسی سنگلاخ چٹان کے پہلو میں پڑی اس کی لاش کے آس پاس سے وہی خوشبو اٹھے گی جو تقریباً پونے چودہ سو سال پہلے دجلہ و فرات کے گیسوؤں سے اٹھی تھی۔ پھر اس کے نوحے اور مرثیے کیے جائیں گے۔ اس کی ''شام غریباں'' کا اہتمام ہوگا۔ کربلا کی دہکتی ہوئی تاریخ کا ایک اور باب رقم ہوگا۔ قافلہ حجاز چلتا رہے گا، چلتا رہے گا۔ شہیدوں کی موج خوں سے چمن ایجاد ہوتے رہیں گے۔ شام غریباں، زرتاب صبحوں کے افق پر دستک دیتی رہے گی۔

قتل گاہوں کو لہو دیتے رہیں گے اہل دل
کارواں چلتے رہیں گے کربلا تا کربلا

[28-03-2002]

Marfat.com

کابل کا میئر

امریکی اخبار ''نیویارک ٹائمز'' کی ایک تازہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ بون میں جنم لینے والی بونی حکومت کے چیئرمین عزت مآب حامد کرزئی کی حکمرانی صرف کابل شہر تک محدود ہے اور وہ کسی ریاست کے سربراہ کی بجائے شہر کا میئر دکھائی دیتا ہے۔ جونہی کابل شہر کی سرحدیں، مضافات کی بستیوں سے گلے ملتی ہیں۔ کرزئی کا دائرہ فرمانروائی ختم ہوجاتا ہے۔ صوبے آزاد، گورنر خودمختار اور وارلارڈز بے مہار ہیں۔ جناب کرزئی کی سب سے بڑی ترجیح غیر ملکی سیر و سیاحت ہے۔ اب تک پندرہ ممالک کا دورہ کر چکے ہیں جبکہ حالیہ زلزلے کے سبب انہیں ترکی اور بعض دوسرے ممالک کا دورہ ملتوی کرنا پڑا ہے۔ رپورٹ کے مطابق وارلارڈز کی باہمی کشمکش عروج پر ہے۔ شمال میں عبدالرشید دوستم اور استاد عطا محمد کی فوجیں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے صف آرا ہیں۔ دوستم ہزاروں پختونوں کو بے آبرو کر کے گھروں سے نکال چکا ہے۔ پختونوں کے گھر، ان کا اسباب اور ان کی بہو بیٹیاں، اس کی سفاک سپاہ کا من پسند ہدف ہیں۔ ملک بھر میں لوٹ مار کا سلسلہ جاری ہے۔ کابینہ کے نصف سے زیادہ وزراء تاجک اور ازبک ہیں جو کرزئی سے احکامات لینے کی بجائے من مانی کرتے ہیں۔ اخبار نے خیال ظاہر کیا ہے کہ مجوزہ لویہ جرگہ کے موقع پر کابینہ کے بیشتر وزراء، کرزئی سے لاتعلق ہو کر برہان الدین ربانی سے جا ملیں گے۔ استاد سیاف، گلبدین حکمت یار اور ربانی پر مشتمل نئے اتحاد کی کوششیں سرگرمی سے جاری ہیں۔

نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کا ایک اہم انکشاف یہ ہے کہ نئی حکومت وجود میں آنے کے بعد سے چھوٹے سرکاری ملازمین کو بھی تنخواہ نہیں ملی۔ ٹیکسوں کی صورت میں وصول کی جانے والی برائے نام رقم بھی سرکاری خزانے تک پہنچنے کی بجائے خود سر عمال کی جیبوں میں چلی جاتی ہے۔ البتہ کرزئی کا ذاتی کاروبار ڈالروں کے سہارے چل رہا ہے جس کی فراوانی ہے۔

Marfat.com

حامد کرزئی کی عمدہ قراقلی ٹوپی، اس کے نیم شاہانہ لباس، اس کی فضیلت مآب عبا اور اس کی چال ڈھال سے یوں لگتا ہے جیسے قیصر و کسریٰ کی باقیات میں سے کوئی عالی نسب روح ایک بار پھر انسانی روپ میں ڈھل کر سامنے آ گئی ہو۔ وہ چلتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے اس کے پاؤں کی دھمک سے زمین کا سینہ دہلنے لگا ہو۔ وہ کچھ اس انداز سے لب کشائی کرتا ہے جیسے افغانستان کے عوام کی مسیحائی کے لئے اسے آسمانوں سے اتارا گیا ہو لیکن دنیا جانتی ہے کہ وہ کس کے حسن تخیل کا شہکار اور کس کے خواب دلآویز کی تعبیر ہے۔ ''نیویارک ٹائمز'' نے کابل کا میئر قرار دے کر ایک بے ننگ و نام شخص کو معتبر بنانے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے قصر صدارت میں بھی کولیشن کے دستوں کی پناہ میں رہنے والا ایک بے بس و لاچار سا شخص ہے۔ افغانوں کی جری اور شجاع تاریخ کے ایوان میں حامد کرزئی کا وجود ایک حادثہ ہے جس پر افغانستان کی سنگلاخ سرزمین کے فولادی پتھروں کی آنکھیں بھی بھیگ جاتی ہوں گی۔

امریکہ کے اخلاص اور کولیشن کی نیک نیتی پر شک کئے بغیر یہ سوال پوچھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ افغانستان کے کم نصیب عوام کو کس نوع کے حکمرانوں سے محروم کر کے کس قماش کے بھیڑیوں کے سامنے ڈال دیا گیا ہے؟ طالبان جو بھی تھے ان کے سینوں میں انسانوں کا دل دھڑکتا تھا۔ وہ اپنے لوگوں سے معاملہ کرتے وقت اسلامی تاریخ کے درخشاں اوراق سے رہنمائی لیتے تھے۔ انہوں نے جنگ زدہ افغانستان کو ایک نظم کی لڑی میں پرو دیا تھا۔ مثالی امن و امان کو یقینی بنا دیا تھا۔ معاشرے کو اسلحہ اور منشیات سے پاک کر دیا تھا۔ بے لاگ انصاف کا بے مثل ڈھانچہ تشکیل دیا تھا۔ محصولات اور بیت المال کا عمدہ نظام جاری کیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ فقر و درویشی کو اوڑھنا بچھونا بنانے والے ان لوگوں کی زندگیاں آج کے دور میں گئے وقتوں کے گم گشتہ کرداروں جیسی تھیں۔

قندھار کے ریسٹ ہاؤس میں رات کے کھانے سے ذرا پہلے پلاسٹک کا ایک شکستہ سا لوٹا لئے ایک معذور شخص میرے ہاتھ دھلوانے کے لئے بیساکھی کے سہارے کھڑا ہو گیا تو مجھے بڑی شرم آئی۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مانا۔ یہ تو مجھے بعد میں پتہ چلا کہ اس کا نام ملا محمد حسن رحمانی ہے اور وہ قندھار کا گورنر ہے۔ اپنی نوجوانی کے دن مولانا سمیع الحق کے دارالعلوم حقانیہ میں گزارنے اور دس سالہ عرصہ جہاد میں اپنی ایک ٹانگ سے محروم ہو جانے والے اس شخص نے مجھے بتایا کہ وہ بیت المال میں ایک چھوٹا سا اہلکار تھا۔ جیسے ایک کلرک۔ وہ پوری محنت اور لگن سے کام

Marfat.com

کرتا رہا۔ پھر اسے گورنر بنا دیا گیا تو بھی اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ وہ اسی شکستہ سے گھر میں رہا۔ گاڑی آ جاتی تو ٹھیک ورنہ پہلے کی طرح بیساکھیاں ٹیکتا نئے دفتر چلا جاتا۔ اس نے بتایا کہ بیواؤں، یتیموں، محتاجوں اور بے کسوں کی دستگیری بیت المال کی پہلی ترجیح تھی۔ ایک ایک پائی کا حساب رکھا جاتا تھا۔ اس کی تنخواہ نہ پہلے مقرر تھی نہ گورنر بننے کے بعد۔ اس کے جواں سال بیٹے دن بھر مزدوری کرتے اور شام کو گھر کا چولہا جلتا۔ مہینوں بعد بیت المال کے ناظمین ملا عمر کی اجازت سے کچھ ''اعزازیہ'' عطا کر دیتے۔ امریکہ اور اس کی کولیشن نے یہ کیا غضب کیا؟ ان فرشتہ خصلت انسانوں سے بات کی جاتی۔ ان کے دلوں کی دھڑکنیں سنی جاتیں۔ اپنائیت کے ساتھ ان کے خدشات کا ازالہ کیا جاتا۔ محبت کے ساتھ افغانستان کی تعمیر نو کے لئے ان کی معاونت کی جاتی۔ افغانستان کو راکھ کا ڈھیر بنانے اور بے پناہ خوبیوں کے مالک طالبان کے خون سے ہولی کھیلنے کے لئے ''کولیشن'' بنانے کی بجائے ان کی مدد کے لئے ایک کولیشن وجود میں آ جاتی تو کتنا اچھا ہوتا؟

لیکن کہاں کا افغانستان اور کہاں کی تعمیر نو؟ اہداف تو تھے ہی کچھ اور ملا عمر کے ایک افغانستان کو بتیس افغانستانوں میں بانٹنے اور کابل کے میئر، حامد کرزئی کو سرکس کے جوکر کی طرح تماشا گاہ کے بیچوں بیچ کھڑا کر دینے والوں کو تاریخ کیسے معاف کرے گی؟

لیکن مسئلہ ملا عمر کا ہے نہ حامد کرزئی کا، مسئلہ تو اس دینی غیرت وحمیت کا ہے جس کا علاج ''مُلا'' کی بے دخلی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

[29-03-2002]

Marfat.com

سنہری بالوں، گلابی گالوں اور شہابی آنکھوں کے نام

امریکہ سے بھائی اسرار احمد کسانہ بعض اوقات ایسی باتیں لکھ بھیجتے ہیں کہ ہم خستہ جانوں کے زخم پھر سے انگاروں کی طرح سلگنے لگتے ہیں۔

سنہری بالوں والی آٹھ سالہ معصوم بچی ''ایوبی'' افغانستان میں ایک کچے گھروندوں والے چھوٹے سے گاؤں سے کبھی باہر نہیں نکلی تھی۔ اس نے آٹھ سال پہاڑوں کے پتھروں، ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں، روکھے سوکھے کھیتوں اور چمکیلی دھوپ کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا۔ اس نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ وہ اس گاؤں سے باہر کسی قصبے یا کسی شہر تک بھی جائے گی۔ اس نے تو کبھی لاری کا سفر بھی نہیں کیا تھا لیکن آج وہ نہ جانے کس برق رفتار طیارے پر سوار ہو کر امریکہ پہنچ چکی ہے۔ علم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے شاہان والا تبار کے دیس میں۔ روشنیوں اور رنگوں کی اس طلسماتی نگری میں جہاں اخلاقیات کے غنچے پھوٹتے، تہذیب کے شاداب شجر لہلہاتے، انسانی شرف و فضیلت کے لالہ و گل بہاریں دکھاتے اور دانش و حکمت کے آفتاب و مہتاب نورانی کرنیں بکھیرتے ہیں۔ ''ایوبی'' نے امریکہ کا نام ابھی چند ہی ماہ پہلے سنا تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہ کوئی جن بھوت یا آسیب ہے جو پہاڑوں پر دھرے دیو قامت سیاہ پتھروں کی اوٹ سے اچانک نمودار ہوتا، آگ اور بارود برساتا، بستیوں کو راکھ کرتا، انسانوں کے پرخچے اڑاتا آن کی آن میں غائب ہو جاتا ہے۔

دو تین ماہ قبل یہ جن اس کی بستی میں بھی گھس آیا۔ اس کا باپ اس کی آنکھوں کے سامنے خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ ایوبی سہم کر کسی کونے میں چھپ گئی۔ قیامت تھمی تو وہ روتی بلکتی فریاد کرتی اپنی ماں کی تلاش میں نکلی۔ کچھ پتہ نہ چلا۔ اس نے سوچا کہ یقیناً اسے جن اٹھا کر لے گیا ہے۔ اسے اور اس کے چھوٹے بھائی کو قریبی رشتہ دار گھر لے آئے۔ ننھے بھائی کو ایک ایسے یتیم خانے میں ڈال دیا گیا جو خود یتیمی کی دھوپ میں جھلس رہا تھا۔ کھانے پینے کو کچھ نہ ملا تو کچھ ہی دنوں

Marfat.com

بعد وہ مر گیا۔ پھر یہ سب لوگ نہ جانے کس عقوبت خانے میں پہنچا دیئے گئے۔ سنہری بالوں والی لڑکی اپنے سامنے اپنی رشتہ دار لڑکیوں کی عزتیں لٹتے دیکھتی رہی۔ خود اس پر کیا گزری؟ وہ کچھ نہیں بتاتی۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا ایک ہاتھ کیسے کٹ گیا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی کہ اس کے دوسرے ہاتھ کے ناخن کس طرح کھینچ لیے گئے۔ وہ اپنے جسم پر پڑی لاتعداد خراشوں اور سیاہ پڑتے ''نیلوں'' کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتاتی۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ تہذیب وتمدن کی کس جنت ارضی تک آن پہنچی اور کس ''قاضی الحاجات'' کی بارگاہ میں کھڑی ہے۔ اسے یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کچھ بھی خرچ کیے بغیر جس سرزمین مقدس تک آ گئی ہے، اس کی ''خاک پاک'' کو بوسہ دینے کے لئے کتنے اہل پاکستان عمر بھر آرزو کی آتش خاموش میں سلگتے اور امریکی قونصل خانوں کے طواف کرتے رہتے ہیں۔

سنہری بالوں والی ایوبی کے ساتھ گلابی گالوں والی بارہ سالہ نبیلہ بھی امریکہ پہنچ گئی ہے۔ اس کا باپ بھی امریکی انصاف کی بھینٹ چڑھ گیا۔ مرنے سے قبل اسے اپنی بیٹیوں اور بیوی کی آبروریزی کے دلدوز مناظر دیکھنے پر مجبور کیا گیا۔ نبیلہ خود سود و زیاں سے بے نیاز ہو چکی ہے۔ ان کے ساتھ ایک آٹھ سالہ بچی رقیہ بھی ہے جس کے ماں باپ افغانستان کے غارت گر جن کا لقمہ بن چکے ہیں۔ اس کا ایک بھائی امریکی میزائل کی نذر ہو گیا۔ دوسرا زخمی ہوا اور چند دن بعد چل بسا۔ رقیہ سماعت سے محروم ہو چکی ہے۔ شدید سردی میں کئی دن پڑے رہنے کے باعث اس کے دونوں پاؤں بھی مڑ گئے ہیں۔

بتایا گیا ہے کہ 529 افغان خواتین، نوعمر بچیوں اور بچوں پر مشتمل یہ قافلہ امریکہ پہنچا ہے۔ ان میں 217 یتیم بچے اور بچیاں شامل ہیں جن کی عمریں چھ سے چودہ سال تک ہیں۔ ان کی نیلامی کا عمل شروع ہونے کو ہے۔ ''گود لینے'' کے نام پر انہیں اپنے گھروں کی کنیزیں، لونڈیاں اور غلام بنانے کے لئے یہودیوں اور عیسائیوں کی قطاریں لگی ہیں۔

پتہ نہیں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ہم کہاں کھڑے ہیں اور کدھر جا رہے ہیں؟ بپھری ہوئی آندھیاں ہمارا سب کچھ اڑائے لے جا رہی ہیں اور ہم جھروکوں میں بیٹھے موسم کا مزا لے رہے ہیں۔ امریکی کولیشن کا حصہ بنتے وقت ہم نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ افغانستان سفاک سفید فام درندوں کی چراگاہ بن جائے۔ ہم نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ایف بی آئی، امریکی ایجنسیاں اور ان کے اہلکار،

Marfat.com

ہمارے گھروں پر چھاپے مارتے پھریں؟ فیصل آباد میں جو کچھ ہوا، اس سے لوگ خفا ہیں۔ ہمارے ذمہ داروں نے تقریباً تمام خبر رساں ایجنسیوں اور اخبارات کی اس خبر کی تردید کی کہ آپریشن میں امریکی بھی شامل تھے لیکن جنرل ٹومی فرینکس نے واضح الفاظ میں تصدیق کر دی ہے۔ اس سے قبل اسلام آباد چرچ کے حادثے کے بعد ایف بی آئی نے جائے واردات اور ہسپتالوں میں جو کچھ کیا اس کی تصاویر چھپ چکی ہیں۔

اہل پاکستان پر جو قیامت ٹوٹی اس کا تصور بھی محال ہے۔ اقبال اور قائداعظم کا دیس جس طرح بازیچہ اطفال بنا دیا گیا، وہ کسی کے وہم وگماں میں بھی نہ تھا۔ 11 ستمبر سے ایک دن قبل ہوش وحواس کھو بیٹھنے والا کوئی شخص آج اچانک ہوش میں آجائے اور اسے ہمارے ہوائی اڈوں، ہماری تنصیبات، ہمارے انٹیلی جنس نیٹ ورک اور ہمارے روزمرہ کے معاملات امن وامان میں امریکہ کے عمل دخل کی خبر دی جائے تو وہ اسے ڈراؤنا خواب سمجھ کر دوبارہ بیہوش ہو جائے گا۔ ہم تو ایک لٹا پٹا قافلہ بن چکے ہیں۔ جس کے ہر مسافر کا بدن زخموں سے چور ہے اور ہر آنکھ سے جوئے خون بہہ رہی ہے۔

برادرم اسرار کسانہ سے گزارش ہے کہ وہ ایوبی، نبیلہ اور رقیہ کے لئے کچھ کر سکتے ہیں تو کر لیں۔ ہمیں پریشان نہ کریں۔ وہ تو افغانستان سے اٹھائی گئی ہیں۔ یہاں ہوتیں تو ہم کیا کر لیتے۔ ہم اب ان الجھنوں سے آزاد ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ ہم زرمبادلہ کے بڑھتے ہوئے ذخائر، ڈالروں کی رم جھم، اصلاحات کے تسلسل، ریفرنڈم کے خواب آگیں تصور اور انتخابات کے ذریعے وجود میں آنے والی عظیم الشان قیادت کی توقعات کی لوریاں دے کر اپنے اعصاب کو سکون دینے کی کوشش میں ہیں۔ سنہری بالوں، گلابی گالوں اور شہابی آنکھوں والی بچیوں کا اللہ نگہبان۔

[31-03-2002]

Marfat.com

شہادت کا انتظار

فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے کیا نام دیا جائے؟ بے شمار جہتیں اور لاتعداد زاویے رکھنے والے اس سانحے کی بنیاد پر وہی بغض، وہی عداوت، وہی نفرت، وہی عناد اور وہی کدورت کارفرما ہے جسے تہذیبوں کی کشمکش کا نام دیا جاتا ہے اور کبھی نظریاتی تصادم کا۔ دوہرے معیار اور دوغلے کردار کے مکروہ جال میں جکڑی ہوئی غیر مسلم دنیا امریکہ کی قیادت میں اقوام متحدہ کی معاونت کے ساتھ ایک خوں آشام کھیل میں مصروف ہے۔ رملہ کی کہانی، تورا بورا کی داستان کا ذرا بدلا ہوا اسلوب ہے جہاں فلسطینی اتھارٹی کے صدر یاسر عرفات محصور ہو چکے ہیں۔ شہر کو فوجی زون قرار دے دیا گیا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سٹیشن پر اسرائیلی قابض ہیں۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں یاسر عرفات کے ہیڈ کوارٹرز کو روندرہی ہیں۔ آنسو گیس کی مسلسل شیلنگ ہو رہی ہے۔ عمارت کی بجلی اور پانی بند ہے۔ باہر کی دنیا سے رابطے منقطع ہیں۔ کرفیو زدہ شہر دھماکوں سے گونج رہا ہے۔ گھر گھر تلاشی لی جا رہی ہے۔ سولہ سے چالیس سال تک کی عمر کے تمام لوگ گرفتار کئے جا چکے ہیں۔ ایک عمارت میں پناہ لینے والے سیکورٹی کے تمیں اہلکاروں کو ذبح کر دیا گیا۔ نابلوس اور کئی دوسرے مقبوضہ شہروں میں بھی قتل عام جاری ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ اسرائیلی فوج یاسر عرفات کے کمروں تک پہنچ گئی ہے اور حفاظتی دستوں سے اس کی جھڑپیں ہو رہی ہیں۔ اسرائیلیوں نے دروازے توڑ کر یاسر عرفات کے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ اسرائیلی حکومت کا کہنا ہے کہ اس کا مقصد یاسر عرفات کو ہلاک کرنا نہیں، صرف ''ہتھیار'' ڈالنے پر مجبور کرنا ہے۔ حالات پر نظر رکھنے والوں کا خیال ہے کہ اسرائیل نے حتمی طور پر طے کر لیا ہے کہ یاسر عرفات کو ماتھا رگڑنے اور کلغی جھکانے پر مجبور کر دیا جائے اور اپنی عسکری برتری کی دھاک بٹھانے کے بعد اپنی مرضی کا حل مسلط کر دیا جائے۔ دو کمروں میں اسیر یاسر عرفات نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں میں پستول لہراتے ہوئے کہا ہے کہ ''جو لوگ میرے ہتھیار

Marfat.com

ڈالنے کے انتظار میں ہیں وہ یاسر عرفات کو نہیں جانتے۔ میں مر جاؤں گا لیکن ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔'' اُدھر یہ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ کسی بھی لمحے، کوئی آوارہ گولی یاسر عرفات کے سینے میں اتر سکتی ہے۔ اسے خودکشی یا اس سے ملتا جلتا کوئی اور ڈرامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

کابل، قندھار اور سری نگر سے رملہ تک پھیلی خون میں لت پت در و دیوار کی یہ خونچکاں حکایت جانے کب ختم ہوگی۔ اس حکایت سے بھی زیادہ بڑا المیہ یہ ہے کہ دہشت گردی کے خاتمے کے لئے عالمی کولیشن کی امامت کرنے والا امریکہ معتبر ہے اور ادنیٰ ترین معیارِ انسانیت سے بھی گرا ہوا کردار و عمل رکھنے کے باوجود پیشوائے تہذیب و مبلغ اخلاقیات بنا بیٹھا ہے۔ اس کا ٹیلی فون افلاک کی بلندیوں سے اترنے والے پیغام کی طرح مقدس، اس کا بلاوا، آرزوئے وصل کی معراج، اس کا مصافحہ خوش بختی کا نقطہ کمال اور اس کے دستر خوان کا نوالہ جنت کے میووں سے لذیذ تر۔ امریکہ کی پسلی سے پیدا ہونے اور اس کی آغوش میں پروان چڑھنے والے اسرائیل نے سفاکی اور بربریت کا بازار گرم کر رکھا ہے جس کی نظیر امریکہ اور بھارت جیسی ''عظیم جمہوریتوں'' کے سوا کہیں اور نہیں ملتی۔ ایریل شیرون کے ہاتھوں سے ابھی تک صابرہ اور شتیلہ کے شہیدوں کا لہو ٹپک رہا ہے۔ اس کی مسلمہ دہشت گردی کی شرمناک کہانیاں دنیا بھر کے پریس کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ مظلوموں کا لہو کھولتا ہے اور گلاب جیسے چہروں والی معصوم بچیاں اپنے پھول جیسے جسموں کے ساتھ بم باندھ کر ظالم سے انتقام لیتی ہیں تو اسے ''دہشت گردی'' کا نام دیا جاتا ہے۔ جارج بش کہتا ہے کہ ''ابھی یاسر عرفات کو اور بہت کچھ کرنا ہے۔ اسرائیل اپنی سلامتی کے لئے جو کچھ کر رہا ہے اس میں پوری طرح حق بجانب ہے۔''

کولن پاول برہنہ جارحیت اور عریاں دہشت گردی کی وارداتوں کی مذمت سے انکار کر دیتا ہے اور تسلی دیتا ہے کہ ''اسرائیل یاسر عرفات کو قتل نہیں کرے گا۔'' اقوام متحدہ، امریکہ کی خواب گاہوں کی جاروب کشی کرنے والی کنیز بن چکی ہے اور رقص ابلیسی دیکھتے ہوئے بھی اس کا چارٹر جھرجھری تک نہیں لیتا۔ عرب لیگ پُرسا دے کر گھر چلی گئی۔ اسلامی کانفرنس جائزہ لے رہی ہے۔ پاکستان، جو کبھی مسلم مفادات کے ہراول دستے کا سالار تھا، اب ''مردِ بیمار'' کی طرح اپنے آزار میں مبتلا، اپنی چوٹیں سہلا رہا ہے۔

یاسر عرفات نے کیا کچھ نہیں کیا؟ امریکہ کی دلداری اور اسرائیل کے خیر خواہوں کی خوشنودی

Marfat.com

کے لئے کیسے کیسے معاہدوں پر دستخط کیے، کیسی کیسی پسپائی قبول کی۔ کیسی کیسی مفاہمتوں اور مصلحتوں سے سمجھوتہ کیا لیکن لاحاصلی کے اس لمبے سفر کا انجام یہ ہے کہ وہ توپوں کی گھن گرج سے لرزتے دو کمروں میں بند، شہادت کا انتظار کر رہے ہیں۔

شہادت کے انتظار سے میرا دھیان پھر قندھار کے مرد جری کی طرف نکل گیا ہے جس کا نام ملا محمد عمر ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر وہ بھی ہماری نصیحتیں مان کر مفاہمتوں، مصلحتوں، معاہدوں، مصافحوں، معانقوں، ملاقاتوں اور مدارتوں کی راہ پر چل پڑتا تو کیا ہوتا؟ یقیناً ایک نہ ایک دن وہ شہادت کی منزل مراد تک پہنچ جاتا۔ ہاں ممکن ہے اس کا عرصہ حیات کچھ طویل ہو جاتا۔ وہ کچھ وقت کے لئے کابل کی اتھارٹی کا صدر بن جاتا لیکن امریکہ کی کرسی صدارت پر بیٹھا کوئی ''بش'' مسلسل یہی کہتا رہتا ''ابھی ملا عمر کو اور بہت کچھ کرنا ہے'' اور پھر کسی دن ملا عمر کا اقتدار قندھار کے تنگ و تاریک حجرے تک محدود ہو جاتا اور وہ انہونی کو سامنے کی دیوار پر لکھا دیکھ کر کہتا ''میں شہید ہونے کے لئے تیار ہوں۔''

بہت کچھ کرنے والوں کو بھی، کچھ نہ کرنے والے نافرمان لوگوں کے انجام سے ہی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ازل سے ابد تک کی وسعتوں پر محیط معرکہ پیہم کا یہی سبق ہے۔ کچھ کرنے والوں پر، اور بہت کچھ کرنے کے تازیانے برستے رہتے ہیں۔ کچھ نہ کرنے اور ظالم کی رعونت کا تمسخر اڑانے والے ان تازیانوں کے آزار سے محفوظ رہتے ہیں۔ شہادت تو آنی ہی ہے۔

[02-04-2002]

Marfat.com

ہچکیوں اور سسکیوں کا دیس

جس وقت امریکی سینیٹر، رابرٹ توریسلی (Robert Torricelli) اور سینیٹر جان کورزائن (Jon Corozine) کابل میں امریکی سفارت خانے کے احاطے میں، خاردار تاروں کے اس طرف، ریت کی بوریوں کے عقب سے جھانکتی فولادی نالیوں کے پہلو میں کھڑے، سفارتی عملے سے ''فتح افغانستان'' کے روشن پہلوؤں پر اظہار خیال کر رہے تھے، تیس سالہ افغان خاتون اپنے دبلے پتلے مریل سے بچے کو بغل میں لئے، سفارت خانے سے باہر کھڑی زاروقطار رو رہی تھی۔ آہنی گیٹ پر مستعدی سے ایستادہ گورے امریکی گارڈز کی بندوقیں تقریباً دو درجن افغانیوں کا نشانہ لئے ہوئے تھیں جن میں ''عرفہ'' نامی افغان خاتون بھی شامل تھی۔ ملا محمد عمر کا تختہ الٹ جانے اور افغانستان میں حامد کرزئی کی روشن خیال حکومت قائم ہو جانے کے باوجود عرفہ نے اپنے چہرے سمیت پورا بدن نیلے رنگ کے برقعے میں چھپا رکھا تھا۔ برقعے کا رنگ اڑ چکا تھا اور اس پر جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ ننھا بچہ بھوک سے بلک رہا تھا اور آہ و بکا کرتی ماں کے پاس اسے چپ کرانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ عرفہ کے چار اور بچے اس کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ ان بچوں کو بھوک اور پیاس کی اذیت کا سامنا بھی نہیں تھا کیونکہ امریکی بمباری کے باعث وہ چاروں ایک ہی رات، ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے لمبی نیند سو گئے تھے۔ عرفہ کا شوہر بھی اسی رات زندگی کے آزار سے آزاد ہو گیا تھا۔ تین قریبی عزیز، جو عرفہ کے آنسو پونچھ سکتے یا کم از کم اس کے ساتھ مل کر گریہ کر سکتے تھے، امریکی قہر کا لقمہ بن چکے تھے۔ عرفہ روئے جا رہی تھی اور پتھر جیسے چہروں والے گورے گارڈ مسکرا رہے تھے۔

عرفہ سے ذرا ہٹ کر چونتیس سالہ رحمت اللہ، کشکولوں کی طرح پھیلی آنکھیں لئے خاردار تاروں کو گھورے جا رہا تھا۔ کبھی وہ ایک خوشحال شخص تھا۔ اپنے بیٹے احسان اللہ کو اچھی تعلیم دلانا اس کی پہلی ترجیح تھی۔ وہ طالبان کے دور میں منی چینجر کا کام کرتا تھا۔ اکتوبر کی ایک روشن صبح احسان

Marfat.com

اللہ بستہ لئے سکول جا رہا تھا کہ قریب ہی ایک امریکی بم گرا۔ بم کے آوارہ ٹکڑے اسے شدید زخمی کر گئے۔ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا اور رحمت اللہ کو یوں لگا جیسے سورج نکلتے ہی سیاہ رات سر پر آ کھڑی ہوئی ہو۔ اس نے اپنے بچے کا علاج شروع کرایا۔ تین ماہ وہ ایک مقامی ہسپتال میں زیر علاج رہا۔ نوعمر بچے کی معذوری کا گہرا گھاؤ اسے کسی آن چین نہ لینے دیتا۔ تب اس نے سب کچھ بیچ ڈالا اور احسان اللہ کو جرمنی لے گیا۔ دو ماہ جرمنی میں علاج ہوتا رہا۔ رحمت اللہ نے کم و بیش پانچ لاکھ روپے لگا دیئے لیکن بچے کی معذوری نہ گئی۔ کچھ دن قبل اسے کسی نے بتایا کہ امریکہ سے کچھ صاحب لوگ حالیہ حملوں سے متاثر ہونے والوں کی امداد کرنے آ رہے ہیں۔ وہ اپنا دکھڑا سنانے سفارت خانے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ چیخ رہا تھا اور اس کا دکھڑا بوسیدہ کپڑے کی طرح خاردار تاروں سے الجھ کر دھجیاں ہو رہا تھا۔ ''میں بھیک نہیں مانگتا۔ تم ہمارے بچے واپس نہیں دے سکتے۔ ہمارے بچوں کے کٹے پھٹے اعضاء واپس نہیں دے سکتے۔ ہم تم سے کچھ نہیں مانگتے لیکن ہمارے بچوں کے علاج کا خرچہ تو ہمیں دے دو۔''

رحمت اللہ کے قریب ہی ایک پچپن سالہ ڈرائیور حاجی زمان چپ چاپ کھڑا ہجوم میں کسی کھو جانے والے کو تلاش کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جستجو اور بے خوابی، انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ پچیس سال پہلے اس کے ہاں بیٹے نے جنم لیا تھا۔ اس نے بڑی محنتوں سے اسے پالا، جوان کیا۔ اب وہ اس کا رفیق، اس کا دوست، اس کا دست و بازو تھا۔ پچپن سالہ حاجی زمان کی ادھیڑ عمری، پچیس سالہ جوان بیٹے کے سہارے محنت و مشقت اور رزق حلال کی برکتیں سمیٹ رہی تھی۔ ایک دن وہ معمول کے مطابق اپنا ٹینکر لئے کابل سے قندھار جا رہا تھا کہ اچانک امریکی طیاروں نے آ لیا۔ حاجی کو بس اتنا یاد ہے کہ اس کے جوان بیٹے کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ تب سے حاجی زمان بہت بدل گیا ہے۔ وہ روتا ہے نہ سوتا ہے۔ ہفتے میں ایک بار وہ ٹھوکریں کھاتا اس امید پر غزنی سے کابل آتا ہے کہ شاید امریکی امداد آن پہنچی ہو اور بش کے قہر و غضب کا لقمہ بننے والوں کی مالی اعانت کی کوئی سبیل نکل آئی ہو۔ اسے کنبے کے دس افراد اور اپنے ننھے منے پوتے کو پالنا ہے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں اخباری رپورٹروں سے کہا ''یہاں تو کوئی سفارتخانے کے دروازے پر آ کر ہم سے بات بھی نہیں کرتا۔ اگر انہوں نے کچھ نہیں کرنا تو بتا تو دیں۔ میں لاریوں کے کرائے بھرنے کے بجائے ان پیسوں سے اپنے پوتے کے لئے دودھ ہی خرید لوں۔ میرا شہید بیٹا کیا

Marfat.com

سوچتا ہوگا۔''

افغانستان کو بدترین غارت گری کا نشانہ بنانے والا امریکہ ''فتح'' کے نشے سے سرشار ہے۔ کابل کے دورے پر آئے امریکی سینیٹروں کے پاس افغانوں سے ملنے کے لئے وقت نہیں۔ آسودہ اور کامران بش کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ملا محمد عمر پس منظر میں چلا گیا اور کابل پر حامد کرزئی نامی ''ٹیسٹ ٹیوب بے بی'' کی حکومت ہے۔ سیر سپاٹوں، پارٹیوں اور تفریحات کا دلدادہ یہ کم نصیب شخص، دوسرے ممالک کے حکمرانوں کو تفریحی دوروں پر کابل آنے اور غم دنیا سے آزاد ہو کر ''ریلیکس'' کرنے کی دعوتیں دیتا ہے۔ وہ کیا جانے کہ افغانستان کی کتنی خواتین بلکتے بچوں کو لئے خس و خاشاک کی طرح سڑکوں پر رل رہی ہیں۔ سنہری بالوں اور گلابی گالوں والی کتنی افغان بچیاں امریکہ میں نیلام ہو رہی ہیں۔ کتنے بوڑھے اپنے جوان بیٹوں کی میتیں اٹھائے پھرتے ہیں اور کتنے بچے گھونٹ بھر دودھ کے لئے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔

امریکی ڈالر، تفریحات کے دلدادہ کرزئی اور اس جیسے چند افغان فروش وار لارڈز کی عشرت کا سامان بن رہے ہیں اور افغانستان آہوں، سسکیوں اور ہچکیوں کی چتا میں جل رہا ہے۔

ملا محمد عمر تو ایسا پتھر دل نہ تھا۔

[05-04-2002

Marfat.com

لاوارث لاشیں

اسلام آباد میں بڑھتی ہوئی گرمی کے باوجود زندگی کی گہما گہمی عروج پر ہے۔ بازاروں کی چہل پہل زوروں پر ہے۔ ریستورانوں کی رونقوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ پولیس کے ناکے جوں کے توں ہیں۔ جدید رنگ کی مارکیٹوں میں گاہکوں کی ریل پیل کا وہی عالم ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کشادہ سڑکوں اور وسیع پارکوں کا یہ شہر بھولتا جا رہا ہے کہ قریب کی ایک بستی میں طالبان نامی دیوانے بستے تھے۔ اس شہر دلا زار میں تو ساتھ والے گھر کی خبر نہیں ہوتی کہ کون کس کرب میں مبتلا ہے اور کون کس آزار مسلسل کی سولی پر ٹنگا عمر کی آخری گھڑیاں گن رہا ہے۔ شاید میں بھی اس شہر ناپرساں کی بوباس میں رچ بس گیا ہوں اور بھولتا جا رہا ہوں کہ حد نظر سے اس پار میری جان پہچان کے کچھ لوگوں کا بسیرا تھا۔ کوئٹہ سے کچھ دور، چمن سے ذرا آگے، سپین بولدک نامی بستی کے پہلو سے گزرتی ٹوٹی پھوٹی شاہراہ مجھے قندھار نامی جس لٹے پٹے شہر میں لے گئی تھی وہاں لمبی قباؤں، بھاری پگڑیوں اور گھنی داڑھیوں والے کچھ پراسرار بندوں کے ساتھ میں نے کئی دن گزارے تھے۔ وہاں میں نے ڈاکٹر نجیب اللہ کی متروک سرکاری رہائش گاہ کے ایک کشادہ کمرے میں اس عہد کے ایک مرد جری سے ملاقات کی تھی جس کا نام ملا محمد عمر تھا۔ میں بھولتا جا رہا ہوں کہ دریائے ارغنداب کے کنارے انگور کے باغات کے پہلو میں جب ڈوبتے سورج کی شفق سرمئی شام کے ملگجے اندھیروں میں تحلیل ہو رہی تھی تو ہم نے ٹھنڈی، گھاس پر بیٹھ کر اس مرد درویش کی صحبت میں چند ساعتیں گزاری تھیں۔ تب اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے اور وہ اٹھے ہوئے ہاتھ آج بھی ملکوتی تصویر کی طرح میری آنکھوں میں نقش ہیں۔

لیکن کیا میں اپنے دل کی ایک ایک دھڑکن میں بسے دلداروں اور خیال کی ایک ایک رو میں مہکتے یاران خوش جمال کو بھولتا جا رہا ہوں؟ زندگی کتنی ظالم ہے کہ جابر حکمران کی طرح ایک ایک لمحے کو تازیانہ بنا کر برسانے لگتی ہے اور انسان ان مہمانان عزیز کو بھی بھول جاتا ہے جو گھر سے

Marfat.com

کسی کمرے میں کب سے منتظر بیٹھے ہوتے ہیں۔

گزشتہ ہفتے مجھے جواں سال مفتی محمد عثمان کا محبت بھرا اصرار چیچہ وطنی لے گیا۔ مفتی صاحب نے ایک ایسے مدرسے کی بنیاد ڈالی ہے جس میں مروجہ علوم وفنون کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر، خالص دینی فکر و احساس سے آراستہ طلباء و طالبات تیار کرنے کا اچھوتا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ انگلش میڈیم ذریعہ تعلیم کے ساتھ انہوں نے ایک عمدہ نصاب کا انتخاب کیا ہے اور اسلامی تعلیمات و اقدار کو بڑی عمدگی سے تربیت کی مرکزی روح بنا دیا ہے۔ مفتی صاحب نے ''نظام تعلیم پر مغربی تہذیب کے اثرات'' کے عنوان سے ایک سیمینار کا اہتمام کر رکھا تھا جس میں مجھے بھی دعوت خطاب دی گئی تھی۔ مدرسے کے وسیع وعریض لان میں چیچہ وطنی کے نمائندہ شہریوں کے بڑے اجتماع نے مجھے جو محبت دی، جس تعلق خاطر اور جس قلبی وابستگی کا مظاہرہ کیا، میں اس کو کبھی نہیں بھلا سکوں گا۔

تقریب کے بعد ان کی محبتیں بے کراں ہوگئیں۔ ان کی باتوں، ان کے تبصروں، ان کی دعاؤں، ان کے مصافحوں اور ان کے معانقوں میں میری ذات کا کوئی حوالہ نہ تھا صرف اس رشتے کا عکس تھا جو میرے قلم اور دشت بے اماں کو لہو دینے والے طالبان کے درمیان استوار ہے۔ مجھے یوں لگا جیسے افغانستان کی شام غریباں چیچہ وطنی کی اس رنگا رنگ تقریب پر غالب آ گئی ہے۔ میں سفید ریش بزرگوں اور جواں سال کسانوں کی آنکھوں سے برستے آنسوؤں کو سمیٹتا بھیڑ سے راستہ بنانے کی کوشش کرتا رہا۔

رات کی اولیں ساعتوں میں چیچہ وطنی سے لاہور آتے ہوئے میں سوچتا رہا۔ کیا میں انہیں بھولتا جا رہا ہوں جنہیں چیچہ وطنی جیسے چھوٹے سے قصبے کے عوام نے سینے سے لگا رکھا ہے؟

اب ایک اور خبر تیز فولادی برمے کی طرح میرے دل میں مسلسل چھید کئے دے رہی ہے۔ وہ سخت کوش جو امریکی انصاف کی بھٹی کا ایندھن ہو گئے، اب ان کی قبریں بھی ادھیڑی جا رہی ہیں۔ ان کی ہڈیوں کو نکال نکال کر باہر ڈھیر کیا جا رہا ہے۔ کیمیائی تجزیے کے لئے ان کے نمونے حاصل کئے جا رہے ہیں تا کہ پتہ چلایا جا سکے کہ ان میں کوئی اسامہ کوئی ملا عمر تو نہ تھا؟

کینیڈا کے چار سو فوجیوں اور امریکی ماہرین نے شمالی افغانستان میں تورا بورا کے پہاڑوں کو بارود بھر کر اڑایا تو پتھروں اور مٹی کے ساتھ ساتھ سرنگوں اور غاروں میں پڑی انسانی لاشوں کے

Marfat.com

اعضاء بھی فضاؤں میں دور دور تک بکھر گئے۔ نواح میں واقع ایک چھوٹے سے قبرستان کو ادھیڑ ڈالا گیا۔ امریکی انٹیلی جنس نے رپورٹ دی تھی کہ پاکستان سے ایک بوڑھا شخص بڑی مصیبتیں اٹھا کر یہاں دعا مانگنے آیا تھا۔ یقیناً یہاں کوئی بڑی شخصیت دفن ہے۔ سب سے پہلے اس قبر کو ادھیڑا گیا جو زیادہ ''بنی سنوری'' تھی۔ پھر بائیس مزید مشکوک قبروں پر کدالیں چلائی گئیں۔ کوئی لاش 6 فٹ پانچ انچ کی نہ تھی اور کوئی ایسی کھوپڑی نہ ملی جس کے بارے میں ماہرین بتاتے کہ اس کی ایک آنکھ زندگی میں ہی ضائع ہوگئی تھی۔ گلے سڑے گوشت، مڑی تڑی ہڈیوں اور چٹختی ہوئی کھوپڑیوں کے نمونے سمیٹ کر بہادر افواج واپس چلی گئیں۔

رات ٹیلی ویژن پر میں نے کم نصیب فرانسیسیوں کی میتوں کو وطن روانہ ہوتے دیکھا جو کراچی کے بم دھماکے میں ہلاک ہوگئے تھے۔ میرا مذہب ایک انسان کی ہلاکت کو پوری انسانیت کی ہلاکت کہتا ہے۔ قومی پرچموں میں لپٹے آبنوسی تابوتوں کو پورے احترام اور احتشام کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ پاک نیوی کے چاق و چوبند دستوں نے سلامی دی۔ ان تابوتوں کو فرانس میں بھی اسی عزت و وقار کے ساتھ وصول کیا جائے گا۔ دیار غیر میں جانیں ہار دینے والوں کی مائیں، بہنیں، بیویاں اور بچے بین کریں گے۔ ان کے لئے خوبصورت قبریں اور یادگار کتبے تیار ہوں گے۔ لیکن تورا بورا کے غاروں میں بارود سے اڑائی جانے والی لاشوں کے والی وارث کہاں ہیں؟ دس ہزار فٹ بلند پہاڑوں پر پڑے گوشت کے لوتھڑے کس مخلوق کے ہیں؟ کس سیارے سے آنے والے ان اجنبی لوگوں سے کسی کی آشنائی نہیں۔ کوئی ایسا نہیں جو احتجاج نہیں تو کم از کم دہائی تو دے، فریاد تو کرے۔

میں دریائے ارغنداب کے کنارے، انگور کے باغات کے پہلو میں، ٹھنڈی گھاس پر بیٹھا، ملا محمد عمر کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ رہا ہوں اور درد سے لبریز ایک بے آواز سی دعا مسلسل میرے کانوں میں گونج رہی ہے ؎

رحیم ہے تو کرے رحم ہم غریبوں پر
ہے ذوالجلال تو کھل کر جلال میں آئے

[13-05-2002]

Marfat.com

اصل کام

جنوبی ایشیا کے امور کی نگران، امریکی نائب وزیر خارجہ مادام کرسٹینا روکا آج بھارت پہنچ رہی ہیں جہاں سے کل کسی وقت وہ پاکستان تشریف لائیں گی۔ ان کے دورے کا مقصد، بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ کے بڑھتے ہوئے خطرات کو کم کرنا بتایا جارہا ہے۔ گزشتہ ہفتے امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے صدر پرویز مشرف اور جسونت سنگھ سے ٹیلی فون پر بات کی اور اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔ سفارتی محاذ پر ان ''فاختائی اڑانوں'' کے ساتھ ساتھ امریکہ، آگرہ کے اس تاج محل کے عقب میں بھارت کے ساتھ مشترکہ جنگی مشقوں میں مصروف رہے جہاں جنرل مشرف نے امن و خیر سگالی کی بے پناہ توقعات کے ساتھ محبت کی اس علامت کو خراج تحسین پیش کیا اور یادگار تصویریں بنوائی تھیں۔ چالیس برس کے بعد امریکہ کے 200 کمانڈوز کو بھارت کی بری اور فضائی فوج کے ہمراہ مشترکہ تربیتی مشقوں کی ضرورت عین اس وقت محسوس ہوئی ہے جب بھارت اور پاکستان کی افواج حالت جنگ میں ''ہائی الرٹ'' کی پوزیشن میں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی ہیں۔ دو ممالک برسر جنگ یا برلب جنگ ہوں اور کوئی تیسرا ملک ان میں سے کسی ایک کے ساتھ مل کر جنگی مشقیں شروع کر دے تو اسے دوستوں میں شمار کرنے کے لئے کمال درجے کا اندھا پن چاہئے۔ دونوں ممالک اسی سال امریکی ریاست الاسکا کے برف پوش پہاڑوں پر بھی مشترکہ مشقوں کا پروگرام مرتب کر رہے ہیں۔ سفارتکاری کے ''فاختائی اسلوب'' کے ساتھ ساتھ بھارت کے ہمراہ مشترکہ جنگی مشقوں کا جارحانہ ''عقابی انداز'' اہل پاکستان کے لئے ناقابل فہم ہے۔

بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے کہا ہے کہ ''ہمالیہ کے پہاڑوں سے برف پگھلتے ہی القاعدہ اور طالبان گوریلوں نے کشمیر کا رخ کر لیا ہے اور سرحد پار سے دہشت گردی میں اضافہ ہو گیا ہے چنانچہ صدر مشرف پر دباؤ ڈالنا ناگزیر ہو گیا ہے کہ وہ اپنی 12 جنوری والی تقریر کو عملی جامہ

Marfat.com

پہنائیں۔'' اسی دوران بھارت نے امریکہ اور مغربی ممالک کو پیغام دیا ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف محدود آپریشن کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر کشمیر میں لائن آف کنٹرول کے اس پار سے مداخلت بند نہ ہوئی تو ایسا ایکشن بے حد ضروری ہو جائے گا۔ ''ہندوستان ٹائمز'' کی اطلاع کے مطابق بھارت نے عالمی برادری کو بتایا ہے کہ وہ لائن آف کنٹرول پار کر کے ان پہاڑی علاقوں پر حملہ کر سکتا ہے جہاں سے مداخلت ہو رہی ہے جبکہ پاکستانی کشمیر میں مجاہدین کے تربیتی کیمپوں پر فضائی حملے بھی کیے جا سکتے ہیں۔ لاہور پر قبضہ کرنے اور پاکستان کو دو حصوں میں بانٹ دینے کے مکروہ پلان کی خبریں پہلے ہی آ چکی ہیں۔

ان کھلی دھمکیوں اور بے نقاب ہوتے عزائم کے پس منظر میں نئی دہلی میں امریکی سفیر رابرٹ بلیک ول نے وزیر خارجہ جسونت سنگھ، وزیر داخلہ کے ایل ایڈوانی اور قومی سلامتی کے مشیر برجیش مشرا سے ملاقاتیں کی ہیں۔ ایڈوانی کا بیان چھپا ہے کہ ''امریکہ ہمیں کچھ کہنے کے بجائے پاکستان پر دباؤ ڈالے کہ وہ سرحد پار سے دہشت گردی بند کرے۔''

ادھر امریکی اخبار ''واشنگٹن پوسٹ'' نے بھارتی موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے انکشاف کیا ہے کہ ''القاعدہ کے جنگجوؤں کی بڑی تعداد پاکستان آ گئی ہے۔ وزیرستان کے ایک سرحدی گاؤں میں القاعدہ کے سینکڑوں گوریلے موجود ہیں جن کے خلاف ایف بی آئی اور امریکی فوج کو کھلی کارروائی کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ لہٰذا اس امر کا امکان ہے کہ امریکہ از خود کارروائی کرنے پر مجبور ہو جائے'' لاس اینجلس کے معروف اخبار ''کرسچین سائنس مانیٹر'' کی رپورٹ کے مطابق القاعدہ کے مسلح گوریلوں کی بڑی تعداد پاکستان سمگل کی جا رہی ہے۔'' رخصت ہونے کی تیاریوں میں مصروف اسلام آباد میں امریکی سفیر وینڈی چیمبرلین نے ''نیویارک ٹائمز'' سے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ ''ایف۔ بی۔ آئی کے ایجنٹ ہفتے دو ہفتے کے لئے آنے اور چلے جانے کے بجائے مستقلاً پاکستان میں قیام کریں گے۔ اب پاکستان میں امریکی سفیر کا کام محض تقریبات میں جانا اور تجزیے کرنا نہیں بلکہ صورتحال کو ''مطلوبہ شکل'' دینا اور ''اصل کام'' پر توجہ مرکوز کرنا ہو گا۔''

''اصل کام'' کیا ہے؟ اس کا پتہ چلانے کے لئے کسی بڑی ذہنی مشق، تجزیاتی دانش اور حکیمانہ فراست کی ضرورت نہیں۔ 11 ستمبر کے بعد جب ہم نے عالمی کولیشن کا ہراول دستہ بننے کا دلیرانہ فیصلہ کیا تھا تو دیکھنے والی آنکھوں کو نوشتہ دیوار جلی حروف میں لکھا دکھائی دینے لگا تھا۔ نو ماہ سے

Marfat.com

جاری اس عالمی مہم کے دوران پاکستانی مفادات کو گھاس کے تنکے برابر اہمیت بھی نہیں دی گئی۔ ہم نے خودفریبی کے لئے جو اہداف مقرر کیے تھے وہ پانی پر بنے نقش ثابت ہوئے۔ ہچکیاں لیتی معیشت کی نبضیں متحرک رکھنے کے لئے گاہے گاہے فراہم کی جانے والی آکسیجن ہی کو اپنی خودی اور خودمختاری کا معقول معاوضہ سمجھ کر ہم نے نہ صرف وفاشعاری کا سفر جاری رکھا بلکہ اپنی بے ہنری سے ''دہشت گردی کے خلاف مہم'' افغانستان سے نکل کر اپنی سرحدوں کے اندر لے آئے۔

اب امریکہ اور بھارت مشترکہ مشقیں کر رہے ہیں۔ ان کی سوچ اور عزائم بھی ایک جیسے ہیں۔ دونوں نے القاعدہ اور طالبان کے جنگجوؤں کو مشترکہ شکار قرار دے ڈالا ہے۔ دونوں متفق ہیں کہ ''دہشت گردی پھیلانے والے یہ جنگجو'' پاکستان میں جمع ہو گئے ہیں۔ دونوں یک زبان ہیں کہ صرف مشرف کو 12 رجنوری کی تقریر کے مطابق مزید اقدامات کرنے چاہئیں۔ بھارت، آزاد کشمیر اور امریکہ قبائلی علاقوں میں مطلوبہ کارروائیوں کے لئے زمین ہموار کر رہا ہے۔ کشمیر کے بارے میں امریکہ کا تازہ ترین سرکاری موقف یہ سامنے آیا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں آزادانہ انتخابات کرا دینے سے مسئلہ حل ہو جائے گا!!

ہم اپنی ہتھیلیوں پر وفاؤں کے چراغ اور آنکھوں میں آس کے دیئے جلائے، امریکہ کی طرف دیکھ رہے ہیں جہاں سے کرسٹینا روکا تشریف لایا چاہتی ہیں۔ 11 رستمبر کے بعد سے چون اعلیٰ امریکی عہدیدار بھارت آ چکے ہیں۔ عمر بھر سرابوں کا تعاقب کرنے اور خوابوں کی جنتیں بسانے والے ہم سادہ و معصوم لوگ ابھی تک نہیں جان سکے کہ وہ ''اصل کام'' کیا ہے جس کے لئے امریکہ اس صدی کا سب سے بڑا ناٹک رچا رہا ہے۔

ہمیں اپنے ''اصل کام'' سے فرصت ملے تو کسی اور طرف بھی دیکھیں۔

[14-05-2002]

Marfat.com

امریکہ کی یاددہانی

امریکہ نے کہہ دیا ہے کہ "بھارت سے جنگ کی صورت میں پاکستان کو خود ہی اپنے مفادات کا تحفظ کرنا ہوگا۔" امریکی وزارت خارجہ کے ایک اعلیٰ عہدیدار سے پوچھا گیا کہ دہشت گردی کے خلاف حالیہ جنگ میں پاکستان نے کھل کر امریکہ کا ساتھ دیا ہے۔ اب اگر بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے تو کیا امریکہ اپنے اتحادی، پاکستان کا ساتھ دے گا؟ جواب آیا کہ: "Pakistan needs to look its interests" (پاکستان کو اپنے مفادات کا خود ہی تحفظ کرنا ہوگا۔) معلوم نہیں امریکی عہدیدار کو اس حقیقت کشائی کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تاہم اس یاددہانی کا شکریہ ادا نہ کرنا ناشکری ہوگی۔

وہ اندھا موڑ قریب آ گیا ہے جس سے بچنے کے لئے ہم کئی ماہ سے خود اپنے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ صحرا کی سلگتی ریت سے شبنم کشید کرنے اور جبر ناروا کے بوجھ تلے سسکتے ہوئے، اپنے اہداف کے نعرے لگانے کا طلسم ٹوٹنے کو ہے۔ طلسم تو کئی بار ٹوٹ چکا ہے۔ ہماری خواب دیکھتی آنکھیں کئی بار نامطلوب تعبیروں کی کرچیوں سے زخمی ہو چکی ہیں۔ دل کئی بار "دوستوں" کی بے رخی کے گھاؤ کھا چکے ہیں لیکن آنکھیں ہیں کہ خواب دیکھنے سے باز نہیں آتیں اور دل ہے کہ کوئے ملامت کے طواف کے بغیر چین ہی نہیں پاتا۔

ہم نے گیارہ ستمبر کی شب امریکی عتاب کے خوف سے نڈھال ہو کر ایک فیصلہ کیا۔ شاید یہ کہنا مناسب ہو کہ دوسرا کوئی فیصلہ کرنے کی جسارت یا سکت نہ رکھنے کے باعث ہمارے پاس کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ سو عالم بے چارگی میں ہم نے نامہرباں حالات کے جبر تلے سر جھکا یا۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو ہم نے جبر کے چوکھٹے میں اپنے حسن تدبر، معاملہ فہمی اور حکمت و دانائی کا مرقع سجایا۔ پھر اس مرقعے میں سٹرٹیجک اثاثوں کے تحفظ، معیشت کی بہتری اور کشمیر کاز کی مینا کاری کی پھر اس میں اس حکمت و تدبر کے رنگ بھرے۔ پھر اس تصویر پر "سب سے پہلے پاکستان" کا خوبصورت

Marfat.com

طغریٰ سجایا اور اسے قومی گیلری میں آویزاں کر دیا۔

گزشتہ کئی ماہ سے 'فن کار' اپنے دست ہنرمند کی داد پا رہے تھے۔ ان کے دلائل سے یوں لگتا تھا جیسے 11 ستمبر کے واقعات الٰہی نعمت کے طور پر آسمانوں کی بلندیوں سے نازل ہوئے جن کا مقصد پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو قیامت تک کے لئے محفوظ بنانا، پاکستان کی معیشت کو مثالی رفعتوں سے ہمکنار کرنا اور کشمیر کاز کو ایسی توانائی فراہم کرنا تھا کہ کشمیر پکے ہوئے پھل کی طرح ہماری جھولی میں آ گرے۔ پھر ہم نے نگر نگر سے آئے چھوٹے بڑے سرکاری اہلکاروں کی آمد آمد کو اپنی سفارت کاری کا اعجاز سمجھا۔ بیرونی دوروں کی دعوتوں کو اپنی قیادت اور سیادت کا بانکپن جانا۔ امریکی صدر کے بلاوے اور وائٹ ہاؤس میں خصوصی کھانے کو اپنے معجزہ فن کی معراج خیال کیا۔ دنیا بھر سے توصیفی بیانات کا ایک طوفان اُمڈ آیا۔ ہم نے اسے اپنی خداداد صلاحیتوں کے اعتراف پر محمول کیا۔ ''سب سے پہلے پاکستان'' نامی شہکار کے نقش و نگار سنوارنے اور داد پانے کا سلسلہ جاری رہا۔ سرکاری ذرائع ابلاغ نے تاثر دیا کہ جس پاکستان کو متعدی بیماری کے مریض کی طرح الگ تھلگ پھینک دیا گیا تھا، وہ پوری طرح صحت یاب ہو گیا ہے اور عالمی برادری اس کی بلائیں لینے لگی ہے۔ محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ اب کوئی ملک ہماری جدائی کی چند گھڑیاں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

سرپھرے لوگ دہائی دیتے رہے کہ چشم یار کی فریب کاری پر نظر رکھو لیکن عشق کی وارفتگی بے قابو رہی۔ کسی نے ٹھنڈے دل سے یہ سوچنے کی کوشش ہی نہ کی کہ کیا بھارت کی پھرتیاں اس کی اپنی تگ و تاز کا نتیجہ ہیں؟ کیا اس کی فوجیں امریکی اشیر باد کے بغیر سرحدوں پر بیٹھی ہیں؟ کیا وہ اپنے طور پر ایک مہلک جنگ کو آواز دے رہا ہے؟ اور کیا عین حالت جنگ میں امریکہ اور بھارت کی معنی خیز مشترکہ مشقیں محض موج میلہ ہیں؟ کیا امریکہ نے بھارت کا یہ موقف تسلیم نہیں کر لیا کہ ''مقبوضہ کشمیر میں کوئی تحریک آزادی بپا نہیں، یہ سب پاکستان کی دہشت گردی ہے۔'' کیا بھارت نے امریکہ سے اسلحہ کی خریداری کی سب سے بڑی ڈیل نہیں کی؟ کیا اب بھی اس میں کوئی شک ہے کہ امریکہ اور بھارت اس خطے میں طویل المیعاد پارٹنر بن چکے ہیں؟ کیا یہ درست نہیں کہ ایک دوسرے کے دباؤ کو استعمال کر کے دونوں ممالک پاکستان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر رہے ہیں؟

دل ہے کہ ڈوبتا جا رہا ہے۔ ماضی کے ایک ایک ورق پر امریکہ کی فریب کاری کے دھبے

Marfat.com

پڑے ہیں اور ہم ہیں کہ آج بھی اسی کی مسیحائی سے آس لگائے بیٹھے ہیں۔ اب کی بار ہم نے بڑی بھاری قیمت ادا کی ہے۔ اتنی بھاری کہ اس کا بوجھ آنے والی کئی نسلیں محسوس کرتی رہیں گی۔ گزشتہ روز لاہور سے اسلام آباد آتے ہوئے میری ساتھ والی نشست پر بانکے سجیلے کپڑوں میں ملبوس ایک طرحدار نوجوان بیٹھا تھا۔ شستہ انگریزی میں گفتگو کرنے والا یہ نوجوان خدوخال کے کسی زاویے سے ''بنیاد پرست'' نہیں لگتا تھا۔ بات چلی تو ریفرنڈم کی طرف آنکلی۔ وہ کہنے لگا۔ ''میں نے تو ووٹ ہی نہیں ڈالا۔'' میں نے بینک کے کسی اچھے عہدے پر فائز شگفتہ مزاج نوجوان سے پوچھا۔ ''کیوں؟'' وہ بولا۔ ''صرف اس لئے کہ اللہ میاں قیامت کے دن یہ نہ پوچھ لیں کہ تم نے بے گناہ طالبان کی ہلاکت میں آلہ کار بننے والوں کا ساتھ کیوں دیا تھا؟''

ہم نے واقعی بڑی بھاری قیمت ادا کی ہے۔ ایک نہ ایک دن قندھار سے قلعہ جنگی اور قندوز سے تورابورا تک پھیلے لہو کا ہر قطرہ ہم سے بھی ''خوں بہا'' مانگے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جس ساقی کی خدمت میں ہم نے خود اپنے لہو کے جام پیش کیے، وہ کیا کہہ رہا ہے؟

گھٹا تلی کھڑی ہے۔ بجلی کڑک رہی ہے۔ ہوا میں بلا کی تندی و تیزی ہے۔ ہم صحرا کے بیچوں بیچ گڑے خیمے کی دیوار سے لگے، اس کی راہ دیکھ رہے ہیں جو کہتا ہے:

''پاکستان کو اپنے مفادات کا تحفظ خود ہی کرنا ہوگا۔''

اللہ کے فضل و کرم سے چودہ کروڑ پاکستانی اس چیلنج پر پورا اتریں گے اور پاکستان کے بدخواہوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس مملکت خداداد کے بیٹے اپنے مفادات کا تحفظ کرنا جانتے ہیں۔ لیکن نگار خانوں میں تصویریں ٹانکنے اور اپنے دست ہنر مند کی داد پانے والے بھی تو کچھ بولیں۔

[20-05-2002]

Marfat.com

حافظ میوہ جان وزیر شہید

جامعہ نعیمیہ لاہور میں عزت مآب امریکی سفیر مادام وینڈی چیمبرلین کی آمد اور ان کا دلپذیر خطبہ آج کی اہم خبر ہے۔ محترمہ نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ ''اسلام تو امن کا مذہب ہے جس کا دہشت گردی سے کوئی تعلق واسطہ نہیں'' لیکن کسی نے ان سے نہیں پوچھا کہ اگر یہ سچ ہے اور امریکہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ دہشت گردی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تو پھر شمال وجنوب اور شرق وغرب کے ہر گوشے کی دہشت گردی اسلام اور مسلمانوں کے کھاتے میں کیوں ڈالی جا رہی ہے؟ ہر جگہ ظلم کی چکی میں پستے ہوئے مسلمان جب ظالم کے خلاف غلیلوں اور پتھروں سے ''معرکہ آراء'' ہوتے ہیں تو انہیں ''دہشت گرد'' کہہ کر توپوں اور ٹینکوں کے دہانے پر کیوں رکھ لیا جاتا ہے؟ مہاجر کیمپوں کو آتش و بارود کا نشانہ بنانے والے درندوں کو ''امن کے سفیر'' کا خطاب کیوں ملتا ہے؟ اقوام متحدہ کی قراردادوں کا مضحکہ اڑانے اور ہزاروں معصوم انسانوں کا لہو پینے والے سارے عفریت امریکہ کے یارانِ خاص کیوں ہیں؟ کشمیر، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا اور افغانستان کے عوام کا خون پانی سے زیادہ ارزاں کیوں ہے؟ اگر اسلام اور دہشت گردی کا کوئی رشتہ نہیں تو امریکہ نے جن سینکڑوں تنظیموں، اداروں اور شخصیات کو دہشت گرد اور مردود قرار دے رکھا ہے، وہ سارے مسلمان کیوں ہیں؟ دنیا کی سات ایٹمی قوتوں میں سے صرف پاکستان کا ایٹم بم امریکہ کے دل میں کانٹے کی طرح کیوں کھٹکتا ہے؟

جامعہ نعیمیہ کے منتظمین یقیناً یہ سب کچھ نہیں پوچھ سکتے تھے۔ گھر آئے مہمان عزیز سے اس طرح کی باتیں پوچھی بھی نہیں جاتیں لیکن ہمارا تو سارا گھر ہی مہمان خانہ بن چکا ہے۔ ایف بی آئی، سی آئی اے، میرین، کمانڈوز، مواصلاتی انجینئر، پائلٹ، جاسوس، سراغرساں اور جانے کون کون؟ میں مادام کے خطبے اور مہمان عزیز کا تذکرہ تفصیل سے کرنا چاہتا تھا جو ''میزبان'' کی رگِ جاں پر خنجر رکھ کر مہمانی کی لذتیں سمیٹ رہے ہیں لیکن اچانک میرا کمرہ ایک پراسراری آتشیں

Marfat.com

روشنی سے بھر گیا ہے۔ فرشتوں کے پروں کی معصوم سرسراہٹ میرے چاروں طرف بکھر گئی ہے۔ ایک دس سالہ معصوم شہید کی لطیف روح مسلسل میرے دل کے دریچوں پر دستک دے رہی ہے لہذا میں ڈاکٹر سرفراز نعیمی اور مادام وینڈی چیمبرلین سے معذرت کے ساتھ افغانستان کے صوبہ پکتیا کے ایک بے آب ورنگ گاؤں میں کچے گارے سے بنے چھوٹے سے دینی مدرسے کی طرف جانا چاہتا ہوں جہاں ننھے منے میوہ جان وزیر نے قرآن کریم حفظ کیا تھا۔

پکتیا کے گاؤں زخہ کے رہنے والے دس سالہ بچے نے گزشتہ ہفتے تین امریکی کمانڈوز ہلاک کر ڈالے۔ برمل کے علاقے کا یہ چھوٹا سا گاؤں ملا محمد عمر اور اسامہ بن لادن سے بہت دور تھا اور کبھی طالبان یا القاعدہ کا مرکز نہیں رہا۔ گاؤں کے لوگ "امریکی انصاف" کی کہانیاں کئی دنوں سے سن رہے تھے اور اب وہ اپنی آنکھوں سے اس انصاف کے کل پرزوں کو علاقے میں دندناتا دیکھنے لگے تھے۔ کچھ دن قبل امریکی کمانڈوز نے ایک مقامی دینی مدرسے پر چھاپہ مارا۔ کارروائی کے دوران قرآن کریم کا درس دینے والے ایک محترم استاد، قاری دریا خان وزیر امریکی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس سانحہ پر سارا علاقہ دکھ کی گہری دھند میں لپٹا رہا۔ ایک نیک انسان کی ظالمانہ ہلاکت کا غم لوگوں کو رلاتا رہا۔ قاری دریا خان کے دس سالہ ہونہار شاگرد حافظ میوہ جان نے کئی دنوں تک کھانا کھایا نہ چین کی نیند سویا۔ دو چار دن پہلے وہ اس راستے کی طرف نکل گیا جدھر سے امریکیوں کی گاڑیاں گزرا کرتی تھیں۔ اس نے ایک ہینڈ گرنیڈ اور ایک کلاشنکوف اٹھائی اور راستے سے متصل ایک ٹیلے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دور سے گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کی آواز لحہ بہ لحہ قریب آ رہی تھی۔ تب اس نے ٹیلے کی اوٹ سے دیکھا دو موٹر سائیکلوں پر چار آدمی سوار تھے۔ تین امریکی کمانڈوز اور ایک مقامی گائیڈ۔ ان کے پیچھے ایک ویگن اور ایک فوجی جیپ چلی آ رہی تھی۔ میوہ جان کے بدن کا سارا لہو اس کے چہرے اور بازوؤں تک سمٹ آیا۔ زد میں آتے ہی اس نے ہینڈ گرنیڈ پھینکا، کھلبلی مچ گئی۔ پھر اس نے کلاشنکوف سے تابڑ توڑ فائرنگ کی، موٹر سائیکلوں پر سوار تین امریکی اور ایک مقامی باشندہ ڈھیر ہو گئے۔ ویگن اور جیپ پر سوار فوجیوں میں سے متعدد زخمی ہوئے۔ وائرلیس سیٹ چیخ اٹھے لمحوں بعد ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوئے۔ میوہ جان نے نکل جانا چاہا لیکن چاروں طرف سے لاتعداد گولیاں اس کے پھول جیسے جسم میں پیوست ہو گئیں۔ سلگتی ہوئی ریت اس کے معصوم لہو سے لالہ رنگ ہو گئی۔ قرآن کے

Marfat.com

نور سے معمور دل کی دھڑکنیں بیٹھ گئیں اور اس کی فرشتوں جیسی پاکیزہ روح نیلگوں فضاؤں کی طرف پرواز کر گئی جہاں اس کے استاد دریا خان وزیر کی روح اس کے استقبال کے لئے کھڑی تھی۔ آسمانوں میں پرواز کرتے ہوئے ننھے شہید کی روح نے امریکی طیاروں کی ڈاریں دیکھیں جو پرے باندھے، بموں کی بوریاں بھرے اس کے گاؤں کی طرف جارہے تھے۔

سربلند ہو کر زندہ رہنے والوں کے دلوں میں کون سا آتش فشاں ہوتا ہے کہ ہر آن لاوا اگلتا رہتا ہے۔ امریکہ نے ظلم و بربریت کا کون سا حربہ نہیں آزمایا۔ اپنے اسلحہ خانے کے کون سے ہتھیار کا تجربہ نہیں کیا لیکن عالم یہ ہے کہ دس سالہ معصوم بچہ جدید ترین ہتھیاروں سے لدے امریکی کمانڈوز کو اس طرح ڈھیر کر دیتا ہے جیسے وہ کانچ کی گولیوں سے کھیل رہا ہو۔

شکاریوں نے کوئی پرندہ، کوئی جگنو کوئی تتلی تک زندہ نہیں چھوڑی لیکن مرد جری کا افغانستان ہار مانتا دکھائی نہیں دیتا۔ جانے کہاں سے کوئی چھوٹی سی ابابیل، ننھے منے پر پھڑپھڑاتی نکل آتی ہے اور یہ پیغام دے جاتی ہے کہ افغانستان کی روح حیات میں ابھی تک عزت کی موت مرنے کا جنوں باقی ہے۔ دس سالہ حافظ میوہ جان وزیر کا لہو ملا محمد عمر کے اس عزم کو نئی تابانی دے گیا ہے کہ

یہ جبیں جھکتی ہے بس ایک خدا کے آگے
دوسرا کوئی خدا ہو مجھے منظور نہیں

[23-05-2002]

Marfat.com

قندھار کے قیدی کے نام

اخبارات نے خبر دی ہے کہ اسلام آباد میں اچانک گم ہو جانے اور پھر امریکیوں کے ہتھے چڑھ جانے والے سابق افغان سفیر ملا عبدالسلام ضعیف کا سراغ مل گیا ہے۔ وہ آج کل قندھار کے ائرپورٹ پر بنے امریکی کیمپ جیل میں ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ ملا ضعیف کو گرفتاری کے بعد کیوبا کے سمندر میں بنے گوانٹانا موا یکسرے کیمپ میں لے جایا گیا جہاں کئی دن ان سے پوچھ گچھ کی جاتی رہی۔ طالبان قیدیوں کی پہلی بڑی کھیپ کو گوانٹانا مو منتقل کرتے وقت جہازوں کی نشستوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ ان کی آنکھوں پر سیاہ پٹیاں تھیں اور کانوں میں روئی ٹھونس دی گئی تھی۔ ان کی داڑھیاں اور سر کے بال صاف کر دیئے گئے تھے۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں آہنی زنجیروں سے باندھ دیئے گئے تھے۔ معلوم نہیں ملا عبدالسلام ضعیف کو گوانٹانا مو منتقل کرتے وقت ان مہذب قرینوں کا خیال رکھا گیا یا نہیں۔ اتنی خبر تو آئی تھی کہ اسلام آباد کے گھر سے گرفتار کرتے وقت ان کی جامہ تلاشی لی گئی تھی اور ان کی عینک اتار لی گئی تھی۔ جاتے جاتے انہوں نے اپنے بچوں سے صرف اس قدر کہا تھا:

"ثابت قدم رہنا، ممکن ہے ہم دوبارہ نہ مل پائیں۔"

ایک خبر رساں ایجنسی نے بتایا ہے کہ پاکستان میں مقیم ملا ضعیف کے چچا کو اپنے بھتیجے کا ایک خط موصول ہوا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں "میں قندھار میں امریکی فوج کے زیر حراست قید و بند کے دن گزار رہا ہوں۔ میں بالکل خیریت سے ہوں اور دعا گو رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اچھی صحت سے نوازے۔ مجھے آپ کی دعاؤں کی بھی سخت ضرورت ہے۔ میرے لئے دعا کرنا کہ اللہ مجھے ایمان پر ثابت قدم رکھے۔ میرے لئے آسانیاں پیدا کرے اور مجھے مشکلات برداشت کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔"

Marfat.com

ملا عبدالسلام ضعیف کے چچا یقیناً اس خط کا جواب لکھ رہے ہوں گے لیکن میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں بچھڑ جانے والے یار عزیز سے کچھ باتیں کروں۔ اسے تازہ ترین حالات کی خبر دوں۔ ممکن ہے میرا خط قندھار کے قیدی کے لئے وجہ تسلی بن جائے۔

''میرے اسلامی بھائی!

السلام علیکم!

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ ابھی تک زندہ سلامت ہیں۔ آپ کی گرفتاری کے بعد کئی طرح کے برے برے خیالات ستا رہے تھے۔ ممکن ہے آپ مجھ سے ناراض ہوں۔ شاید آپ نے سوچا ہو کہ آپ ایک آزاد اور خود مختار اسلامی ملک کے سفیر کی حیثیت سے اسلام آباد میں رہے اور سفارت کے ساقط ہو جانے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ رشتہ و تعلق باقی تھا جس کا لحاظ کیا جانا چاہئے تھا۔ آپ کا گلہ بجا سہی لیکن آپ کو پاکستان کے نقطہ نظر سے بھی ہمدردی ہونی چاہئے۔ آپ جانتے ہیں کہ کسی زمانے میں ہم ''جہاد اصغر'' کے علمبردار تھے اور آپ کے ساتھ مل کر روسی جارحیت کے خلاف ایک پرعزم معرکہ لڑا تھا۔ تب معاملہ ایک '' کافر سپر پاور'' کا تھا۔ اب کی بار جس سپر پاور نے آپ پر یلغار کی اسے ہم ''اہل کتاب'' میں سے خیال کرتے ہیں لہٰذا ہم نے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے ''جہاد اصغر'' سے دستبرداری اور ''جہاد اکبر'' کی علمبرداری کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کے تحت ہم امریکہ کی قیادت میں لڑی جانے والی جنگ کا ہراول دستہ بن گئے۔ ہمیں معلوم ہے کہ روس سے دس سالہ جنگ میں اتنے میزائل اور بم نہیں گرے جتنے امریکہ نے گزشتہ چھ سات ماہ میں گرائے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس قیامت نے کئی افغان بستیاں تاراج کر دیں اور پچیس کے لگ بھگ انسانوں کا لہو پی گئی لیکن جنگوں میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔

پیارے بھائی!

حال ہی میں ہم نے ایک سنہری اصول وضع کیا ہے جس کا عنوان ہے ''سب سے پہلے پاکستان'' اس اصول کے تحت ہم نے امریکہ کو وہ سب کچھ دے دیا جو ہماری جھولی میں تھا۔ ایسا کرتے وقت ہمارے سامنے تین بنیادی نکات تھے۔ (1) ایٹمی اثاثوں کا تحفظ (2) کشمیر کاز کی سربلندی اور (3) معیشت کی بحالی۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم نے یہ تینوں مقاصد حاصل کر لئے ہیں۔ ایٹمی اثاثوں کے بارے میں ہمارے بدخواہ جو بدگمانیاں پھیلا

Marfat.com

رہے تھے، ان کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ دنیا نے ہمیں ایک مہذب، باوقار، سنجیدہ اور بالغ ایٹمی قوت کے طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ جارج بش نے کہہ دیا ہے کہ "اگر بھارت کو ایٹم بم رکھنے کا اختیار حاصل ہے تو پھر پاکستان کو بھی اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا" ہم عالمی تنہائی کے آشوب سے نکل آئے ہیں اور دنیا کے 190 ممالک ہماری بلائیں لے رہے ہیں۔ کشمیر کاز تو ہماری توقع سے بھی کہیں پہلے منزل مراد تک پہنچ گیا ہے۔ ہم ایک عرصے سے دہائی دے رہے تھے کہ کشمیر میں جاری تحریک، خود کشمیریوں کی منصفانہ اور مبنی برحق جدوجہد آزادی ہے جسے بھارت، مکاری سے کام لے کر پاکستان کے حمایت یافتہ شدت پسندوں کی دہشت گردی کہہ رہا ہے لیکن کوئی ہماری بات مان ہی نہیں رہا تھا۔ آپ کے خلاف عالمی مہم میں مرکزی کردار ادا کرنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امریکہ سمیت ساری دنیا ہماری ہمنوائی کر رہی ہے اور علی الاعلان ہمارے موقف کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگی ہے کہ کشمیر میں جاری تحریک حریت کا دہشت گردی سے کوئی واسطہ نہیں۔ پاکستان سے کوئی مداخلت کار کشمیر نہیں جا رہا۔ بھارت بلا تاخیر اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل کرے اور کشمیریوں کو مظالم کا نشانہ بنانے سے باز آ جائے۔ اگرچہ بھارت نے اپنی فوج ہماری سرحدوں پر لگا رکھی ہے اور ہمیں دھمکیاں دے رہا ہے لیکن عالمی برادری ہمارے ساتھ ہے۔ سارے عالمی لیڈر ہماری بانہوں میں بانہیں ڈالے بھارت کو وارننگ دے رہے ہیں کہ "خبردار! پاکستان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھا تو تمہیں پتھر کے زمانے میں دھکیل دیں گے" سب سے بڑی کامیابی ہمیں معیشت کے میدان میں ہوئی ہے۔ ہمارے سارے قرضے معاف ہو گئے ہیں، مہنگائی قصہ پارینہ ہو چکی ہے، نوکریاں بیروزگاروں کی تلاش میں بھٹک رہی ہیں، لوگوں کے چہرے آسودگی سے دمکنے لگے ہیں اور گھروں کے آنگن خوشیوں سے بھر گئے ہیں۔

میں نے چھ سال پہلے اسی قندھار میں آپ کے بڑوں سے سنا تھا کہ "ہم پاکستان کے لئے اپنی جانیں بھی لڑا دیں گے" اگر کچھ شہروں کی غارت گری، چند ہزار انسانوں کی ہلاکت، قلعہ جنگی اور تورا بورا کے چھوٹے موٹے واقعات، ملا عمر کی دربدری اور آپ جیسے حضرات کی چند روزہ قید سے پاکستان کا مقدر بدل گیا ہے تو آپ کو یقیناً خوش ہونا چاہئے۔

یہ جان کر دلی اطمینان ہوا کہ آپ خیریت سے ہیں۔ ہم سب بھی خیریت سے ہیں۔ ہمارے لئے بے انتہا آسانیاں پیدا ہو چکی ہیں اور بفضل خدا ہمارے ایمان پر ہلکی سی خراش بھی

Marfat.com

نہیں آئی۔ البتہ دعا ہے کہ اللہ آپ کا ایمان سلامت رکھے۔ آپ کے لئے آسانیاں پیدا کرے اور آپ کو ہر مشکل خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! کیمپ کے سارے بھائیوں کو سلام

والسلام

آپ کا اسلامی بھائی"

[01-06-2002]

Marfat.com

ادھر بھی کوئی ابرِ رحمت کا چھینٹا

کیا انقلاب آفرین دن ہے کہ جس نے زمانوں کے انداز بدل ڈالے۔ تہذیب انسانی کے قرینے تبدیل کر دیئے۔ انسانیت کی روشن قدروں کو یوں متعارف کرایا کہ اندھیروں کے بطن سے سورج، چاند، ستارے جنم لینے لگے۔ ازل سے ابد تک لامتناہی وسعتوں پر محیط ابر کرم، ہر زمانے کی تاریکیوں میں نیزے کی انی بن کر اترتی روشنی کی جاوداں کرن، زمین پر ماتھا رگڑتی زبوں حال قوموں کے لئے عظمت و وقار کا سرمدی پیغام، انسانی فکر و عمل کی لازوال رفعتوں کا امین، نڈھال، شکستہ حال اور لاچار لوگوں کا ملجا و ماوا، خطا کاروں سے درگزر اور بداندیشوں کے دل میں گھر کرنے والا۔ وہ کہ جس کے نام کی برکتیں لازوال اور جس کے ذکر کی رفعتیں بے کنار ہیں۔ لاکھوں درود اور کروڑوں سلام اس صاحب جلال و جمال پر کہ جس کا امتی ہونا، میرے آباؤ اجداد کا سرمایہ افتخار تھا، جو میرا توشہ آخرت ہے اور جو قیامت تک میری آنے والی نسلوں کا اثاثہ سعادت رہے گا۔

12 ربیع الاول کا مبارک دن ڈھل رہا ہے۔ اہل پاکستان کے دل عشق رسول کی دائمی خوشبو سے مہک رہے ہیں اور عقیدت کی شفق سے ان کے چہرے گلنار ہوئے جا رہے ہیں۔ فضاؤں میں بکھری، نعتوں کی مشکبو گونج کیف و سرور کی لذتیں بکھیر رہی ہے ... لیکن میری آنکھیں شدت غم سے سلگ رہی ہیں۔ اگر میں شہر جاناں تک پہنچ پاتا تو روضہ اقدس کی دیواروں سے لپٹ کر اتنا روتا، اتنا روتا کہ میرا سارا بدن تحلیل ہو جاتا۔ میری خاک کوئے دلدار کی گلیوں میں بکھر جاتی۔ میں رحمت دو عالم ﷺ سے وہ سب کہتا جو صحرا کے بگولے کی طرح میرے سینے میں گھمسان مچا رہا ہے اور جو کہنا چاہوں تو کہہ نہیں سکتا، لکھنا چاہوں تو لکھ نہیں سکتا۔ آگہی کا آشوب میرے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہا ہے۔ میری نس نس میں چنگاریاں سی بھر گئی ہیں۔ میری ہر سانس خنجر کی طرح دل کو چھید رہی ہے..... اور مدینہ دور ہے!

میں ابھی تک افغانستان کے سادہ و معصوم شہیدوں کے دکھ سے سنبھل نہیں پایا۔ پھول جیسے

Marfat.com

بچے خاک و خون میں نہا گئے۔ کتنی ہی عفت مآب بیٹیاں پت جھڑ کی رت کا خس و خاشاک ہو گئیں۔ گلابی گالوں اور شبابی آنکھوں والی کوہ قاف کی پریاں، امریکہ کے بازاروں میں نیلام ہو گئیں۔ لمبی عباؤں، بھاری پگڑیوں اور گھنی داڑھیوں والے اہل جنوں قلعہ جنگی کے زندانوں اور تورا بورا کے غاروں کا رزق بن گئے۔ ملا محمد عمر جیسا صاحب ایمان و یقیں، نامعلوم پہاڑوں اور بے نام گھاٹیوں کی طرف دھکیل دیا گیا۔ میں بہت کوشش کرتا ہوں کہ یہ سب کچھ بھول جاؤں۔ کبھی شمالی اتحاد کی فرمانروائی کے بارے میں سوچتا ہوں، کبھی حامد کرزئی کے دلکشا تصور سے دل بہلاتا ہوں۔ کبھی کابل میں کھل جانے والے میکدوں کا خیال کرتا ہوں۔ کبھی موسیقی کی تانوں کا تصور کرتا ہوں۔ لیکن دل ہے کہ بہلتا نہیں۔ کبھی لاٹھی ٹیکتا ملا حسن رحمانی سامنے آ کھڑا ہوتا ہے، کبھی قندھار کا وجیہہ و شکیل مرد جری، کندھے پر کالی چادر ڈالے پاس سے گزر جاتا ہے۔ کبھی ایک غریب و سادہ سی قبر سے نعت کے زمزمے پھوٹنے لگتے ہیں۔ کبھی احمد شاہ بابا کے مزار کے پہلو میں بنی پرشکوہ عمارت میں رکھے تین جستی صندوقوں کا خیال بے کل کر دیتا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے میں طالبان کی رگ گلو پر خنجر چلا رہا ہوں، میرے ہاتھ کہنیوں تک لہو سے لتھڑ گئے ہیں اور میں چیخ روکنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیتا ہوں لیکن سسکیاں رکنے میں نہیں آتیں۔

پھر مجھے بوسنیا کا خیال آتا ہے جہاں چشم فلک نے بربریت کو عریاں حالت میں دیکھا۔ مجھے مانسہرہ کی ہری بھری شاداب ڈھلوانوں کے آس پاس پھیلے، گورے چٹے، گلابوں کی طرح دہکتے چہرے یاد آ جاتے ہیں جنہیں میں نے کئی سال پہلے دیکھا تھا۔ مجھے فلسطین کے آتش بجانوں کا خیال آتا ہے جو اسرائیل کی ریاستی دہشت گردی کا ایندھن بن گئے۔ مجھے جنین کے مہاجر کیمپ کا خیال آتا ہے جہاں "امن کے سفیر" نے ایک بار پھر صابرہ اور شتیلہ کی انسانیت سوز تاریخ دہرائی ہے۔ مجھے امام شامل کی سرزمین شیشان (چیچنیا) کی یاد آتی ہے جو روس کے پنجہ استبداد میں جکڑی سسک رہی ہے۔ میں یہ سب کچھ بھول جانے کی کوشش کرتا ہوں لیکن دل کی دھڑکنیں قابو میں نہیں آتیں۔ میں دھاڑیں مار مار کر رونا چاہتا ہوں لیکن تماشا بن جانے کے خوف سے ڈر جاتا ہوں۔

بے چارگی اور بے بسی زہریلے ناگ کی طرح ڈسنے لگی ہے اور...... مدینہ بہت دور ہے!

اب مجھے بتایا جا رہا ہے کہ پاکستان نے اپنی سرزمین ہر قسم کی دہشت گردی کے لئے بند کر دی ہے۔ کشمیر کمیٹی کے چیئرمین، مجاہد اول سردار محمد عبدالقیوم خان "جہاد اصغر" کے دنوں میں آزاد کشمیر کو

Marfat.com

تحریک حریت کا بیس کیمپ کہا کرتے تھے۔ اب خبر آئی ہے کہ یہ بیس کیمپ ''جہاد اکبر'' کی نذر ہو گیا ہے اور طے پایا ہے کہ وہاں سے بھی حریت کی کوئی للکار نہیں اٹھے گی۔ کولن پاول کے فون تھمنے میں نہیں آ رہے۔ برطانوی وزیر خارجہ جیک سٹرا کہتا ہے کہ'' پاکستان کو دہشت گردی بند کرنا ہو گی۔'' جاپان کا وزیراعظم یہی سندیسہ دیتا ہے۔ یورپی یونین کا کمشنر برائے امور خارجہ ''کرس پیٹن'' کہتا ہے کہ'' پاکستان کچھ کرے ورنہ بھارت کا پیمانہ صبر لبریز ہونے کو ہے۔'' کوفی عنان کہتا ہے'' تمہارا خط مل گیا لیکن پہلے دہشت گردی بند کرو اور 12 رجنوری کی تقریر کو عملی جامہ پہناؤ۔'' امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا نائب ترجمان ''فلپ ریکر'' کہتا ہے'' بھارت کا غم و غصہ بجا ہے۔ پاکستان ضروری اقدامات کرے۔'' امریکہ اور روس کے صدور مل کر آواز لگاتے ہیں'' ریاستی حمایت یافتہ دہشت گردی بند کی جائے۔'' واجپائی بتاتا ہے کہ'' جنگ کے بادل چھٹ گئے ہیں'' اور مجھے کچھ معلوم نہیں کہ موسم نے اچانک یہ کروٹ کیسے لی ہے۔

نہ جانے کیوں میرا دل جھیل ڈل کے نیلگوں پانیوں میں غوطے کھا رہا ہے۔ 80 ہزار نورانی قبریں اور ان کے اوپر ہلکے پھلکے لطیف بادلوں کی طرح اڑتی معصوم روحیں مجھے کچھ یاد دلا رہی ہیں۔ میں ندامت کے بوجھ سے نڈھال آنکھیں چرا رہا ہوں لیکن ایک سیل ہے کہ کسی آن موج خون کی طرح میری آنکھوں سے رواں ہونے کو ہے۔

12 ربیع الاول کی دوپہر ڈھل رہی ہے۔ سلام و درود کی محفلیں رات گئے تک جاری رہیں گی۔ میں گھر کے ایک کونے میں جھولی پھیلائے کھڑا ہوں۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو روک رکھے ہیں کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ لیکن لاوا کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔

میں ڈھاڑیں مار مار کر رونا چاہتا ہوں لیکن مدینہ دور ہے...... بہت دور ہے۔

ادھر بھی کوئی ابر رحمت کا چھینٹا، ادھر بھی نظر بے سہاروں کے والی
دمکتے رہیں تیرے گنبد کے جلوے، سلامت رہے تیرے روضے کی جالی

[26-05-2002]

Marfat.com

پاکستان، کشمیر اور داخلی مسائل

نقشِ خیال

عرفان صدیقی کے کالموں کا دوسرا مجموعہ
زیرِ طبع ہے

Marfat.com

Marfat.com

عرفان صدیقی کے کالم خود بولتے ہیں۔ مجھے ان کے بارے میں کچھ کہنے، کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ وہ اتفاق سے ایک ایسے وقت ہمارے ساتھ شریک سفر ہوئے جب ملک ایک بحران سے دوچار تھا۔ افغانستان میں، کسی جواز کے بغیر امریکہ نے چڑھائی کر رکھی تھی۔ لوگوں میں ہیجان واضطراب بھی تھا اور غم وغصہ بھی۔ اس موقع پر نوائے وقت نے اسلام کی نظریاتی اساس اور مسلمہ اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر وہی کردار ادا کیا، جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ اللہ کے فضل وکرم سے پوری قوم نے نوائے وقت کے اس کردار کو خراج تحسین پیش کیا۔ ان شاء اللہ ہمارا مشن ہمیشہ جاری رہے گا۔

عرفان صدیقی اپنے کالم کے ذریعے نوائے وقت کے اس جہادِ پیہم کا نمایاں مجاہد رہا ہے اور آج بھی ہے۔ ان کے کالم کی جس طرح پذیرائی ہوئی وہ خود میرے لئے بھی حیرت کا باعث ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ عرفان صدیقی نے کالم کے معیار کو مستقلاً برقرار رکھا اور اس کی دلکشی میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔ اخباری صحافت رفتہ رفتہ ادبی لطافت سے خالی ہوتی جا رہی ہے اور اب تو زبان میں عجیب وغریب لفظوں اور محاوروں کی آمیزش ہونے لگی ہے۔ عرفان صدیقی نے کالم نگاری میں شعروادب کی چاشنی کو زندہ کیا اور ایک ایسا پرکشش اسلوب اختیار کیا جس نے ان کے اخباری کالموں کو ادب پارے بنا دیا۔ یہ اردو صحافت کی ایک کلاسیکی روایت کا احیا ہے۔

نوائے وقت کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ اس کی حیات جاوداں کے نصف صدی سے زائد عرصے میں کئی نامور صحافی اور کالم نگار اس کے مکتب سے فیض یاب ہوئے۔ عرفان صدیقی کا نام ہماری اس فرد اعزاز میں نیا قابل قدر اضافہ ہے بلکہ میں اسے پاکستان کی اردو صحافت میں بھی نہایت معتبر اضافہ خیال کرتا ہوں۔

مجھے یقین ہے کہ ان کے کالموں کا یہ مجموعہ اپنے موضوع، اسلوب بیان اور جذبے کی گہرائی کے باعث بے حد مقبول ہوگا۔ میں دعا گو ہوں کہ وہ اسلام اور پاکستان سے ناقابل شکست وابستگی رکھتے ہوئے جذبے کی اسی سچائی اور عزم کی اسی پختگی کے ساتھ لکھتے رہیں، قارئین انہیں اسی طرح پذیرائی بخشتے اور رسید بھی دیتے رہیں۔ آمین

مجید نظامی

Marfat.com